اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادرِ علمی پیشکش

آثار التشریع

المسمّٰی بہ

آثار الفقہ الإسلامی

جلد دوم

کتب فقہ — اصطلاحات الفقہ — ائمہ فقہ
صحابہ میں فقہ کے بارہ امام — تابعین میں فقہ کے بارہ امام
تابعین کے اگلے طبقہ کے امام — ائمہ مجتہدین
ائمہ محدثین — دقائق الفقہ — مختلف انواع الفقہ
جیسے اہم عنوانات پر عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب : آثار التشریع الاسلامی جلد دوم

مصنف : علامہ خالد محمود صاحب

کتابت : محمد حفیظ الحق صدیقی

ناشر : دارالمعارف لاہور

صفحات : ۵۲۸

قیمت : ۲۰۰/

ملنے کے پتے

مکی دار الکتب / دار الشعور

32 میکلیگن روڈ ایچ کے بی بی سنٹر

چوک اے جی آفس لاہور 7239138

فہرست

کتبِ فقہ

احکام کی وضعی صورت

اجماع

اجتہاد

تقلید

تلفیق

مفتی بہ قول

تطبیق وترجیح

التملیک اور حیلہ تملیک

عزیمت اور رخصت

عام استعمال کی اصطلاحیں

ائمہ فقہ

فقہ کے پہلے بارہ امام

صحابہ کرامؓ کی علمی خدمات پر نظر

تابعینؒ کے صفِ اوّل کے بارہ امام

تابعینؒ کی دوسری صف کے بارہ امام

دوسری صدی کے بارہ امام

فقہائے تابعینؒ کے بعد مسلمانوں کی علمی حالت

امام ابوحنیفہ کے شاگردانِ گرامی جو اہل فتویٰ رہے

دقائق الفقہ

مختلف انواع الفقہ

عالم قریش کی مسند علمی

اسلام کی چوتھی متداول فقہ

فقہ جعفری کا تعارف

کُتبِ فقہ

اور اُن کا ائمہ سے انتساب

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

صحابہؓ میں فقہ کے بارہ امام علم و افتاء کا مرجع تھے۔ ان کے اسماء گرامی آپ کو ائمہ فقہ کے ذیل میں ملیں گے۔ فقہ کا آغاز خود صحابہؓ سے ہوا ہے۔ صحابہؓ کے بڑے بڑے شاگرد حضرت علقمہؒ بن قیس (۶۲ھ)، مسروق بن اجدعؒ (۶۳ھ) فقیہ الفقہاء حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ)، امام زین العابدینؒ (۹۴ھ)، عروہ بن زبیرؒ (۹۴ھ) اسودؒ بن یزید نخعی (۹۵ھ) امام ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) سعید بن جبیرؒ (۹۸ھ) خارجہ بن زیدؒ (۹۹ھ) سالم بن عبد اللہؒ (۱۰۶ھ) سلیمان بن یسارؒ (۱۰۷ھ) امام قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) مکحولؒ (۱۱۳ھ) عطاء بن ابی رباحؒ (۱۱۴ھ) حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) حماد بن ابی سلیمانؒ (۱۲۰ھ) وغیرہم۔

امت میں بطور مفتی کام کرتے رہے۔ ان حضرات کی جزئیات فقہ گو ہزاروں لاکھوں ہیں لیکن وہ کہیں ایک جگہ مدون نہ ہو پائیں۔ مختلف الانواع آثار صحابہ جو ہزاروں تھے انہیں یاد تھے لیکن انہوں نے ابھی کسی ترتیب میں جگہ نہ پائی تھی نہ وہ کہیں مدون ہوئے تھے ـــــ اور تو اور نماز کا پورا لائحہ عمل اور نقشہ اور اس کے اعمال کے مختلف درجات اور ان کے احکام کہیں یکجا منقسم فی الانواع ہو کر جمع نہ تھے نہ ذخیرہ حدیث میں کسی ایک ترتیب میں وہ ملتے تھے۔ روایات و آثار میں کہیں یہ نقشہ نماز ایک جگہ موجود نہ تھا

فن کو بطور فن یکجا کرنا اور مسائل کو عملی شکل میں ترتیب دینا بہت اہم اور مشکل کام تھا علم کی کھلی زمین پر کتاب و سنت کی کھلی تابانی تھی اور آثار صحابہؓ کی نہریں جاری تھیں مگر اس فن کو مدون اور مرتب کرنے اور ہر ایک مسئلے کو اس کے درجے میں رکھنے کے لیے کسی مردِ آہن کی ضرورت تھی جو کتاب و سنت کی گہرائی میں اُتر کر ـــــ ان کی وسعتوں میں لپٹ کر ـــــ اور تمام اختلافات کے درجوں

میں جھانک کر کتاب و سنت کو ایک عملی اور قانونی شکل میں ترتیب دے، دنیا کو اس مدون فقہ کا انتظار تھا اور اپنے پرائے ہر ایک فرد علم کا اعتراف ہے کہ وہ کون تھا علم ثریا ستاروں سے بھی ورے ہو تو وہ وہاں بھی اسے پا سکتا تھا۔

اس عظیم کام کا بیڑہ اٹھانے کے لیے اور اجتہاد کی اس کشتی کو کھینے کے لیے جو حضرات آگے بڑھے ان میں امام ابوحنیفہؒ سرفہرست ہیں۔ ان کے بعد جس شخص نے بھی اس فن میں کوئی مقام پایا وہ انہی کے سائے میں۔ حتیٰ امام شافعی جو بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ سے مختلف ہیں وہ بھی کہہ اٹھے کہ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہؒ کے دست نگر ہیں۔

الناس کلھم عیال علی حنیفۃ فی الفقہ

اصول فقہ کی کیا وہ صورت تھی جو آپ پر کھولی گئی اور شریعت کا مغز کس طرح آپ کے سامنے مبرہن تھا اسے امام شافعی جیسے حضرات ہی جانتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے جس طرح فقہ اسلامی کو مرتب کیا اس کی بحث تدوین فقہ کا موضوع ہے یہاں صرف ان کتابوں کا تعارف کرانا ہے جن سے امت کو اپنے اسلاف کی کاوشوں کا چہرہ مرتب نظر آتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے اس عظیم تاریخی کام میں اُن کے دستِ راست حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ) ہیں جنہوں نے آپ کی فقہ مرتب کی اور فقہ اسلام کو ایک عملی تشکیل دی۔

امام محمدؒ کی پہلی کتاب الجامعُ الصغیر

روایات و آثار کی گہرائیوں میں اُتر کر مسائل کو ایک عملی پیرائے کی ترتیب دینا اور احکامِ شریعت کو اس اختصار سے یکجا کرنا یہ کوئی معمولی کام نہ تھا۔ خطوط و مذاکرات سے حدیث و آثار کے بڑے بڑے مجموعے یکجا کیے جا سکتے ہیں لیکن ان میں نماز تک کی یکجا صورت آپ کو کہیں نہ ملے گی الجامع الصغیر ہے تو چھوٹی سی کتاب لیکن اسلامی دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس نے عبادات

ومعاملات کو روایات کی شکل میں نہیں ایک عملی صورت میں پیش کیا ہے۔ حضرت امام کا املاء ایسا فقہی مجموعہ ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ ہو سکتا ہے کہ امام محمد نے ترتیب اسی سے لی ہو۔

پھر اس کتاب پر بڑی بڑی شرحیں لکھی گئیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ کتاب فقہ اسلام کی تدوین میں آئندہ پوری امت کے لیے ایک سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے پچھلے ادوار میں اس کتاب کے کئی حافظ بھی ہوئے۔

آج جو شخص اپنے آپ کو مجتہد سمجھتا ہو اسے چاہیئے کہ اس کتاب کا کوئی ایک باب لے کر (اسے مطالعہ کیے بغیر) اسے اپنے علم اور معلومات سے نئے سرے سے مرتب کرے اور پھر اپنی اس ترتیب کو اس باب کے مضامین سے ملا کر دیکھے۔ اُسے فوراً پتہ چل جائے گا کہ وہ کیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا اور اپنے آپ کو مجتہد سمجھے ہوئے تھا۔

الجامع الصغیر کے قریب اگر کوئی اور کتاب سمجھی جا سکتی ہے تو وہ مختصر القدوری ہے امام ابوالحسین احمد القدوری (۴۲۸ھ) جو خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کے حدیث میں اُستاد تھے اور ایک واسطہ سے حافظ ابو بکر جصاص رازی (۳۷۰) کے شاگرد ہیں انہوں نے یہ نہایت عُمدہ مختصر لکھی لیکن کب؟ جامع الصغیر کے بعد —— الجامع الصغیر میں ۵۳۲ مسئلے ہیں۔ اُن میں آپ نے ۱۷۰ مسئلوں میں حضرت امامؒ سے اختلاف کیا ہے۔ امام محمدؒ نے اس کتاب میں دو مسئلوں کے سوا کہیں قیاس اور استحسان کا ذکر نہیں کیا۔

امام قدوریؒ کا امام محمدؒ تک سلسلہ اسناد

امام قدوری کا تلمذ فی الفقہ پانچ واسطوں سے امام محمد تک پہنچتا ہے :-

۱. محمد بن یحییٰؒ (۳۹۸ھ) ۲. جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) ۳. عبیداللہ کرخیؒ (۳۴۰ھ) ۴. ابوسعید بردعیؒ (ھ) ۵. امام موسیٰ رازیؒ (ھ)

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں میں نے آپ سے (امام قدوری سے) حدیث روایت کی ہے

آپ صدوق تھے حدیث کم روایت کرتے تھے۔ علامہ سمعانی فرماتے ہیں :۔

کان فقیہاً صدوقاً انتھت الیہ ریاسۃ اصحاب ابی حنیفۃ بالعراق

وعزمدھم قدرہ۔

قدوری میں مسائل ہیں ـــ امام قدوری کی اس مختصر کو امام محمد کی الجامع الصغیر کا دوسرا ایڈیشن سمجھئے ـــ یہ کتابیں ہدایہ کا متن ہیں۔

امام محمدؒ کی دوسری کتاب الجامع الکبیر

یہ کتاب فقہی طور پر بڑی دقیق اور مشکل کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے حضرت امام کے اقوال کے ساتھ امام زفرؒ جو فقہ میں اشباہ اور امثال کے بادشاہ مانے گئے ہیں۔ ان کے بھی خاصے اقوال اس میں لیے ہیں۔ ایک ایک موضوع میں متبادل اقوال سامنے لانا اور پھر ان میں محاکمہ کرنا علم فقہ کی جان ہے جو اس میں نمایاں ہے۔

السیر الصغیر اور السیر الکبیر

حدیث کی کتابوں میں سیر کا باب عام طور پر جہاد کے ساتھ ہوتا ہے صحیح مسلم کی دوسری جلد میں کتاب السیر والجہاد ۸۴ صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر کتاب الامارۃ ہے جو ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے یہ ابواب امور سلطنت سے متعلق ہیں۔ ان کا تعلق مسلمانوں کی انفرادی زندگی سے نہیں اجتماعی زندگی سے ہے امام محمدؒ نے سیر پر جو چھوٹی کتاب لکھی وہ سیر اسلامی کا پہلا خاکہ ہے جو اس ایجاز سے مرتب ہوا اس پر بڑی بڑی شرحیں لکھی گئیں۔ محدثین نے ان ابواب کی روایات بے شک روایت کی ہیں۔ مگر ان کا پہلا فقہی خاکہ وہی ہے جو امام محمد نے مرتب کیا والفضل للمتقدم السیر الکبیر علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) کی شرح کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ پہلے حیدرآباد دکن میں یہ چار جلدوں میں شائع ہوئی تھی

ان کتابوں سے فقہاء کے ذوق کا پتہ چلتا ہے کہ جس طرح وہ اسلام کے نظامِ عبادات اور معاملات میں علمی اور تحقیقی ذوق رکھتے تھے۔ ان کی وہی دلچسپی سلطنت اور اسلامی سیاست سے رہی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ وہ سیاست میں آنے کی بجائے اصلاحِ سیاست میں کوشاں رہے امام ابو یوسفؒ کا وہ طویل خط جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کو اسلام کے نظامِ مالیات کے بارے میں لکھا۔ وہ اُن کی حق گوئی اور فکری گہرائی کی ایک کھلی دلیل ہے۔ وہ خط کیا ہے۔ ایک پوری کتاب ہے جو کتاب الخراج کے نام سے معروف ہے۔

کتابُ الاصل

امام محمدؒ کی یہ کتاب المبسوط کے نام سے بھی معروف ہے۔ علامہ سرخسیؒ نے اس کی بھی شرح لکھی ہے جو پندرہ ضخیم جلدوں میں ہے۔ شرح کے بغیر صرف متن چار جلدوں میں ہے۔

زیادات

یہ امام محمدؒ کی چھٹی کتاب ہے جو ظاہر الروایہ میں شامل ہے۔ حضرت امام محمدؒ کی یہ چھ کتابیں ظاہر الروایات کہلاتی ہیں۔ ان کتابوں کو اصل مؤلف سے اتنے لوگوں نے پڑھا اور ان کتابوں نے شروع سے اتنی شہرت پائی کہ اب اس میں کسی پہلو سے خفا نہیں کہ حنفی مذہب کیا ہے ؟ اور اس کی اساس کون سی کتابیں ہیں امام محمدؒ کی تالیفات ان کتابوں کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں لیکن وہ سب ظاہر الروایہ نہیں وہ نوادر کے نام سے معروف ہیں۔ حدیث میں امام محمدؒ کی کتابیں ان کے علاوہ ہیں جیسے مؤطا امام محمد. کتاب الآثار اور الحجة علی اہل المدینة

فقہ کی روایات استخراجی انداز میں

حدیث کی روایت لفظاً اور معنیً ہوتی ہے۔ فقہ کی روایت لفظاً معنیً اور استخراجاً ایک

باریک علمی انداز میں بھی) ہوتی رہی ہے روایت باللفظ اور روایت بالمعنی کی بحثیں فن حدیث کا موضوع ہیں یہاں ہم صرف اس پر بحث کریں گے کہ فقہ استخراجاً کس طرح روایت ہوتی رہی ہے

فقہاء مجتہدین کے اصول اپنے اپنے ہیں انہوں نے اپنے اپنے اصولوں کے تحت جو مسئلے دریافت کیے اگلے آنے والے فقہاء نے اس اجتہاد اور اس دریافت پر اور بہت سی جزئیات جو اُن سے لازم آتی تھیں مرتب کر ڈالیں اور ان سب کو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قرار دیا۔ یہ بات اصولاً درست ہے گو وہ جزئیات جو اُن سے لازم آتی تھیں لفظاً یا معنًی مروی نہ ہوں۔ اور ان فقہاء نے انہیں آپ سے استخراجاً روایت کیا ہو، ان میں لفظی اور معنوی نقل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ استخراجی نقل میں سند کی نہیں، علم اور تفقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طریق سے جو مسائل حل ہوں گے وہ اس اصول پر مستخرج ہونے کی وجہ سے اس امام کی طرف ہی منسوب ہوں گے جس نے اس کی اصل قائم کی تھی یہی وجہ ہے کہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں صحابہؓ اور ائمہؒ کے اقوال روایۃً ملتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل استخراجاً ملتے ہیں اصلاً ان کی فقہ وہی ہے جو امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ اور دوسرے شاگردوں نے ان سے روایت کی ہے۔

فقہ کا میدان ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ ہر جگہ، ہر وقت اور ہر صورت کے مطابق نئے نئے مسائل اُٹھتے رہے اور اہل العلم والفقہ اپنے ان ائمہ کی کتابوں پر ان مسائل کا استخراج کرتے رہے جو لوگ اس استخراجی طریق سے واقف نہیں۔ ان کے ذہن میں نقل و روایت کا وہی ایک طریق ہے جو تاریخی طور پر کسی چیز کے ثابت کرنے اور نہ ثابت کرنے کے بارے میں ہوتا ہے وہ فقہ کی اس باریک علمی روایت کو جو استخراج سے چلتی ہے سمجھ ہی نہیں سکتے۔ وہ جب کتب فقہ کے بڑے بڑے ذخیروں کو امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب دیکھتے ہیں وہ اپنی کم علمی کے باعث تھرا اُٹھتے ہیں کہ حضرت امامؒ نے تو احکام پر کوئی کتاب نہیں لکھی یہ بڑے بڑے علمی ذخیرے کہاں سے آگئے۔ وہ نہیں جانتے کہ فقہ کی روایت صرف اتصالاً نہیں، زیادہ استخراجاً چلی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتابیں زیادہ حاشیہ پر حاشیہ اور شرح بر حاشیہ اور حاشیہ بر شرح اور پھر فتاویٰ کی صورت میں چلتی آرہی ہیں۔

فقہ کی درسی کتابیں

① مختصر القدوری کا تعارف پہلے آچکا ہے، اس پر متعدد شروح لکھی گئیں۔

② کنزُالدقائق

اس کے مصنف جلیل القدر مفسر قرآن ابوالبرکات عبداللہ بن احمد مسعود النسفیؒ (۷۱۱ھ) ہیں۔ آپ متن نگاری میں بڑے اونچے درجے کے مصنف تسلیم کیے گئے ہیں۔ عقائد نسفی انہی کی تالیف ہے جس کی شرح علامہ تفتازانی نے لکھی۔ شرح عقائد نسفی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ نبراس اس کی عظیم شرح ہے۔ علم اصول میں آپ کا متن "المنار" ہے۔ اس کی شرح "نورالانوار" مدارس میں داخل نصاب ہے۔ آپ کی تفسیر "مدارک التنزیل" بھی بعض مدارس میں داخل نصاب ہے۔

علامہ نسفیؒ نے اس میں بالالتزام وہی مسائل لکھے ہیں جو ظاہرالروایہ ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے بھی وہی مسائل لیے ہیں جو مفتی بہ ہیں۔ صرف چند مسائل ایسے ہیں جو اس معیار پر پورے نہیں اُترتے اس کتاب کی عظمت کے لیے یہی کہنا کافی ہے کہ فقہ حنفی کی مایۂ ناز کتاب البحرالرائق جس کے مصنف علامہ ابن نجیمؒ (۹۷۰ھ) اپنے وقت کے ابوحنیفہؒ سمجھے جاتے تھے اس کتاب کی شرح ہے۔ علامہ فخرالدین الزیلعیؒ (۷۴۲ھ) نے بھی اس کی شرح "تبیین الحقائق" چھ ضخیم جلدوں میں لکھی ہے۔ اور علامہ عینیؒ جیسے بلند پایہ محدث نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔

صاحب الکنز کی سند شمس الائمہ علامہ کردری کے واسطہ سے صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) تک پہنچتی ہے۔ کنزالدقائق کے بعد شرح وقایہ پڑھائی جاتی ہے اور اس کے بعد ہدایہ مدارس عربیہ کی سب سے اونچی فقہ کی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ جس کا تعارف ہم پہلے دے آتے ہیں۔

③ شرح وقایہ

وقایہ تاج الشریعۃ محمود بن احمدؒ کی تالیف ہے۔ تاج الشریعۃ

کے پوتے عبیداللہ بن مسعودؒ (۷۴۷ھ) نے وقایہ کی ایک تلخیص کی جس کا نام نقایہ ہے اور ایک اس کی شرح لکھی جس کا نام شرح وقایہ ہے۔ آپ نے اسی طرح علم اصول پر ایک متن لکھا جس کا نام تنقیح ہے۔

۴ ہدایہ کا تعارف

امام قدوریؒ کا اسناد امام محمدؒ تک ہم بیان کر آئے ہیں۔ قاضی عمر بن محمدؒ کے شاگرد ورائیں ابوالحسن علی الملقب بہ برہان الدینؒ (۵۹۲ھ) عظیم علمی شخصیت بن کر ابھرے آپ نے امام محمدؒ کی کتاب الجامع الصغیر اور مختصر القدوری کو ملا کر ایک کتاب بدایۃ المبتدی لکھی۔ یہ ہدایہ کا متن ہے پھر اس پر مصنف نے ایک عظیم شرح کفایۃ المنتہی لکھی۔ ہدایہ اسی کی تلخیص ہے جو اولین اخیرین کی چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی پھر آگے بہت سی شروح لکھی گئیں اور اس متن پر بہت سے حاشیے بھی لکھے گئے۔

اس کتاب کی عظمت کے لیے یہ بات جان لینی کافی ہے کہ علامہ ابن ہمام سکندریؒ (۸۶۱ھ) اور علامہ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ) جیسے بلند پایہ محدثین نے اس کی شرحیں لکھیں اور علامہ جمال الدین الزیلعیؒ (۷۶۲ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) جیسے حفاظ حدیث نے اس کی احادیث کی تخریج کی پھر بھی کئی مقامات پر حافظ ابن حجرؒ کو ہتھیار ڈالنے پڑے کہ یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی اور یہ روایت میں نے نہیں پائی۔ مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی لکھتے ہیں :-

> فقہ حنفی میں کتاب ہدایہ میں مسائل فقہ کی اسناد میں روایات سے جو ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معقولی باتیں سمجھائی ہیں۔ اُن میں امام برہان الدین مرغینانیؒ مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سُود گنی جائے گی؟ یہ بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے اور کون کہے گا؟ [1]

---

[1] تاریخ اہلحدیث صفحہ ۱۱۱

مولانا محمد ابراہیم میر جماعت اہلحدیث کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب سے نقل کرتے ہیں۔

ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے چھوٹا رافضی جانتے ہیں[1]

سو جو لوگ ائمہ کی ان کتابوں کو جو علم کے ذخیرے ہیں نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بہت بے ادبی سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ انہیں ان کے اپنے اکابر نے شیعوں کی صفوں میں جگہ دی ہے انہیں اہلحدیث کہنا خود شیخ الکل اور مولانا ابراہیم سے ایک کھلی بغاوت ہے

حضرت علامہ برہان الدینؒ کا ہدایہ میں آیات واحادیث لانا اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ حنفی فقہاء اپنے ائمہ کو بالذات شرعی دلیل نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی بات کو یہ حضرات اسی درجہ میں قبول کرتے رہے ہیں کہ یہ بات کتاب وسنت کی روشنی میں کہی جا رہی ہے۔ گو انہیں وہ خاص دلیل معلوم نہ بھی ہو، جس کی وجہ سے کسی امام نے وہ بات کہی پھر بھی اس پر دوسرے دلائل کا تجسس بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کے کسی طبقہ کے ہاں کتاب وسنت کے بالمقابل کسی کا قول اور رائے معتبر نہیں سمجھا گیا۔ مدارس عربیہ میں ہدایہ فقہ کی دیگر کتابوں کے بعد آخر میں پڑھائی جاتی ہے تاکہ طلبہ کے ذہن میں فقہ اس درجہ میں جگہ پا سکے کہ یہ اپنے ثبوت میں کتاب وسنت کی محتاج ہے اسے اعتماد پر قبول کر لینا اور مطالبہ دلیل میں نہ پڑنا یہ امر دیگر ہے جو اپنی جگہ جائز ہے۔ قدوری پہلے اسی لیے پڑھائی جاتی ہے کہ طلبہ کو اسلام کی عملی صورت کا پتہ چل جائے۔ دلائل کی نوبت پھر ہدایہ میں آتی ہے۔

صاحب ہدایہ کی سند فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بزدویؒ (۴۸۲ھ) شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) شمس الائمہ علامہ حلوانیؒ (۴۴۸ھ) ابوعلی النسفیؒ (ھ) ابوبکر محمد بن الفضلؒ ابوعبداللہ السید بونیؒ (ھ) ابوحفص عبداللہ بن احمد بن ابی حفص الصغیرؒ (۲۶۴ھ) سے امام ابوحفص الکبیرؒ (۲۱۸ھ) شاگرد حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) تک پہنچتی ہے۔

---

[1] تاریخ اہل حدیث ص۳۰

پھر اس شرح کی شرح لکھی جس کا نام توضیح ہے۔ توضیح کی علامہ تفتازانی نے شرح لکھی جس کا نام تلویح ہے۔ یہی توضیح تلویح مدارس میں داخل نصاب ہے۔

اس تفصیل سے آپ مصنف کی جلالت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس کتاب سے طلبہ میں ہدایہ پڑھنے کی اچھی خاصی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اس کی عبارت نہایت سلیس ہے اور کنز الدقائق کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے۔

یہ چار کتابیں مدارس عربیہ میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ ۱۔ قدوری ۲۔ کنز الدقائق ۳۔ شرح وقایہ ۴۔ ہدایہ کہیں کہیں ان کے ساتھ شرح نقایہ بھی داخل درس ہے۔ یہ مجدد مائۃ دہم ملا قاری (۱۰۱۴ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں شارح نے متن نقایہ کے ہر مسئلے پر حدیث سے استناد کیا ہے۔

جو لوگ بے علمی کے نشہ میں کہہ دیتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں کہیں حدیث نہیں ہوتی انہیں چاہیئے کہ وہ ہدایہ اور شرح نقایہ کا مطالعہ کریں۔

ان کتابوں کے علاوہ دو اور کتابیں بھی داخل نصاب ہیں۔ ۱۔ منیۃ المصلی ۲۔ نور الایضاح —— منیۃ المصلی صرف کتاب الصلوٰۃ تک ہے۔ یہ شیخ سدید الدین کاشغری (۷۰۸ھ) کی تالیف ہے اس کتاب کی اہمیت کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ علامہ ابراہیم حلبی (۹۵۶ھ) نے اس کی عظیم شرح لکھی جو کبیری کے نام سے مشہور ہے۔ کبیری احادیث کا ایک گرانقدر علمی سرمایہ ہے اور فقہ اور حدیث کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

نور الایضاح

ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی (۱۰۶۹ھ) کی تالیف ہے۔ مصر کے قریب کے ایک قصبہ شبرابلولہ کے رہنے والے تھے۔ امام عبد اللہ نحریری کے شاگرد تھے۔ اسماعیل نابلسی دمشقی آپ کے شاگرد ہیں۔ ۱۰۴۵ھ میں آپ نے نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح لکھی۔ اس کتاب کی جلالت قدر کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ علامہ طحطاوی جیسے جہابذہ روزگار فضلاء نے اس کی شروح لکھیں۔ یہ کتاب صرف عبادات پر مشتمل ہے

علامہ شرنبلالی (۱۰۶۹ھ) کی چند ایک یہ تصنیفات بھی ملاحظہ کیجئے، آپ کا قلم تقریباً ہر موضوع پر چلا ہے۔

① الابتسام باحکام الافحام وتنقیح بسم الشام
② الاحکام الملخصہ فی حکم ماء الحمصہ
③ الاستفادہ من کتاب الشہادہ
④ اسعاد آل عثمان المکرم ببناء بیت اللہ الحرام
⑤ اکرام اولی الالباب بشریف الخطاب
⑥ بسط المقالہ فی تحقیق تاجیل الکفالہ
⑦ تحفۃ النحریر واسعاف لناذر الغنی والفقیر
⑧ التحقیقات القدسیہ فی مذاہب السادۃ الحنفیہ
⑨ تنقیح الاحکام فی حکم الابراء والاقرار الخاص والعام
⑩ تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد
⑪ الدر الثمین فی الیمین
⑫ الزہر النضیر علی الحوض المستدیر
⑬ العقد الفرید لبیان الراجح من الخلاف فی جواز التقلید
⑭ سراج الظلام والبدر التمام
⑮ الجوہرۃ المنیفہ علی مذہب ابی حنیفہ
⑯ النفیس المنجر لشراء الدرر
⑰ النعمۃ المجددہ بتکمیل الوالدہ

ان ناموں سے اندازہ کریں کہ علماء نے علم فقہ میں کن کن شکل موضوعات پر قابو پایا ہے یہ حضرات کئی کئی عنوانات سے گزرے ہیں صرف ایک مصنف کی بات نہیں۔ فقہاء کرام اپنے اپنے وقت میں علم کے اُچھلتے سمندر تھے۔ اس طرح کے موضوعات پر کیا کسی محدث نے بھی حدیث کی کوئی کتاب ترتیب دی ہے؟ اگر علم فقہ مرتب نہ ہوتا ہم عملی زندگی میں ان موضوعات میں کبھی نہ چل سکتے اور حق یہ ہے کہ مصنف انہی کو کہا جانا چاہیے۔ محدثین اپنی کتابوں کے جامع اور مؤلف تو ہو سکتے ہیں مصنف نہیں۔ روایت حدیث تو ایک غیر عالم بھی کر سکتا ہے لیکن اس کی گہرائی میں فقہاء ہی اُترتے ہیں۔ یہ ایک شرنبلالی کی بات نہیں فقہ کی تاریخ ایسے ہر سمت اُٹھنے والے اعلام سے مالا مال ہے۔

فقہ کی درسی کتابوں کے بعد اب کچھ شروح فقہ اور کچھ اصولِ فقہ کی کتابوں کا بھی کچھ مختصر تعارف کرانا مناسب رہے گا واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

شروح کتبِ فقہ

درسی کتبِ فقہ کے ضمن میں گو بہت سی شروح فقہ کا ذکر آچکا ہے۔ تاہم ان کتابوں کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں علیحدہ عنوان سے بھی ذکر کیا جائے۔ ان میں کچھ ان کتابوں کا بھی ذکر آجائے گا جو گو مستقل شروح نہیں لیکن شروح کی طرح علماء میں متداول ہیں

① امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کی کتاب کتاب الاصل کی شرح شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) نے المبسوط کے نام سے لکھی۔ یہ پندرہ ضخیم جلدوں میں ہے۔ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

② ہدایہ یہ شرح علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) نے لکھی۔ یہ جامع صغیر امام محمدؒ، اور مختصر القدوری کے مشترکہ متن پر لکھی گئی ہے۔ یہ چار جلدوں میں ہے پہلی دو جلدیں اولین اور دوسری دو جلدیں اخیرین کہلاتی ہیں۔

③ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ علامہ ابوبکر مسعود الکاسانیؒ (۵۸۷ھ) کی تالیف ہے یہ ضخیم کتاب چھ جلدوں میں ہے۔ اس میں بھی آیات اور احادیث کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

④ کنزالدقائق پر علامہ فخرالدین الزیلعیؒ (۷۴۳ھ) کی شرح تبیین الحقائق فی شرح کنزالدقائق چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑤ علامہ عبیداللہ بن مسعودؒ (۷۴۷ھ) نے وقایہ کی شرح لکھی یہ شرح وقایہ درسی کتاب ہے نورالہدایہ اس کی اردو شرح ہے۔

⑥ العنایہ شرح الہدایہ للبابرتی (۷۸۶ھ)

⑦ جوہرنیرہ شرح قدوری، لابی بکر بن علی بن محمد المصریؒ (۸۰۰ھ) دو جلدوں میں ہے۔

⑧ علامہ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ) نے البنایہ کے نام سے ہدایہ کی شرح دس ضخیم جلدوں میں لکھی۔

⑨ حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) نے فتح القدیر کے نام سے ہدایہ کی شرح آٹھ ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی ہے۔

⑩ علامہ ابراہیم الحلبیؒ (۹۵۶ھ) نے منیۃ المصلی کی شرح غنیۃ المستملی (المعروف بہ کبیری) لکھی۔

⑪ البحرالرائق شرح کنزالدقائق، علامہ ابن نجیمؒ (۹۷۰ھ) سات ضخیم جلدوں میں ہے۔ علامہ شامی نے اس پر ایک نفیس حاشیہ لکھا ہے۔

⑫ شرح نقایہ، ملاعلی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) چار جلدوں میں حلب سے شائع ہوئی ہے

⑬ تنویرالابصار کی شرح درمختار محمد بن علاء الدینؒ (۱۰۸۸ھ) نے لکھی جس پر علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۲۵۸ھ) نے ردالمحتار کے نام سے ایک عظیم شرح لکھی ہے جو فتاویٰ شامی کے نام سے معروف ہے۔

⑭ فتاویٰ خیریہ، علامہ خیرالدین الرملیؒ (۱۰۸۱ھ)

⑮ فتاویٰ عالمگیری کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ یہ کسی متن پر شرح تو نہیں لیکن کتب کی شروح کی طرح ایک مبسوط کتاب ہے۔ اس لیے ہم اسے ذکر کر رہے ہیں اسے سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۱۲۵ھ) نے تیار کرایا تھا۔

⑯ درمختار کی عظیم شرح علامہ سید احمد الطحطاویؒ (۱۲۳۳ھ) نے چار ضخیم جلدوں میں لکھی ہے۔

⑰ ردالمحتار شرح درمختار لابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۸ھ)

⑱ فتاوے حامدیہ للعلامہ ابن عابدین الشامی

پہلے دور کی دیگر کتبِ فقہ

خلاصۃ الفتاوی للامام طاہر البخاری السرخسیؒ (۵۴۲ھ) فتاویٰ قاضی خاں: (۵۹۲ھ)

محیط للسرخسیؒ (۵۴۴ھ) فتاویٰ سراجیہ: (۵۶۹ھ)

فتاوے فقیہ ابو اللیث سمرقندی (۵۴۰ھ)

دیگر اہم کتب فتاوے

① جامع الفتاوی للحمیدی السعدی (۸۸۰ھ)
② فتاویٰ ابن کمال پاشا احمد بن سلیمان الرومی (۹۴۰ھ)
③ فتاویٰ ابن نجیم الرسائل الزینیہ فی مذہب الحنفیہ (۹۷۰ھ)
④ فتاوی التمرتاشی شمس الدین التمرتاشی (۱۰۰۴ھ)
⑤ الفتاوی الحانوتیہ فی الفقہ الحنفیہ للحانوتی (۱۰۱۰ھ)
⑥ فتاویٰ ابن مرشد العمری المفتی بمکہ (۱۰۳۷ھ)
⑦ الفتاوی الانقرویہ محمد بن الحسین الرومی (۱۰۹۸ھ)
⑧ الفتاوی التاجیہ فی الوقائع البعلیہ (۱۱۱۴ھ)
⑨ الفتاوی الاسعدیہ الاسکداری (۱۱۱۶ھ)
⑩ الفتاوی الازہریہ برہان الدین الازہری (۱۱۳۴ھ)

کُتبِ فقہ بر موضوعات خاصہ

① کتاب الخراج للامام قاضی ابو یوسف (۱۸۲ھ)
② احکام الوقف لابی بکر احمد بن عمرو الخصاف (۲۶۱ھ)
③ السیر الصغیر والسیر الکبیر امام محمد (۱۸۹ھ)
④ کتاب الفرائض امام طحاوی (۳۲۸ھ)
⑤ کتاب الفرائض لصاحب الہدایہ (۵۹۶ھ)
⑥ شریفی علامہ سید شریف الجرجانی (۸۱۴ھ)
⑦ کتاب المناسک ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

(۸)

(۹)

(۱۰)

کتب اصول فقہ

شیخ خضری کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف (۱۸۲ھ) اور امام محمد (۱۸۹ھ) نے اصول پر کتابیں لکھی تھیں لیکن وہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اصول فقہ پر سب سے پہلی جو کتاب ملتی ہے وہ حضرت امام شافعی (۲۰۴ھ) کا رسالہ ہے۔ پھر عیسیٰ بن ابان (۲۲۰ھ) کی ۱۔ اثبات القیاس اور ۲۔ اجتہاد الرادی۔ ۳۔ خبر الواحد اور علی بن موسیٰ القمی (۳۰۵ھ) کی اثبات القیاس والاجتہاد متداول رہی ہیں ہم یہاں اصول فقہ کی ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو عام متداول ہیں اور درساً پڑھائی جاتی ہیں

(۱) اصول الشاشی۔ اسحٰق بن ابراہیم الشاشی السمرقندی (۳۲۵ھ) نے لکھی۔ علامہ شمس الدین الشاشی (۷۵۱ھ) نے اس کی شرح لکھی۔ اور بھی کئی علماء نے اس کی شروح لکھی ہیں۔

(۲) ماخذ الشرائع لابی المنصور الماتریدی (۳۳۳ھ)

(۳) اصول الکرخی (۳۴۰ھ)

(۴) اصول للجصاص الرازی (۳۷۰ھ)

(۵) تقویم الادلہ لابی زید الدبوسی (۴۳۰ھ) اور تاسیس النظر

(۶) اصول بزودی۔ فخر الاسلام ابو الحسن البزودی (۴۸۲ھ) کی نہایت دقیق العبارت تالیف ہے۔

(۷) اصول سرخسی۔ لمحمد بن احمد السرخسی (۴۸۲ھ) دو جلدوں میں ہے۔

(۸) المستصفیٰ للغزالی (۵۰۵ھ)

(۹) اصول الفقہ للصدر الشہید (۵۳۶ھ)

(۱۰) الاصول للسمرقندی (۵۴۰ھ)

(۱۱) اصول الفقہ لعبد الغفار کردری (۵۶۲ھ)

(۱۲) بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد لابن الرشد (۵۹۳ھ)

(۱۳) حسامی. ابو عبد اللہ بن محمد حسام الدین (۶۴۴ھ) نے لکھی جس کی کئی شرحیں اور حاشیے لکھے گئے حافظ نسفی (۷۰۱ھ) نے المختصر اور المطول اس کی دو شرحیں لکھیں۔

(۱۴) حضرت علامہ نسفی (۷۰۱ھ) نے منار الانوار بطور متن لکھی۔ اس کی شرح علامہ ابن نجیم (۹۷۰ھ) نے فتح الغفار کے نام سے لکھی اور نور الانوار شیخ احمد المعروف بملا جیون (۱۱۳۰ھ) نے لکھی۔

(۱۵) صاحب شرح وقایہ، علامہ عبید اللہ بن مسعود (۷۴۷ھ) نے علم اصول پر توضیح لکھی اس کی شرح تلویح علامہ تفتازانی (۷۹۲ھ) کی تالیف ہے۔

(۱۶) حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) نے علم اصول پر ایک نہایت عمدہ اور جامع تالیف کتاب التحریر لکھی اس کی ایک مبسوط شرح علامہ ابن امیر الحاج نے لکھی ہے۔

(۱۷) مسلم الثبوت. علامہ محب اللہ بہاری (۱۱۱۹ھ) کی نہایت بلند پایہ کتاب ہے فواتح الرحموت اس کی عظیم شرح ہے جو علامہ بحر العلوم (۱۲۲۵ھ) نے تحریر فرمائی۔

(۱۸) مغتنم الحصول للفاضل حبیب اللہ القندھاری

کتب فقہ مختلفہ

کتب فقہ اور شروح فقہ کی جن کتابوں سے آپ متعارف ہوئے ہیں ان میں بیشتر فقہ حنفی کی کتابیں ہیں اور یہی مذہب پاکستان اور ہندوستان میں زیادہ رائج ہے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ہم مالکی فقہ، شافعی فقہ اور حنبلی فقہ کی چند کتابوں کا نام بھی لکھ دیں تاکہ ہمارے طلبہ ان سے بھی متعارف ہو سکیں

مالکی فقہ کی کتاب المدونۃ الکبریٰ جو شیخ ابو عبد اللہ عبد الرحمٰن بن القاسم (۱۹۱ھ) کی تالیف ہے اس فقہ کی مرکزی کتاب ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی (۴۶۲ھ) کی تالیف کتاب الکافی بھی اس فقہ کی نہایت اہم کتاب ہے۔

شافعی فقہ کی سب سے اہم کتاب امام شافعی (۲۰۴ھ) کی کتاب الأم ہے
امام نووی الشافعی (۶۷۶ھ) کی کتاب شرح المہذب بیس جلدوں میں ہے۔ یہ اس فقہ کا نہایت معتمد ماخذ ہے۔
حنبلی فقہ کی کتابوں میں المختصر الخرقی (۳۳۴ھ) العدۃ فی شرح العمدہ اور المغنی لابن قدامہ (۶۲۰ھ) قابل اعتماد ماخذ ہیں۔ المغنی نو جلدوں میں ہے

علماء ہند کی اس فن میں خدمات

① اصول بزدوی کی شروح

۱. علامہ شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۹ھ)
۲. شیخ سعد الدین خیرآبادی (۸۸۲ھ)
۳. شیخ اللہداد جونپوری (۹۲۳ھ)
۴. شیخ وجیہ الدین گجراتی (۹۹۸ھ)
۵. شیخ ابوبکر قریشی اکبرآبادی (ھ)

② شروح منار الاصول

۱. شیخ یوسف بن جمال ملتانی (۹۰۷ھ)
۲. سعد الدین محمود دہلوی (۸۹۱ھ)
۳. ملا جیون احمد بن ابی سعید (۱۱۳۰ھ)
۴. عبد العلی بحر العلوم (۱۲۲۵ھ)

③ التلویح والتوضیح

۱. شیخ وجیہ الدین گجراتی (۹۹۸ھ)
۲. علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ)

۳۔ محمد بن سلیمان گجراتی (۱۰۹۲ھ)

۴۔ مولانا قطب الدین شہید سہالوی (۱۱۰۳ھ)

④ شروح و حواشی حسامی

۱۔ شیخ سعد الدین خیرآبادی (۸۸۲ھ)

۲۔ شیخ یعقوب بن یوسف ملتانی (۱۰۹۸ھ)

⑤ اصول الشاشی کے حواشی

۱۔ مولانا فیض الحسن گنگوہی

۲۔ مولانا برکت اللہ لکھنوی

۳۔ مولانا محمد حسن سنبھلی

۴۔ حکیم نجم الغنی رامپوری

۵۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی اصول پر ایک کتاب حصول المامول لکھی ہے۔

برصغیر پاک وہند کا دورِ فتاویٰ

پیشتر اس کے کہ ہم فقہ پر لکھے گئے فتاویٰ پر نظر کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ مفتی کا کچھ تعارف کرا دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من افتی بغیر علم کان اثمہ علیٰ من افتاہ میں مفتی سے مراد کیا ہے اور اس زمانہ میں مفتی کہلانے والے علماء کیا اس معیار پر پورے اترتے ہیں؟ اس کے لیے حافظ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کا ایک بیان ملاحظہ کیجیے۔ علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

قال فی فتح القدیر وقد استقرای الاصولیین علی ان المفتی ھو المجتھد و اما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفت والواجب علیہ اذا سئل ان یذکر قول المجتھد کالامام علیٰ وجہ الحکایۃ فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتویٰ الموجودین لیس بفتویٰ بل ھو نقل کلام المفتی لیأخذ

به المستفتی وطریق نقله لذلك عن المجتهد احد الامرین اما ان یکون له سند فیه او یاخذه من کتاب معروف تداولته الایدی نحو کتب محمد بن الحسن ونحوها لانه بمنزلة الخبر المتواتر والمشهور [له]

علماء اصول کے ہاں یہ بات طے ہے کہ مفتی صرف مجتہد ہی ہو سکتا ہے جو دوسرا مجتہد کے اقوال یاد کرے (اور لوگوں کو بتلائے) وہ مفتی نہیں ہے۔ اس پر واجب ہے کہ جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ جواب میں مجتہد کا قول کہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دور کے لوگ جو فتوے دیتے ہیں وہ فتوے نہیں وہ صرف مفتی کے کلام کی نقل ہے جو سائل لیتا ہے۔ اسے اس کے مجتہد سے نقل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے پاس اس کی نقل کی سند ہو یا وہ اسے ایسی کتاب سے لے جو لوگوں کے ہاں عام متداول ہو۔ جیسے امام محمد کی کتابیں اور اس درجہ کی دوسری کتابیں جو خبر متواتر یا مشہور کے درجے میں لوگوں کو پہنچی ہوں۔

یوں تو چھٹی صدی میں فتاویٰ قاضی خاں (۵۹۲ھ) لکھا جا چکا تھا لیکن ابھی فقہ کی عام اشاعت اس عنوان سے دیکھی نہ فتاویٰ عالمگیری ۱۱۱۸ھ میں مرتب ہوا صاحب درمختار (۱۰۸۸ھ) کے استاد علامہ خیرالدین رملی نے فتاویٰ خیریہ مرتب کیا شوافع میں علامہ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ لکھا لیکن فقہ کے فتاویٰ جس اہتمام سے چودھویں صدی میں مرتب ہوئے اس کی نظیر پہلے نہیں ملتی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) کا فتاویٰ عزیزی ان کی وفات کے بعد مرتب اور شائع ہوا ہے۔ اور فتاوے بیشتر اسی طرح مرتب ہوئے ہیں۔ فتاویٰ عزیزی (فارسی) دو جلدوں میں ہے اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق ان کے نواسے اور ان کے جانشین ہوئے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق کا مجموعہ فقہ مائۃ مسائل کے نام سے معروف ہے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل فتاوے آتے ہیں۔

(۱) فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) یہ اس صدی کا پہلا فتویٰ ہے۔

[له] رد المحتار للعلامۃ الشامی جلد ۱ صفحہ ۴۲

(۲) فتاویٰ رشیدیہ مولانا گنگوہی (۱۳۲۳ھ) پہلے تین حصوں میں تھا۔ اب یکجا چھپا ہے۔

(۳) فتاویٰ خلیلیہ۔ مولانا خلیل احمد (۱۳۴۶ھ) ابھی صرف پہلی جلد شائع ہوئی ہے۔

(۴) عزیز الفتاویٰ مفتی عزیز الرحمٰن (۱۳۴۷ھ) بارہ جلدوں میں ہے۔

(۵) فتاویٰ امدادیہ۔ حضرت تھانوی (۱۳۶۲ھ) یہ چھ جلدوں میں ہے۔

(۶) فتاویٰ عثمانیہ۔ بیس جلدوں میں ہے۔ اس کے مرتب مولوی منور الدین ہیں جو خان بہادر مولوی سید محمد ضیاء الدین ایل ایل ڈی (ایڈنبرا) کے صاحبزادے تھے کتاب کی چھٹی جلد (بہ تقطیع کلاں) کتاب الحج والزیارۃ پر مشتمل ہے۔ یہ فتاویٰ الیکٹرک پرنٹنگ ورکس دہلی سے ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں چھپا۔

(۷) کفایۃ المفتی مفتی کفایت اللہ (۱۳۷۲ھ) یہ نو جلدوں میں ہے۔

(۸) حقیقۃ الفقہ۔ مولوی امداد اللہ فاروقی (۱۳۸۰ھ) آپ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے۔

(۹) بہشتی زیور۔ از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

(۱۰) علم الفقہ۔ مولانا عبد الشکور لکھنوی (۱۳۹۰ھ)

(۱۱) امداد الاحکام۔ مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۹۴ھ) ابھی اس کی صرف دو جلدیں چھپی ہیں۔

(۱۲) فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۱۳۹۶ھ) بارہ جلدوں میں ہے۔

(۱۳) جواہر الفقہ۔ مفتی محمد شفیع صاحب۔ دو جلدوں میں ہے۔

(۱۴) خیر الفتاویٰ مولانا خیر محمد جالندھری۔ ابھی صرف تین جلدیں چھپی ہیں۔

مذکورہ علمی اور فقہی ذخائر کے ساتھ کچھ اور کتب فتاویٰ بھی ہیں جن کے مفتی صاحبان بحمد اللہ اس وقت حیات ہیں متعنا اللہ بطول حیاتہم۔ ان کے مجموعہ فتاویٰ پر بھی نظر رہنی چاہیے

(۱) فتاویٰ محمودیہ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہ (آٹھ جلدوں میں ۱۳۰۶ھ)

(۲) نظام الفتاویٰ۔ مولانا مفتی نظام الدین صاحب (دیوبند) مدظلہ (ابھی دو جلدیں چھپی ہیں ۱۳۹۹ھ)

(۳) فتاویٰ رحیمیہ۔ مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ (یہ عظیم فتاوے چھ جلدوں میں ہیں ۱۳۶۸ھ)

④ احسن الفتاویٰ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ (ابھی صرف اسکی سات جلدیں چھپی ہیں ۱۳۹۸ھ)
⑤ جواہر الفتاویٰ مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ
⑥ کنزالمسائل کامل (۹ جلد) از شیخ الحدیث مولانا شمس الضحیٰ مظاہری مہتمم جامعہ صوفیہ رنگون (برما)
⑦ علاوہ ازیں آپ کے مسائل اور ان کا حل از شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف لدھیانوی

علامہ محمد بن فرج المعروف بابن الطلاع الاندلسی (۴۹۷ھ) کی کتاب اقضیۃ الرسول کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے یہ اس دور کے علمی ذخیرہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ دیوبند کے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب نے بھی فتاویٰ محمدی کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فیصلے جمع کیے ہیں۔
اہل سنت کی ان بیس کتب فتاویٰ کے علاوہ مندرجہ ذیل فتاوے کچھ دوسرے مسالک کے ترجمان ہیں اور ان کے پیروؤں کو ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہ چند نام بھی ذکر کریں تاکہ ان کے مذہب کے طلبہ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

① نزل الابرار من فقہ النبی المختار مولانا وحید الزماں حیدر آبادی
② فتاویٰ نذیریہ شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی
③ فتاویٰ ثنائیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری
④ فتاویٰ علمائے اہلحدیث حافظ عبداللہ روپڑی
① فتاویٰ مظہری مفتی مظہر اللہ دہلوی
② فتاویٰ رضویہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی
③ فتاویٰ نظامیہ ملا نظام الدین ملتانی
④ فتاویٰ افریقہ مولانا احمد رضا خاں
⑤ احکام شریعت اور عرفان شریعت کلاہما لاحمد رضا خاں
⑥ جامع الفتاویٰ یہ دو جلدوں میں ہے

دیگر اہم کتبِ فتاویٰ

① خلاصۃ الفتاویٰ

از امام طاہر بن احمد البخاری السرخسی (۵۴۲ھ) محدث زیلعی نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

② فتاویٰ قاضی خاں

اسے خانیہ بھی کہتے ہیں قاضی خاں (۵۹۲ھ) مجتہد فی المسائل تھے۔ ان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح سے مقدم ہے۔ ہم اسے پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں۔

③ فتاویٰ سراجیہ

از علی بن عثمان سراج الدین اوشی (۵۸۲ھ)

④ فتاویٰ ولوالجیہ

از اسحٰق بن ابی بکر الحنفی ظہیر الدین (۵۴۰ھ)

⑤ فتاویٰ ظہیریہ

علامہ ظہیر الدین محمد بن احمد قاضی بخارا (۶۱۹ھ)۔ علامہ عینی (۸۵۵ھ) نے اس کی ایک تلخیص المسائل البدریہ من الفتاویٰ الظہیریہ کے نام سے کی ہے۔

⑥ فتاویٰ بزازیہ

از محمد بن محمد بن شہاب کردری (۸۲۷ھ)۔ اس کا ایک نام الجامع الوجیز بھی ہے۔

⑦ فتاویٰ تاتارخانیہ

اسے عالم بن علائی (۶۸۶ھ) نے امیر تاتارخاں کے حکم سے لکھا۔ یہ پانچ جلدوں میں ہے علامہ ابراہیم حلبی نے اسے مختصر کیا ہے۔

⑧ فتاویٰ ابی السعود

از مفتی روم (۹۸۲ھ)

⑨ **تنقیح فتاویٰ حامدیہ** لابن عابدین الشامی (۱۲۵۸ھ)

متن از مولانا حامد بن محمد قونوی مفتی روم (۹۸۵ھ) علامہ ابن عابدین نے اسے دو جلدوں میں مختصر کیا ہے اصل چار جلدوں میں تھا

⑩ **فتاویٰ خیریہ**

از علامہ خیرالدین الرملی (۱۰۸۱ھ) مصنف علامہ علاء الدین صاحب درمختار کے استاد ہیں۔

کتب مختلف انواع فقہ

فقہ کے بعض ابواب جیسے فرائض، مناسک، اشلہ اور اصول ایسے اہم ابواب ہیں کہ ان پر مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم ان میں سے بھی کچھ نام اس ترتیب سے ہدیہ ناظرین کردیں۔

① علم الفرائض

① فرائض الطحاوی (۳۲۱ھ)

② فرائض سجاوندی (ھ)

از سراج الدین محمد بن محمد بن عبدالرشید۔ اس کتاب (سراجی) کی متعدد شرح لکھی گئی ہیں جن میں سب سے عمدہ شرح علامہ سید شریف الجرجانی (۸۱۴ھ) کی شرح شریفی ہے۔ پھر اس شرح پر بھی کئی حواشی لکھے گئے۔

③ کتاب الفرائض لصاحب الہدایہ (۵۹۳ھ)

④ فرائض ترکمانی از احمد بن عثمان بن صبیح (۷۴۴ھ)

⑤ فرائض بسکی از محمد بن پیر علی (۹۸۱ھ)

⑥ ضوء السراج شرح سراجی از مولانا فضیل بن علی (۹۹۱ھ)

⑦

(۸) الرحیق المختوم لابن عابدین شامی (۱۲۵۸ھ)

(۹) النور الفائض فی علم الفرائض از مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

(۲) المناسک

(۱) مناسک امام محمد بن حسن شیبانی (۱۸۲ھ)

(۲) عمدۃ المناسک فی مسائل المناسک لصاحب الہدایہ (۵۹۳ھ)

(۳) مناسک قاضی القضاۃ صدر الدین قاضی مصر (۶۷۷ھ)

(۴) مناسک نجم الدین ابراہیم الطرطوسی (۷۵۸ھ)

(۵) مناسک ابن امیر حاج محمد بن محمد حلبی (۸۷۹ھ)

(۶) لباب المناسک للشیخ رحمۃ اللہ سندھی (ھ)

(۷) بدایۃ السالک فی نہایۃ المسالک ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

(۸) شرح لباب المناسک لملا علی قاری

(۹) مناسک ابن العماد عبد الرحمٰن بن محمد (۱۰۵۱ھ)

(۱۰) زبدۃ المناسک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۵۲ھ)

(۱۱) شرح زبدۃ المناسک

(۱۲) معلم الحجاج

(۳) اشباہ وامثال

(۱) الاشباہ والنظائر لابن نجیم (۹۶۹ھ) (۲) الاقسام والخصال لابی زر الطرطوسی

(۳) حاشیہ اشباہ غمز عیون البصائر للحموی تصنیف (۱۰۹۷ھ)

یہ حاشیہ کلکتہ میں آٹھ سو صفحات کے قریب ضخامت میں ۱۲۶۰ھ میں شائع ہوا۔

ہم نے یہاں کتب فقہ کا تعارف ان کی مختلف اصناف و انواع سے کرایا ہے، اور یہی کتابیں ان دونوں علماء احناف کے ہاں زیادہ متداول اور مشہور ہیں ــــ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اب فقہ حنفی کی بعض اور کتب کا بھی تعارف کرا دیں جنہیں ہم کتابوں کی پچھلی فہرست میں نہیں دے سکے۔ ان میں بعض وہ بھی ہیں جو قلمی ہیں اور بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ بیشتر وہ کتابیں ہیں جن کا ذکر ہمیں موجودہ فقہی مطولات میں ملتا ہے۔ گر وہ اب تک علیحدہ شائع نہیں ہو پائیں۔ یہ تمیں اور کتابوں کا تذکرہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ وبہ تتم الصالحات۔

① لر الطحاوی (۳۲۱ھ) یہ عظیم فقہی ذخیرہ دس جلدوں میں ہے۔

② جامع کبیر بلخی۔ یہ ابوالحسن عبیداللہ الکرخی (۳۴۰ھ) کی تالیف ہے۔

③ خزانۃ الفقہ

④ عصر المسائل

⑤ فتاوی سمرقندی

(③–⑤) یہ تینوں فقیہ ابواللیث سمرقندی (۳۷۳ھ) کی تالیفات ہیں۔

⑥ فتاوی اسبیجابی از ابوالنصر احمد بن منصور (۴۸۰ھ) صاحب ہدایہ کے استاد تھے۔

⑦ جامع کبیر از بزدوی (۴۸۲ھ) فخر الاسلام بزدوی اصولی کی تالیف ہے۔

⑧ خزانۃ الاکمل از ابویعقوب یوسف بن علی الجرجانی (۵۲۱ھ) یہ چھ جلدوں میں ہے۔

⑨ الحاوی الحصیری (۵۰۰ھ) حصیری شمس الائمہ سرخسی کے شاگرد تھے۔

⑩ فتاوی کبری لصدر الشہید (۵۳۶ھ)

⑪ جوامع الفقہ ابونصر احمد بن محمد عتابی (۵۸۲ھ)

⑫ الحاوی القدسی از قاضی جمال الدین احمد بن محمد (۶۰۰ھ) الحاوی کے نام سے کئی کتابیں ہیں۔

⑬ یتیمۃ الدہر فی فتاوی العصر از علامہ علاء الدین (۶۴۵ھ)

⑭ الوافی از علامہ نسفی (۷۱۰ھ) الکافی اس کی شرح ہے۔

⑮ کنز المفتین از حسین بن محمد السمعانی (۷۴۰ھ)

(۱۶) معراج الدرایہ فی شرح الہدایہ (۷۴۵ھ)

(۱۷) غایۃ البیان شرح ہدایہ امیر اتقانی (۷۷۵ھ) کی تالیف ہے۔

(۱۸) قنیۃ الفتاوی مفتی روم مولانا محمد بن القونوی (۷۷۰ھ)

(۱۹) شرح ہدایہ للطرطوسی (۷۹۸ھ) پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔

(۲۰) جامع الفصولین از شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل (۸۲۳ھ) مصنف میر سید شریف کے ہم سبق میں انہوں نے فصول عمادی اور فصول استروشنی کو جمع کیا ہے۔

(۲۱) رمز الحقائق شرح کنز الدقائق للعلامۃ العینی (۸۵۵ھ) اس کی تلخیص حاشیہ کی صورت میں کنز پر موجود ہے۔

(۲۲) شرح درر البحار از علامہ قاسم بن قطلوبغا (۸۹۱ھ) یہ ابن ہمام کے شاگرد تھے۔

(۲۳) درر الحکام فی شرح غرر الاحکام (۸۸۵ھ) کی تالیف ہے استامبول سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس متن کا ایک حاشیہ علامہ شرنبلانی نے بھی لکھا ہے۔

(۲۴) شرح ہدایہ للطرطوسی (۷۹۸ھ) پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔

(۲۵) الذخائر الاشرفیہ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن شحنہ (۹۲۱ھ) ابن نجیم نے الاشباہ کے فن رابع میں بیشتر اسی کا انتخاب کیا ہے۔

(۲۶) جامع الرموز یہ نقایہ کی شرح ہے۔ از شمس الدین القہستانی (۹۶۲ھ)

(۲۷) جامع المسائل للشیخ شمس الدین اخنری (۹۶۸ھ)

(۲۸) شرح نقایہ از ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کا اصل نام فتح باب عنایہ ہے۔

(۲۹) درر الکنوز از حسن بن عمار الشرنبلالی (۱۰۶۹ھ)

(۳۰) فتاوی الانقروی از شیخ محمد الحسینی (۱۰۹۸ھ) مصنف کے انقرہ میں دیے گئے فتاوی کا مجموعہ ہے

فقہ کی کتابیں منظوم پیرایہ میں

ان قرونِ گذشتہ میں فقہاء اس فن میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے کہ انہوں نے اس فن کو شعر کا لباس بھی پہنا دیا اور کئی کتابیں نظم میں ترتیب دیں۔ ہم یہاں چند کا ذکر کرتے ہیں:۔

① حضرت امام محمد کی کتاب الجامع الکبیر کو ابن اصبیح الترکمانی (۷۴۰ھ) نے نظم کیا اور طلبہ اسے شوق سے یاد کرتے تھے۔

② درر البحار الزاہرہ۔ علامہ عینی کے بیٹے نے چار ہزار ایک سو چھیاسٹھ اشعار میں اسے نقل کیا۔

③ شرح درر البحار۔ عبدالوہاب بن احمد بن وہبان (۷۶۸ھ) نے اسے منظوم وہبانیہ میں مرتب کیا ہے۔

④ البحار الزاخرہ لابن المحاسن حسام الدین الرہاوی نے درر البحار کی شرح قاسم بن قطلوبغا کو اشعار میں پیش کیا ہے۔

⑤ فتاویٰ جلالیہ از جلال الدین احمد بن یوسف نے فقہ چار جلدوں میں اس کو بہ پیرایۂ نظم بیان کی ہے۔

فقہ کی کتابیں فارسی میں

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں چند وہ کتب بھی ذکر کر دیں جو فقہاء نے فارسی زبان میں تالیف کیں اس سلسلہ میں بہت سے تراجم بھی ذکر کیے جا سکتے ہیں:۔

① ذخیرۃ الملوک میر سید علی بن شہاب ہمدانی۔ اس کی ایک جلد جونپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

② نقایہ کی فارسی شرح از مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی (۸۹۸ھ)

③ فارسی شرح ہدایہ

④ مالا بد منہ از قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

⑤ فتاویٰ عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)

⑨ فتاویٰ برہنہ

فقہ حنفی کے اُردو تراجم

① غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار

② عین الہدایہ اردو ترجمہ و شرح ہدایہ از مولانا امیر علی صاحب مواہب الرحمٰن تفسیر

③ نُورالہدایہ اردو ترجمہ و شرح وقایہ از مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی

④ اردو ترجمہ فتاویٰ عالمگیری کامل ۱۰ جلد از مولانا امیر علی

⑤ الصبح النوری اردو ترجمہ مختصر القدوری

⑥ معدن الحقائق اردو ترجمہ کنزالدقائق از مولانا محمد حنیف گنگوہی

ہندوستان کی پہلے دَور کی کُتبِ فقہ

اسلام ہندوستان میں باقاعدہ صورت میں سلطان محمود غزنوی (۴۲۱ھ) کے دور میں آیا۔ سلطان محمود غزنوی حنفی مسلک کے تھے اور فقہ حنفی کے بلند مرتبہ عالم تھے۔ فقہ کی کتاب المنفرد یا انہی کی تصنیف ہے۔ ان کے اثرات ہندوستان دیر تک چھائے رہے۔ ہم یہاں پہلے دور کی چند کتب فتاویٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

① فتاویٰ قاری الہدایہ

یہ علامہ سراج الدین عمر بن اسحٰق غزنوی ہندی (۸۲۹ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) کے بھی اُستاد تھے۔ برصغیر پاک و ہند کو ان کی شخصیت پر بڑا ناز ہے۔

② فتاویٰ ابراہیم شاہی

یہ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الملقب بقاضی نظام الدین جونپوری (۸۷۵ھ) کی تالیف ہے

آپ نے علاقہ گجرات میں تعلیم پائی، سلطان عادل ابراہیم نے آپ کو جونپور کا قاضی مقرر کیا، یہ فتاویٰ ہندوستان کے بعض کتب خانوں میں قلمی صورت میں محفوظ ہے۔

③ فتاویٰ ارشادیہ

یہ مولانا ارشاد حسین رامپوری کی تصنیف ہے یہ ضخیم فتاویٰ کئی جلدوں میں ہے۔ برصغیر کے بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔

④ فتاویٰ شرفیہ

مولانا شرف الدین رامپوری کی تصنیف ہے۔ ابھی تک طبع نہیں ہو سکا۔ یہ رامپور کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

⑤ فتاویٰ حمادیہ

مولانا ابوالفتح رکن الدین مفتی ناگوری کی تصنیف ہے۔ ۱۲۴۱ھ میں کلکتہ میں اس کی دو جلدیں شائع ہوئیں تھیں۔

⑥ خزانۃ الروایات

قاضی جکن ہندوستان کے علاقہ گجرات کے تھے یہ کتاب قلمی ہے اور رامپور کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

⑦ زینۃ المصلی

مولانا کرامت اللہ جونپوری (۱۲۹۰ھ)

⑧ شمائل الغزنوی

ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحٰق (۷۷۳ھ)

ان کتب فتاویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں ان دنوں علم فقہ اپنے عروج پر تھا وکفیٰ باللہ شہیداً۔

فقہ کے انسائیکلوپیڈیا

قانونی ضرورت نے فقہ کے کچھ انسائیکلوپیڈیا بھی مرتب کیے ہیں اسلامی عدالتوں کو عالمی سطح پر ان کی ضرورت پڑتی ہے ہم یہاں صرف دو کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعروف موسوعہ جمال عبدالناصر الفقہیہ

اسے جمہوریہ مصر کی وزارت اوقاف نے ۱۴۰۸ھ المطابق ۱۹۸۸ء میں قاہرہ سے شائع کیا ہے۔ اس کی کل بیس جلدیں ہیں دو دو جلدیں ایک مجلد میں ہیں اس طرح دس مجلدات میں یہ کتاب مکمل ہوتی ہے۔

(۲) الموسوعۃ الفقہیہ

اس کی تقریباً تیس جلدیں لکھی جا چکی ہیں۔ اسے حکومت کویت کے ادارہ معارف نے شائع کیا ہے۔ اس کی دو جلدوں کا قصور کے حضرت مولانا محمد طیب سیالوی نے اردو ترجمہ کیا ہے جو ابھی شائع نہیں ہو سکا علماء کی ایک بڑی جماعت اس کی ترتیب میں شامل رہی جن میں ظہران یونیورسٹی (سعودی عرب) کے نامور پروفیسر محمد رواس قلعجی بھی ہیں۔

پروفیسر محمد رواس قلعجی نے فقہ ابی بکر فقہ عمر فقہ عثمان فقہ علی اور فقہ عبداللہ بن مسعود کے نام سے پانچ اور کتابیں بھی لکھی ہیں جنہیں دورِ اول کی فقہ کے نام سے پوری تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اس دور کے ذخیرہ فقہ میں ملا عبدالرحمٰن الجزیری کی شہرۂ آفاق کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ (طبع دستبنول ۱۴۰۳ھ) قابل اعتماد فقہ کی کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ فقہی ذخیرہ اس لائق ہے کہ ہر پڑھے لکھے گھر میں رہے۔

دُنیائے مذاہب میں سب سے بڑے کُتب خانے

فقہی مذاہب کی وُسعتوں سے

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

دنیا کے مشہور مذاہب میں ہر ایک اپنے ہاں آسمانی کتابوں کا دعویدار ہے۔ آسمانی کتابیں ہر ایک کے ہاں الٰہی ہدایت نامہ سمجھی جاتی ہیں۔ ہر ایک کے عقیدے میں یہی وہ علمی خزانہ ہے جس سے ان کا مذہب آگے چلتا ہے۔ پھر ان کتابوں پر ان امتوں کی ایک اپنی عملی تاریخ ہے۔ اسے ان کے آداب عبادات اور رسم و رواج کہتے ہیں۔۔۔ ہر ایک کا علمی کتب خانہ ایک کتب اور اس کے حاشیے کی چند کتابوں سے زیادہ نہیں۔ تورات کے ساتھ تالمود۔۔ ویدوں کے ساتھ اپنشد اور شاستر۔۔ اوستا کے ساتھ ژند اور پاژند اور انجیل کے ساتھ اناجیل اربعہ، رسول کے اعمال اور چند مکاشفات چلے۔ ان سب میں مسلمانوں کا دینی علم بھاری رہا اور قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اس علمی خزانہ کا عملی نقش چلا جس نے آگے بڑھ کر کتبِ احادیث کی شکل اختیار کر لی اور امت اس پر مامور رہی کہ احادیث میں سنّت کی تلاش کرے اور اس پر عمل پیرا ہو ۔۔۔ پھر مسلمان اپنے مذہبی کتب خانوں میں پُوری دُنیا کے مذاہب سے اس طرح بھی آگے نکلے کہ انہوں نے فقہ پر اور پھر اس کے حاشیہ در حاشیہ پر سینکڑوں اور ہزاروں کتابیں لکھ ڈالیں یہ سب اجتہاد کی بدولت تھا

ہر مذہب کے اپنے علمی کتب خانے

دنیا میں آپ کو ہر بڑی لائبریری میں   کی ایک شاخ ملے گی۔ پھر اس میں ہر مذہب پر لکھی گئی کتابیں ملیں گی اور ہر مذہب کے اپنے علمی کتب خانے ہوں گے۔ اس پہلو سے اگر آپ دیکھیں تو صرف ایک ایسا دین ملے گا جس پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں اور اور اس میں بھی اس کے ان پہلوؤں پر جن کا تعلق   اور اس کے عدالتی نظام سے ہے

یہاں تک کہ دینِ اسلام پر مستقل بڑی بڑی لائبریریاں قائم ہوئیں اور مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ میں سائنس اور دیگر فنون کے جن جن گوشوں پر کام کیا وہ سب دستاویزات بھی ان علمی خزانوں کی رونق بنیں ــــ اور مسلمانوں کے علمی کتب خانے دیگر سب قوموں کے کتب خانوں سے بڑھ گئے۔ اگر اسلام کے علم فقہ کا یہ پھیلاؤ نہ ہوتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔

علم اسلامی کے پھیلاؤ کی وجوہات

اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کی آمد نہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں سو آپ کا دین (قرآن وسنت) قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کی راہنمائی کی قوت رکھتا ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی جملہ روایات کو محفوظ کیا گیا انہیں آگے روایت کیا اور کتابوں میں لکھا ــــ اور دیکھتے دیکھتے قرآن کے گرد حدیث کی بہت سی کتابیں جمع ہو گئیں۔

دینی علوم میں ایک نئے علم کا اضافہ ہوا۔ پہلے انبیاء کے دور میں ان کی روایات محفوظ کرنے کا یہ طور نہ تھا جب ایک نبی کی تعلیمات ناپید ہو جاتیں تو اللہ تعالیٰ اور نبی بھیج دیتے لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر آپ اور آپ کے صحابہؓ کی تعلیم کا محفوظ کیا جانا ناگزیر تھا۔ اس ضرورت نے قرآن کریم کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی ضرورت پیدا کی اور علم حدیث سے علم اسناد کا ایک نیا باب کھلا ــــ پھر مرادِ حدیث معلوم کرنے اور اس سے صحیح نتائج حاصل کرنے کے لیے شروح حدیث کے ایک اور باب کا اضافہ ہوا۔ اور دیکھتے دیکھتے علم اسلام ہزاروں کتاب تک جا پہنچا۔ جس میں علم تفسیر، علم حدیث، اسماء الرجال اور شرح حدیث کے اچھلتے سمندر موجزن تھے۔

یہ ان مسائل کا تحفظ تھا جو کتاب وسنت میں منصوص ملے صحابہؓ کے فتاویٰ اور فیصلے بھی ان تمام ضرورات کو محیط نہ ہو سکتے تھے جو امتِ مسلمہ کو قیامت تک پیش آنے والی تھیں

سوان سمندروں کی گہرائی میں اُترنا اور بطریق استنباط غیر منصوص مسائل کا حل دریافت کرنا ان اصولوں کو منضبط اور منقح کرنا جن کے تحت قرآن و سنت سے ان نئے نئے مسائل کا استخراج کیا جاسکے بہت ضروری تھا۔ تابعین کرام امام ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ھ) حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) جیسے بہت سے مجتہد ان گہرے سمندروں میں اُترے اور لاکھوں نئے مسائل ان پُرانے ماخذوں سے دریافت کیے۔ لیکن اسلام کو اس کے پُورے اصول و فروع کے ساتھ منضبط کرنے کا کام اور اسے بطور ایک ابدی قانون زندگی مرتب کرنا ابھی باقی تھا۔

اس باب میں پہل حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کی۔ پھر حضرت امام مالکؒ، حضرت امام سفیان ثوریؒ، حضرت امام زفرؒ، حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام لیث مصریؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمدؒ اس میدان میں آگے بڑھے یہاں تک کہ فقہ اسلام کے کروڑوں نئے مسائل مرتب ہو گئے اور اسلامی لائبریریوں میں جب کتب فقہ کا اضافہ ہوا اور ان کی شروح در شروح ماہرین قانون کے سامنے آئیں تو یہی علوم اسلامی دُنیا کی سب سے بڑی لائبریری بن گئے۔ ازہر (مصر) بغداد، قرطبہ، دمشق، مشہد اور دہلی کے اسلامی کتب خانے اسی علم سلام کا ایک تاریخی فطری پھیلاؤ تھے۔ علم اصول نے ان سب کو ایک نظام میں مرتبط کر دیا تھا۔

یہ وہ وجوہات ہیں جو علم اسلام کے وسیع پھیلاؤ کا موجب ہوئیں۔ آیئے ہم ان بڑے بڑے علماء کی زندگیوں اور ان کے علمی کارناموں کا بھی ایک جائزہ لیں جو علم اسلام کے ان کے وسیع اور عمیق سمندروں کے کامیاب شناور رہے اور اس خوبی اور حسن تدبیر سے وہ سمندروں میں اُترے کہ ان کا اختلاف انہیں آپس میں نہ لڑا سکا۔ وہ اپنی پُوری علمی کاوشوں کے باوجود دوسروں کی تضلیل و تفسیق سے پُوری طرح بچے رہے۔ جو اختلاف بھی سامنے آیا اسے ایک مجتہد کے اختلاف کا درجہ دیا۔ جس میں مخطئ بھی اللہ کے ہاں ایک اجر

پاتا ہے۔ وہ مختلف مسالک پر عمل پیرا ہونے کے باوجود فرقہ فرقہ نہ ہوئے اور بطور فرقہ ان سب کا ایک ہی نام ٹل رہا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ تہتر فرقوں میں یہ سب ایک فرقہ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہؓ کی جماعت کو ساتھ لے کر چلا ہے۔ یہ روافض و خوارج معتزلہ اور کرامیہ اور مرجئہ کے خلاف تو بے شک ایک فرقہ تھے لیکن آپس میں بطور حنفی شافعی مالکی اور حنبلی یہ چار فرقے نہ بنے۔ چاروں ایک رہے ۔۔۔ فروعات کی یہ چار راہیں انہیں چار فرقے نہ بنا سکیں۔

ان چاروں راہوں میں بڑے بڑے جبال العلم دعلم کے پہاڑ) چلے اور ان گہرے سمندروں میں بڑے بڑے شناور اترے۔ حدیث و فقہ کی ضخیم کتابوں کو اگر گہری نظر سے دیکھیں اور ان کو ان کے باہمی اختلافی مسائل میں اترا دیکھیں ۔۔۔ انہیں ایک دوسرے کے خلاف اگر استدلال کرتے ملاحظہ کریں تو انہیں کہیں ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق کرتا نہ پائیں گے بخلاف ان ہمارے دور کے غیر مقلدین کے کہ ان میں دوسرے مذاہب کو ساتھ لے کر چلنے اور انہیں اختلاف اجتہاد کا حق دینے کی کوئی ہمت نہیں اور ان میں مسائل میں تعصب پیدا کرنے کا اسلاف کا سا رنگ ہرگز نظر نہ آئے گا۔ بس یہی معلوم ہو گا کہ صحابہؓ اور تابعینؒ جس طرح ایک دوسرے کے اختلافات نہایت وسعت قلبی کے ساتھ برداشت کرتے تھے ان کے تنگ سینوں میں وہ وسعت ظرفی کسی درجے میں موجود نہیں اور وہ فروعی مسائل کے امتیاز سے ایک علیحدہ فرقہ بنانا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ اور ایک فرقہ بننے کو اپنی انتہائی کامیابی جانتے ہیں ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ سلف صالحین میں اس فرقے کا نام تک نہ تھا۔ لوگ یا عالم اور مجتہد ہوتے تھے یا پھر ان کے مقلدین تھے۔ غیر مقلدین کے نام پر کوئی تیسرا گروہ (جو نہ عالم لوگوں کا ہو نہ مقلدین کا) اس وقت موجود نہ تھا ۔۔۔ اس دور کے مقلدین جو نہ

عالم ہوتے ہیں نہ مقلد۔ اپنے آپ کو محققین اور محدثین کہہ کر دن رات جھوٹ بولتے ہیں ـــــ یہ گروہ قرونِ اولیٰ میں ہرگز موجود نہ تھا۔ اس لیے ان لوگوں کا اس دور میں اہلحدیث کے نام سے اپنا فرقہ وارانہ امتیاز پیدا کرنا اور اپنی علیحدہ مسجدیں بنانا یہ صرف بیسویں صدی عیسوی کی ایجاد ہے۔ اس سے قبل کہیں اس فرقے کی نہ علیحدہ کوئی جماعت تھی نہ کوئی مسجد ـــ اور نہ کہیں عوام دنیا کے کسی ملک میں اس نام سے منسوب ہوتے تھے۔

مسالک اربعہ کی آپس میں رواداری اور ان غیر مقلدین کے ہاں مقلدین بالخصوص حنفیوں کی دلآزاری یہ وہ جوہری فرق ہے جو اہلحدیث کہلانے والے غیر مقلدین کو مذاہب اربعہ سے جُدا کرتا ہے۔ یہ مسالک اربعہ آپس میں سے کسی کو گمراہ نہیں کہتے۔ اور یہ غیر مقلد کھلے بندوں مقلدین کی تضلیل کرتے ہیں۔ انہیں اہلِ حق میں سے نہیں سمجھتے۔ اور یہ محض اس لیے کہ یہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے کہتے ہیں کہ اس طرح حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔

مذاہب اربعہ کے ہزار سال کے ایسے اختلافات امت پر وہ بوجھ نہیں بنے جو یہ لوگ اپنی ستر سالہ تاریخ میں امت پر گرانبار ہو گئے ہیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل آف گوجرانوالہ (جو بلا تاریخ سابق اپنے لیے سلفی کا لقب اختیار کیے ہوئے ہیں) مولانا غلام اللہ خاں مرحوم مولانا محمد طاہر پنج پیری اور مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> مولوی حسین علی صاحب کے مریدوں میں توحید کی حمایت اور اہل توحید سے محبت تو ہے لیکن بعض کو سنت سے بہت زیادہ بغض ہے ـــــ مدرسہ دیوبند میں اختلاف کے ساتھ جو چیز مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے وہ اہلِ حدیث سے بغض ہے۔[1]

یہ علماء غیر مقلدین کی زبان ہے۔ وما تخفی صدورھم اکبر ـــ ان کے دلوں میں

---

[1] منقول از تقریظات نتائج التقلید ص۳

مسالکِ اربعہ کے خلاف جو بوجھ ہے وہ خدا ہی جانتا ہے۔ اب ان کے بالمقابل امام بخاریؒ کو دیکھئے۔ آپ قرأت خلف الامام میں پوری امت میں متشدد سمجھے جاتے ہیں (واشار الیہ الترمذی فی جامعہ) آپ کے جلیل القدر اُستاد امام احمد بن حنبلؒ (جن کے بیشتر سعودی مشائخ ان کے مقلد ہیں) فرماتے ہیں کہ حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اکیلے نمازی کے بارے میں ہے۔ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے بارے میں نہیں۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

اب آپ کو امام بخاریؒ کے ہاں یہ قول کہ امام احمدؒ کو سنّت سے بغض تھا یا یہ کہ وہ یہ فتوے دے کر گمراہ ہو گئے ہیں کہیں نہ ملے گا۔ اسی طرح امام شافعیؒ فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے تھے۔ مگر ان کے اُستاد امام محمدؒ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کے قائل تھے۔ انہوں نے بھی (امام شافعیؒ نے) اپنے استاد کے متعلق کبھی نہ کہا کہ انہیں سنّت سے بغض تھا یا یہ کہ وہ دیدہ دانستہ حدیث کے خلاف تُلے ہوئے تھے۔ ـــ امام فی الحدیث امام سفیان ثوریؒ جو محمد بن کثیر کے واسطے سے حضرت امام بخاریؒ کے اُستاد ہیں۔ رکوع جاتے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔ کما نص علیہ الترمذی ـــ مگر امام بخاریؒ نے ان پر کہیں اس قسم کے ریمارک نہ کسے کہ انہیں سنّت سے بغض تھا۔ مگر انصاف دُنیا سے کہیں رخصت نہیں ہو گیا۔ تو کیا کوئی انصاف پسند یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے کرمفرما مولانا محمد اسماعیل آف گوجرانوالہ محدثین کے مذہب پر ہیں اور انہیں دوسرے مسالک کو برداشت کرنا آتا ہے۔

تحقیقاتِ حدیث میں اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف بغض کا یہ لاوا جو مولانا محمد اسماعیل اور ان کے ہم خیال لوگ دن رات اُگلتے ہیں امت کے لیے ہرگز کوئی اتحاد کا پلیٹ فارم مہیا نہیں کر سکتا۔ اتحادِ امت کی راہ آپ کو اسی رواداری میں ملے گی جو سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کے چاروں مذاہب نے آپس میں اختلاف کے باوجود قائم رکھی۔ ایک دوسرے کے مسلک کو اجتہاد کا اختلاف مانا۔ کتاب و سنّت سے بغض نہ گردانا ـــ اور ایک دوسرے

کے اماموں کو مجتہد کے درجے میں امام تسلیم کرتے رہے۔ کسی کے بارے میں نہ کہا کہ وہ تو مجتہد نہ تھا۔ مقلدین کسی مسلک کے بھی ہوں وہ دوسرے ائمہ کے اقوال و اجتہادات کو برابر ذکر کرتے ہیں اور ائمہ اربعہ کی علمی امامت سے ان حضرات میں سے کبھی کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ کبھی مسلک کے کسی متعلد نے جوش بیان میں کبھی کسی کے خلاف کوئی بات لکھ بھی دی تو بعد کے آنے والے علماء نے اس پر تنقید کی۔ تاہم اس بات سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ ایسی باتیں متاخرین کو اپنے قدماء کے کلام میں دو چار سے زیادہ نہ ملیں گی۔

ہمارے ہاں یہ محدثین و فقہاء جو ہزار سال کے قریب پوری دنیائے اسلام پر چھائے رہے اپنے اپنے مسلک کے متقدر عالم سمجھے جاتے ہیں اور انہی کے فتووں اور انہی کی کتابوں پر اس راہ کے سالکین چلے۔ ان کے باہمی ربط و تعلق۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی وسعت علمی عبقریت اور حضرت امام اعظمؒ کی زیر دست قوتِ استدلال کو تسلیم کرنے میں آپ کو ان میں کوئی فرق یا فاصلہ نہ ملے گا۔

عہد حاضر کے اہلحدیث کہلانے والوں میں اگر کسی میں مسالک اربعہ کے ربط و تعلق اور قوت برداشت کی جھلک ملے گی تو وہ امرتسر کے حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی تھے اور اب یہ رنگ کسی میں باقی ہے تو وہ ان کے صاحبزادہ مولانا محمد داؤد غزنوی اور ان کے خاندان کے لوگ ہیں

مقلدین کا نظریۂ تقلید علمی تلاش میں کبھی رکاوٹ نہیں بنا

مقلدین کے ہاں پہلے علمی ماخذ ہمیشہ سے کتاب و سنت رہے ہیں۔ کوئی فقہ اور کوئی اجتہاد کتاب و سنت کی برابری نہیں کر سکتا۔ ہاں سنت میں اگر کہیں متعارض روایات ملیں اور ان میں تقدیم و تاخیر بھی قطعی درجے میں معلوم نہ ہو تو ان مسائل میں صحابہؓ میں بھی ہر عالمِ اعلم کی طرف رجوع کرتا نظر آتا ہے اور اسی طرح اسلام کی علمی تاریخ چلتی رہی ہے۔

بایں ہمہ مقلدین میں سے کسی کے ہاں امام کا درجہ شارع کا نہیں سمجھا جاتا۔ نہ کسی کا

یہ عقیدہ رہا ہے کہ مجھے آخرت میں یہ سوال ہوگا کہ تم نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ یا فلاں امام کی فلاں بات کیوں نہیں مانی۔ یہ سب ائمہ علم ہیں جو محض اس لیے پیشوا مانے گئے ہیں کہ یہ ہم کتاب و سنت کے قریب کرنے والے اور کتاب و سنت کے سمندر میں اُتر کر ان کے مسائل غیر منصوصہ کو دریافت کرنے والے تھے اور ہم ان مسائل میں ان کے پیرو ہیں۔

ان سب کے باوجود مقلدین کے ہاں علمی تلاش میں کبھی کوئی کمی روا نہیں رکھی گئی اور نہ کسی پر مزید تحصیل علم اور تحقیق کا دروازہ بند کیا گیا — یہ علامہ عینیؒ مقلد ہیں جو صحیح بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور ایک ایک حدیث کی پڑتال کر رہے ہیں۔ ایک ایک حدیث کی مراد معلوم کر رہے ہیں — اسی طرح حافظ ابن حجر شافعیؒ مقلد ہیں مگر علم حدیث کے گہرے شناور ہیں۔ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا کہ امام شافعیؒ کی بات اعتماداً مان لینے کے بعد اب انہیں کوئی حدیث کی ضرورت نہیں تو آپ ہی بتلائیں انہوں نے فتح الباری کیوں لکھی؟

امام ابن ہمامؒ کو لیجئے۔ اس قدر اونچے محدث ہیں کہ اجتہاد کے درجے پر سرفراز نظر آتے ہیں۔ مگر علم حدیث کے کس پایہ کے محقق ہیں۔ یہ کسی سے مخفی نہیں — امام نوویؒ کو دیکھئے۔ امام شافعیؒ کے پختہ مقلد ہیں مگر حدیث کے کتنے بڑے متبحر عالم ہیں۔

یہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید ان اعیانِ علم کو کتاب و سنت کی مزید تحقیقات سے کبھی روک نہیں سکی انہیں جب کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ائمہ کی بلا طلب دلیل پیروی کرتے ہیں تو اس سے مراد وہ خاص دلیل ہے جس کی بنا پر اس امام نے وہ بات کہی — اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مسئلہ پر اور دوسرے دلائل میں بھی کبھی نہیں اُترتے یا ان دوسرے دلائل سے وہ اپنے تقلیدی موقف کی کہیں تائید نہیں کر پاتے — تقلید کوئی مرتبہ جہل کا نام نہیں کہ اب مقلدین کے آگے مزید تحقیقات کے دروازے بند سمجھے جائیں — اگر ایسا ہوتا تو حافظ ابن حجر شافعی، حافظ بدرالدین عینی حنفی، حافظ ابن ہمام حنفی اور حافظ جلال الدین سیوطی شافعی کبھی حدیث و فقہ کی اتنی گہرائیوں میں نہ اُترتے جو آج ان کی ضخیم کتابوں میں ملتی ہیں۔ الحمد للہ

آج اسلامی کتب خانے اگر آباد ہیں تو انہیں مقلدین کی علمی تحقیقات سے جنہوں نے اولاً تو اپنے امام پر اعتماد کرکے مسائل غیر منصوصہ اور مسائل منصوصہ متعارضہ غیر معلومۃ التقدیم والتاخیر میں اس کے فیصلوں اور فتوؤں کو بلا طلب دلیل قبول کیا اور بعد ازاں حدیث و فقہ کے گہرے سمندروں سے علم و تحقیق کے مزید وہ جواہر جمع کیے جن سے انہیں اپنے تقلیدی مسائل پر مزید توثیق ملی اور صحابہؓ کے اختلاف کو برداشت کرنے اور ائمہ اربعہ کی تقلید میں وسعت عمل کی وہ راہیں ملیں جس نے امت کو ان اختلافات کے باوجود اہل السنۃ والجماعۃ کی ایک لڑی میں پروئے رکھا — اور مسالک اربعہ کے مقلدین آپس میں ہزاروں اختلافات کے باوجود علیحدہ علیحدہ فرقے نہ بنے۔

اس پس منظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر دنیائے مذاہب میں اسلام کے کتب خانے باقی سب مذاہب کے مذہبی کتب خانوں سے بڑے ہیں تو اس کی وجہ علم اسلام کی استنباط و استخراج کی راہ سے فقہ کی وہ تحقیقات ہیں جن کی مثال دنیا کے اور کسی مذہب میں نہ ملے گی۔

اسلامی کتب خانوں کی یہ تاریخ اور تفصیل جو ہم نے لکھی ہے یہ ان کتابوں کے علاوہ ہے جو اسلام کے دوسرے بڑے بڑے اہم عنوانات پر لکھی گئیں علم تاریخ علم ادب نقد النثر نقد الشعر اور لغت کے بڑے بڑے ذخیرے ان کے علاوہ ہیں۔ سیرت کی کتابیں۔ صحابہؓ کرام پر لکھی گئی کتب، سیرت ائمہ محدثین اور فقہاء پر لکھے گئے تذکرے۔ پھر معتزلہ و کرامیہ روافض و خوارج۔ قادیانیوں اور عیسائیوں۔ بہائیوں اور اسماعیلیوں پر لکھی گئی کتابیں۔ مختصر و مطول ان کے علاوہ ہیں۔ ان سب علمی کاوشوں پر نظر کرتے ہوئے یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے مسالک اربعہ کے مقلدین صرف اپنے اپنے ابواب فقہیہ میں بند نہیں رہے۔ مختلف علوم کی منجدھاروں میں انہوں نے وہ غوطے کھائے اور اتنی کامیابی اور سرخروئی سے یہ ان سمندروں پر تیرے کہ تقلید کسی مرتبہ جہل کا نام نہ رہا۔ یہ اس سٹرک کا نام ہو گیا جو عہد صحابہؓ سے علم کے انہی پیمانوں سے مسلسل چلی آ رہی ہے۔ جو علماء کے پاس پڑھنے اور پڑھانے کے ہیں اور

ہم ہر نماز میں خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ''ہمیں انہی لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا'' اور یہ ظاہر ہے کہ یہ صرف انبیاء نہیں ان میں کئی دوسرے بھی ہیں جو ہمہ تن اللہ کے آگے جھکے ہوئے اور انابت کی دولت پائے ہوئے تھے۔ قرآن کریم کا حکم واتبع سبیل من اناب الیّ (پ۲۱ لقمان ۱۵) انہی کے متعلق ہے۔

جن حضرات کی مخلصانہ کوشش سے فقہ و حدیث کے یہ علمی چشمے امت میں جاری ہوئے اور ان میں ایک دوسرے کے لیے وسیع قوت برداشت تھی۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم ان کے کچھ اسماء گرامی بھی ذکر کردیں جو ہمارے ان کتب خانوں کی وسعت کا موجب ہوئے۔ پہلی چار صدیوں کے اکابر تمام مسالک کا مشترک سرمایہ علمی ہیں۔ اس لیے ہم ان کے بعد پانچویں صدی سے ہر مسلک کے کچھ اسماء کا ذکر کرتے ہیں اور یہ ہماری طرف سے ان اکابر اہل اسلام کو بلا امتیاز مسلک ایک نیازمندانہ خراج تحسین ہے۔

(۱) ——— حضرات مالکیہ کے اکابر اہل علم جو اس امت کی علمی کشتی گہرے سمندروں میں کھیلتے رہے اور باوجود اپنے ممتاز مسلک کے دیگر سب علماء کے ساتھ مل جل کر رہے۔ اور انہیں اپنے ساتھ ایک دائرہ (اہل السنۃ والجماعۃ) میں رکھا اور سمجھا:۔

(۱) شیخ ابوالحسن علی ابن بطال البکری القرطبی (۴۴۹ھ)

(۲) حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ ابن عبد البر (۴۶۳ھ)

(۳) علامہ ابوالولید الباجی المالکی (۴۹۴ھ)

(۴) شیخ ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ سبتی (۵۴۴ھ)

(۵) قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی (۵۴۲ھ)

(۶) علامہ ابوالولید محمد بن احمد المعروف بابن رشد (۵۹۵ھ)

(۷) امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی (۶۷۱ھ)

(۸) علامہ ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی (۷۹۰ھ)

(۹) علامہ ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون (۸۰۸ھ)

(۱۰) علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی (۱۱۲۲ھ)

(۱۱) الشیخ العلامہ الشنقیطی (۱۳۹۳ھ)

(۲) حضرات شوافع کرام من مقلدۃ الامام الشافعی (۲۰۴ھ)

(۱) امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ)

(۲) علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ)

(۳) امام محمد بن محمد ابوحامد الغزالی (۵۰۵ھ)

(۴) امام محمد بن عمر بن الحسین المعروف فخرالدین الرازی (۶۰۶ھ)

(۵) حافظ ذکی الدین ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (۶۵۶ھ)

(۶) امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین النووی (۶۷۶ھ)

(۷) امام حافظ اسماعیل بن عمر المعروف بابن کثیر (۷۷۴ھ)

(۸) حافظ ابوزرعہ الدمشقی (۸۲۶ھ)

(۹) حافظ شہاب الدین احمد بن علی المعروف بابن حجر (۸۵۲ھ)

(۱۰) حافظ عبدالرحمٰن بن کمال ابوبکر المعروف بہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)

(۳) حضرات حنابلہ کرام من مقلدۃ الامام احمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ)

(۱) قاضی ابویعلیٰ حنبلی (۴۵۸ھ)

(۲) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ)

(۳) حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر (۵۷۱ھ)

(۴) حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی (۵۹۷ھ)

(۵) حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (۶۰۰ھ)

(۶) حافظ امام موفق الدین ابن قدامہ (۶۲۰ھ)

⑦ حافظ تقی الدین ابوالعباس احمد ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

⑧ حافظ ابوعبداللہ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ)

⑨ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ بکر بن ایوب المعروف لابن القیم (۷۵۱ھ)

⑩ حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد المعروف بابن رجب (۷۹۵ھ)

④ حضرات السادۃ الحنفیہ من مقلدۃ الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان (۱۵۰ھ)

① حافظ ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی (۴۸۳ھ)

② حافظ ابو بکر علاؤ الدین بن مسعود الکاشانی (۵۸۷ھ)

③ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ)

④ حافظ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (۷۱۰ھ)

⑤ حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی (۷۶۲ھ)

⑥ علامہ الشیخ ابراہیم الحلبی (۷۸۹ھ)

⑦ حافظ امام بدرالدین محمود بن احمد العینی (۸۵۵ھ)

⑧ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام (۸۶۱ھ)

⑨ حافظ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم (۹۷۰ھ)

⑩ مجدد مأۃ دہم امام علی بن سلطان القاری (۱۰۱۴ھ)

دُنیا میں سب سے زیادہ تعداد حنفیہ کرام کی ہے۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس صف میں کھڑے دس اور بزرگوں کی نشاندہی بھی کردیں جو اس دور آخر میں اسی سلسلہ کے علم کے امین سمجھے گئے ہیں گو ہم انہیں ان چالیس بزرگوں میں ذکر نہیں کر رہے۔

① ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی (۱۰۶۹ھ)

② علامہ علاء الدین صاحب درمختار (۱۰۸۸ھ)

③ الشیخ العلامہ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ)

④ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

⑤ علامہ السید المرتضیٰ الحسن الزبیدی (۱۲۰۵ھ)

⑥ حضرت الشیخ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ)

⑦ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۲۵۲ھ)

⑧ علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ)

⑨ علامہ ابن عابدین الشامی (۱۲۷۲ھ)

⑩ حضرت علامہ طحطاوی (۱۲۳۳ھ)

یہ وہ ائمہ علم ہیں جو اپنے فقہی مسلک میں ممتاز ہوتے ہوئے دوسرے ائمہ علم کو برداشت کر کے چلے. ان کے دلائل پر رد اور قبولاً بحثیں تو کیں لیکن ان پر ضلال و گمراہی کی کمان نہ تانی نہ یہ کبھی کہا کہ ان کی نماز نہیں ہوتی ـــــ نہ یہ کسی کو کہا کہ انہیں کتاب و سنت سے بغض اور چڑ ہے. جو اختلاف بھی سامنے آئے اسے اجتہادی اختلاف سمجھا اور اپنے صحیح ہونے کے دلائل ترجیح بیان کر دیئے.

ہم نے پہلے جو چالیس بڑے مسلمان ذکر کیے ہیں یہ فقہ و حدیث کے گہرے سمندروں کے وہ کامیاب شناور ہیں جن کے بل بوتے اہل السنۃ والجماعۃ آج بھی آپس میں متحد اور ایک دائرہ میں منسلک سمجھے جاتے ہیں. جب فقہی اختلاف علیحدہ علیحدہ جماعت بندیوں میں لے آئے اور ان امتیازات پر مسجدیں علیحدہ علیحدہ بننے لگیں تو پھر یہ اختلاف رحمت نہیں رہتا زحمت بن جاتا ہے.

حضرات سادات حنفیہ کے جو اگلے دس اکابر ہم نے ذکر کیے ہیں وہ پہلے دس بزرگوں سے بھی زیادہ اعتدال کے ساتھ چلے ہیں. بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور زیادہ اعتدال کے ساتھ چلے اور ان کے گرد جو علماء اور تلامذہ جمع ہوئے انہوں نے مسالک اربعہ میں اور زیادہ برداشت اور رواداری کی فضا پیدا کی.

ان کے بعد ہندوستان میں علماء دیوبند کی ایک ایسی صف نظر آتی ہے جو معارک قلم میں پورے برصغیر پاک و ہند بنگلہ دیش اور برما میں اس اتحادِ امت کے داعی رہے۔ جو ان چالیس کروڑ مسلمانوں کی ملی میراث اور علمی اساس دے گئے۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ان میں سے بھی ہم یہاں دس اہل قلم کا ذکر کر دیں جن پہ دیوبند کی تاریخ بجا طور پہ ناز کرتی ہے یوں تو ان میں اور بھی بہت سے بزرگ اہل قلم گزرے۔ لیکن ان میں جن حضرات امت کو اس دور میں کثیر علمی سرمایہ دے گئے ان میں یہ حضرات بہت ممتاز ہیں:۔

① عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)
② مجدد مائۃ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ)
③ حجۃ الاسلام حضرت مولانا علامہ انورشاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ)
④ شیخ الاسلام مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)
⑤ محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی (۱۳۸۵ھ)
⑥ رئیس المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۹۴ھ)
⑦ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۳۹۴ھ)
⑧ شیخ التفسیر والفقہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی (۱۳۹۶ھ)
⑨ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم المدنی (۱۴۰۲ھ)
⑩ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (۱۴۰۳ھ)

علماء دیوبند کے ہم خیال حلقوں میں فرنگی محل کے علماء حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی (۱۳۰۵ھ) حضرت مولانا عین القضاۃ (۱۳۴۳ھ) امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (۱۳۸۱ھ) اور ندوہ کے اکابر میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی (۱۳۷۳ھ) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور جمعیت علماء کے اکابر میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۱۳۸۲ھ) حضرت مولانا سید محمد میاں (۱۳۹۸ھ) اور علماء حیدرآباد دکن میں حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی (۱۳۸۰ھ)

”

مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۳۷۵ھ) اور کئی دوسرے بھی متعدد اہل علم ہوئے ہیں۔ مگر ہم ان سب کا تذکرہ یہاں نہیں کرسکتے اگرچہ ان حضرات کی تالیفات پوری امت کے لیے یکساں اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ سب ائمہ علم بھی فقہ حنفی پر عمل کرنے والے تھے۔

یہاں ہمارا اصل موضوع حدیث و فقہ کے علمی معرکوں اور اختلافی موضوعات میں اعتدال رواداری اور ایک دوسرے کو برداشت کرلے کے احساس کو اُجاگر کرنا ہے۔ اس لیے ہم یہاں علماء دیوبند کے انہی مشہور اہل قلم کا ذکر کر رہے ہیں جن کی حکیمانہ پالیسی کے تحت آج بھی برصغیر پاک و ہند۔ بنگلہ دیش اور برما اور ان کے مضافات میں مسلکی اور فقہی رواداریاں اور بین الاقوامی اتحاد پایا جاتا ہے — گذشتہ اجتہادات نے امت میں وسعت نظر پیدا کی اس کا انکار کسی پہلو سے بھی ہو مفادِ امت کے خلاف ہے۔

۸۰

اصطلاحاتِ فقہ

اصطلاحاتِ فقہ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّابعد:

لغت میں بعض الفاظ کئی کئی معانی کے حامل ہوتے ہیں لیکن جب وہ کسی فن میں کسی خاص معنی میں استعمال ہونے لگیں تو وہ اس فن کی اصطلاح بن جاتے ہیں. فقہ میں جو الفاظ اصطلاح بنے ہیں ان کا معنی ومفہوم ہمیشہ ذہن میں رہے تو مسئلہ جاننے والا مسائل کا حکم معلوم کرنے میں خطائی الفکر سے بچا رہتا ہے اس لیے فقہ کے تعارف میں مصطلحات فقہیہ کو جاننا لازمی ضروری ہے. سب اصطلاحات ہم یہاں بیان کرسکیں یہ بہت مشکل کام ہے. تاہم بطور نمونہ کچھ اس لائن سے بھی فقہ کا تعارف کرلیجیے. واللہ یہدی للصواب والیہ المرجع والمآب.

انسان اس بات کا مکلف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کو مانے انسانوں کے لیے اس دُنیا کے بعد ایک آخرت ہے. اگر وہ اس کے اُتارے دین کو نہ مانے تو اس پر مرنے کے بعد آخرت میں پکڑ ہوگی. یہ پکڑ جانوروں وغیرہ کے لیے نہیں وہ مکلف مخلوق نہیں نہ ان کے لیے بعثت ہے نہ آخرت ـــــ سو انسان کا مکلف ہونا شرائع کی اصل ہے اور اس پر تمام آسمانی مذاہب متفق ہیں اور اسی لیے ان سب کی معرکہ آرائی ہے ـــــ اب ہم اسی سے اس موضوع کا آغاز کرتے ہیں واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق.

تکلیف

بظاہر یہ لفظ بہت ناخوشگوار ہے لیکن دینی اعتبار سے یہ بہت اہم ہے ایسے کام کا ذمہ دار ہونا جس کے کرنے میں کچھ مشقت ہو انسان اس کا مکلف ہے. اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور اسی نے انسان کو مکلف کیا ہے کہ وہ اس کے حکموں پر چلے. اس سے انسان دُنیا کی

زندگی بھی سنوارتا اور سُدھارتا ہے اور آخرت کے لیے بھی اس پر خدا کی حجت پوری ہوتی ہے
انسان مکلف کب ہوتا ہے اس کے لیے اسلام میں کچھ شرائط ہیں۔

شرائط تکلیف

انسان پاگل ہو یا حواس باختہ ہو فاتر العقل ہو تو وہ شریعت پر عمل پیرا ہونے کا مکلف نہیں۔ انسان عقل رکھنے کے باعث ہی مکلف ہوا ہے۔۔۔ اس کی یہ اہلیت تکلیف دو طرح سے ہے ① اہلیت وجوب اور ② اہلیت ادا۔۔۔ شرائط وجوب اور ہوتے ہیں، اور شرائط ادا اور۔

مثلاً جمعہ کی چھ شرائط وجوب کی ہیں اور چھ شرائط ادا کی۔ شرائط تکلیف میں سے یہ بھی ہے کہ ① جس چیز کا وہ مکلف ہوا ہے اس کا اسے علم ہو۔ ② وہ چیز ناقابلِ عمل نہ ہو۔ اس کے بجالانے میں انتہائی مشقت نہ ہو۔۔۔ لفظ تکلیف کی قرآنی اصل یہ آیت ہے۔

لا یکلف اللّٰہ نفساً الّا وسعھا لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت۔

(پ ۳: البقرہ آیت ۲۸۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی جی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہر جی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر ذمہ داری ہے جو اس نے کمایا۔

جن امور کے باعث انسان اپنی ذمہ داریوں پر عمل نہ کر سکے انہیں موانع تکلیف کہتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہیں۔ ① اختیاری اور ② غیر اختیاری۔

غیر اختیاری موانع یہ ہیں:۔

① جنون۔۔۔ عقل کا جاتا رہنا۔ ② بیہوشی ③ صغر سنی ④ سخت مرض ⑤ قیدی ہونا (با اختیار نہ ہونا اسی میں محبوس ہونا بھی ہے) ⑥ نسیان ⑦ عورت کے ایام اور ⑧ انفاس ولادت۔

احکامِ تکلیف

انسان اس دنیا میں جن احکام کو عمل میں لانے کا مکلف ہوا ہے ثبوت اور پیرایۂ بیان کے اعتبار سے اس کی آٹھ قسمیں ہیں۔

① فرض ② واجب ③ سنّت ④ مستحب

⑤ حرام ⑥ مکروہ تحریمی ⑦ مکروہ تنزیہی ⑧ خلافِ اولیٰ

نویں قسم مباح ہے جسے نہ عمل میں لانے کا مطالبہ ہے نہ اسے عمل میں لانے پر کوئی مواخذہ ہے۔ یہ وہ کام ہیں جو نیکی سمجھ کر نہیں کیے جاتے جیسے تقریر کے لیے لاؤڈ سپیکر کا استعمال یا درجہ حرارت معلوم کرنے کے لیے تھرمامیٹر کا استعمال یا عینک کا استعمال یا ٹرین کا سفر یا جہاز سے پرواز۔

مباح کوئی کارِ خیر نہیں ہوتا جس پر کوئی ثواب مرتب ہو نہ یہ کوئی کارِ شر ہے جس پر کسی مواخذہ کا اندیشہ ہو جو کام کارِ خیر سمجھ کر کیا جائے اس کا کم از کم درجہ مستحب ہونے کا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو۔ اگر اس کی کوئی دلیل موجود نہیں اور کرنے والا اسے کارِ خیر (نیکی) سمجھ کر کر رہا ہے تو اسے بدعت کہیں گے اسے مباح کسی طور پر نہ کہا جا سکے گا۔

گیارہویں شریف کے ختم کو اسی لیے بریلوی علماء مباح کے درجے میں رکھتے ہیں کہ اسے آخرت کے لیے کوئی کارِ خیر نہیں سمجھتے۔ ورنہ اسے مستحب میں جگہ دیتے:۔

> نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں (ثواب کے درجہ میں نہیں) جو شخص حضور غوثِ اعظم کی روح مبارک کو ایصال ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو فرض یا واجب کر دینا گمراہی ہے۔[1]

---

[1] ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر محمود احمد رضوی

اب ہم پہلے ان آٹھ حکموں کی کچھ تفصیل کرتے ہیں پھر نویں قسم کے ضمن میں نظریہ اباحت پر کچھ علمی بحث کی جائے گی۔ واللہ ہوالموفق

① ــــ فرض

فرض وہ عمل ہے جس کا عمل میں لانا شرعاً لازمی ہو اور اس کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہوا ہو

① اس کا انکار کفر ہے اور چھوڑنا (جیسے پنجگانہ نماز) بڑا گناہ ہے۔

② اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ فرض عین ۲۔ فرض کفایہ (جیسے نماز جنازہ)

② ــــ واجب

یہ وہ عمل ہے جس کا عمل میں لانا شرعاً لازمی ہو لیکن اس کے ثبوت میں کوئی ظنیت ہو یا اس کی دلالت اپنے موضوع پر قطعی نہ ہو۔

① قطعی الثبوت + ظنی الدلالۃ یا ② ظنی الثبوت + قطعی الدلالۃ سے جو حکم ثابت ہو وہ واجب ٹھہرتا ہے۔ ثبوت کے گمان غالب کے ساتھ عملاً یہ فرض کی طرح لازم ہوتا ہے جیسے نماز وتر یا عید اضحٰی پر قربانی۔ اس کا انکار کفر نہیں لیکن بڑی گمراہی ہے۔

(نوٹ) جن فقہاء کے نزدیک واجب کوئی شرعی اصطلاح نہیں وہ اسے نظر بر دلیل کبھی فرض میں داخل کر دیتے ہیں اور کبھی سنت میں۔ لیکن ان احکام کی اہمیت سے اور ان کے قریب بہ فرضیت ہونے سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا اسی طرح حدیث میں فرض کا لفظ کبھی واجب کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔ جیسے:۔

فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر۔

ترجمہ۔ صدقۃ الفطر ادا کرنا بشرط شرائط واجب ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:۔

ان الدلالة علی اربعة انواع الاوّل الدلیل قطعی الدلالة والثبوت ویفید الفرضیّة فی جانب الامر والحرمة فی جانب النهی والثانی ظنی الثبوت والدلالة ویفید الکراهة تنزیھًا فی جانب النهی والاستحباب فی جانب الامر والثالث ظنی الثبوت وقطعی الدلالة والرابع بالعکس وکلا القسمان یفیدان الوجوب او السنیة فی جانب الامر والکراهة تحریمًا فی جانب النھی علی ھذا اظهر الفرق بین الفرض والواجب۔

(۳) ـــــ سُنّت

فرض اور واجب کے بعد تیسرا درجہ عمل سنّت کا ہے سنّت وہ عمل ہے جس کے کرنے کا مطالبہ لازمی پیرائے میں نہ ہو (کہ ایسا ضرور کرو) لیکن کرنے کی تاکید کی گئی ہو اور اس کی رغبت دلائی گئی ہو۔

سنّت پر عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور بلا وجہ نہ کرنے والا مستحق عتاب فرض چھوڑنے والا مستحق عذاب ہوتا ہے اور سنّت چھوڑنے والا مستحق عتاب۔

اس درجہ کے جو امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں۔ وہ سب سُنن ہیں اور امّت کو انہیں اپنانے کا حکم ہے۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔

ترجمہ میری سنّت کو اور خلفاء راشدینؓ کی سنّت کو لازم پکڑو۔

پھر سنّت کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) سنّت عبادت۔ جیسے فجر کی دو سنّتیں اور ظہر کی چھ سنّتیں۔ ان سنّتوں میں آگے پھر دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ سنّت مؤکدہ اور ۲۔ سنّت غیر مؤکدہ

(۲) سنّت عادت۔ جیسے ۱۔ دائیں ہاتھ سے کھانا پینا ۲۔ قضائے حاجت کے

یا مستحب ہے اور اس جہت سے یہ بھی عبادت ہے
سنت عبادت کو سنن ہدیٰ بھی کہا جاتا ہے اور آپ اور صحابہؓ کے جو اعمال بطور عادت
ہوتے تھے جیسے چلنا پھرنا انہیں سنن زوائد بھی کہا گیا ہے سو سنت وہ راستہ ہے جسے دین میں اپنایا
گیا ہے۔ خواہ عبادات کی ادا میں ہو یا عام عادات کی ادا میں ۔ اسلام میں یہ ایک ایک عمل
ہونے ہی کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے سنن ہدیٰ کا قصداً ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور جن
چیزوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں سے روکا گو یہ ممانعت واحد سے معلوم
ہوا ہو ان کا کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے

سنت مؤکدہ کی دو قسمیں

① سنت عین جیسے ۱. پنج وقتہ نماز کی جماعت ۲. فجر کی نماز سے پہلے دو سنتیں
۳. خطبہ نکاح ۴. نماز کے لیے اذان

② سنت کفایہ جیسے ۱. نماز تراویح کی جماعت ۲. رمضان شریف کا اعتکاف

وجوب حرمت کراہت ضرورت استحباب

یہ اعمال کے وہ اوصاف ہیں جو دلائل سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ احکام فقہ کی کتابوں میں
ملتے ہیں۔ اصولیوں کے نزدیک ہر وہ خطاب جس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کہا جائے
مطالبہ کی درجے میں ہو یا غیر لازمی درجے میں اسے حکم کہتے ہیں۔ یہ امر و نہی دونوں کو شامل ہے

نوٹ ۱) انسان کسی عمل کا مکلف ہو اس کی شرائط انسان کے اعتقاداً مکلف ہونے
سے مختلف ہیں۔ اعمال شرع کے لیے تو بالغ ہونے کی شرط ہے لیکن عقائد اسلام کے لیے بالغ
ہونا کوئی شرط نہیں۔ بچہ کسی درجے میں سمجھدار ہو جائے تو وہ صحیح عقائد حاصل کرنے کا مکلف
ہو جاتا ہے۔ اس کے والدین یا بڑوں کے ذمہ ہے کہ اسے صحیح عقائد بتائیں۔

نوٹ ۲) انسان جب عملاً کسی چیز کا مکلف ہو تو ضروری ہے کہ . .

① اسے مکلف بہ کا علم ہو۔ اسے پتہ ہو کہ اس سے کس چیز کا مطالبہ ہے۔
② جس چیز کا اسے مکلف بتلایا جائے وہ چیز عادتاً محال نہ ہو۔ امکان سے باہر نہ ہو۔
③ بے حد مشکل نہ ہو کہ برداشت سے باہر ہو۔
④ ضروری نہیں کہ وہ اس کی دلیل علمی سے واقف ہو۔ بس اتنا علم کافی ہے کہ وہ اس پہ عمل کرتا ہے گو کسی کی تقلید سے یا کسی کے بتلانے سے —— ہاں یہ ضروری ہے کہ بتلانے والا اسے جانتا ہو۔

سُنّت اور مستحب میں فرق

وہ دینی کام جس کے کرنے کا مطالبہ شریعت میں غیر لازمی طور پہ ہو اور کرنے کی تاکید ہو اسے سنّت سمجھا جائے گا۔

وہ دینی کام جس کے کرنے کی تاکید نہ ہو مگر اس پر شریعت میں پسندیدگی بتلائی گئی ہو اسے مستحب کہتے ہیں۔

مستحب کو کبھی مندوب بھی کہہ دیتے ہیں۔ کسی چیز کو اپنے خیال سے مستحب نہیں کہا جا سکتا اس کے لیے اصل شرعی ہونی چاہیئے۔ اس کی کچھ شرائط ہیں:۔

① یہ کام لازمی نہ ہو ورنہ وہ واجب ہو گا۔
② اس کی تاکید و ترغیب نہ ہو ورنہ وہ سنّت ہو گا۔
③ اس پر پسندیدگی کا اظہار ہوا ہو ورنہ اسے مباح سمجھا جائے گا۔

مباح وہ کام ہے جو نہ نیکی ہے اور نہ اس پہ وہ کوئی مواخذہ ہے۔ مباح کا اگر التزام کیا جائے یا اسے کارِ ثواب سمجھ کر عمل میں لایا جائے تو وہ بدعت ہو جائے گا مباح نہ رہے گا

(نوٹ) مستحب کو کبھی نفل اور فضیلت بھی کہہ دیتے ہیں۔ تطوع کا لفظ مستحب اور نفل دونوں پہ آتا ہے۔ کبھی اسے سنّت پر بھی لے آتے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔

ومن تطوع خیرا فھو خیر له . (پ البقرہ آیت ۱۸۴)

مستحب کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا ثبوت کسی ظنی دلیل سے ہو۔ قرآن کریم میں بعض صُور تعامل میں دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانے کا حکم ہے۔

واشھدوا ذوی عدل منکم ۔

ترجمہ۔ اور اپنے میں سے دو معتبر گواہ کر لیا کرو۔

اس حکم پر عمل کرنا مستحب ہے ۔۔۔ واذا حللتم فاصطادوا (پ المائدہ آیت ۲) میں بھی امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔

سنتِ موکدہ اور سنتِ غیر موکدہ

وہ عمل جس کا مطالبہ شریعت میں لازمی درجے کا نہ ہو مگر اس پر تاکید موجود ہو اور اسے کبھی بلا وجہ ترک نہ کیا گیا ہو یہ سنت موکدہ ہے اور اگر اسے کبھی بلا وجہ ترک بھی کیا گیا تو یہ سنتِ غیر موکدہ ہے (نوٹ) نماز تراویح سنتِ موکدہ ہے لیکن اسے بالجماعت ادا کرنا مستحب ہے۔ آنحضرتؐ نے اس کی جماعت ایک عذر سے ترک فرمادی تھی۔ مگر چونکہ صحابہؓ نے اسے قائم رکھا اس لیے یہ عمل متروک نہیں مستحب سمجھا جائے گا۔ آنحضرتؐ کا بھی اسے ترک فرمانا ایک مصلحت کے لیے تھا۔ اسے ناپسندیدہ سمجھنے کے لیے نہ تھا۔

مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی

وہ عمل جس کے نہ کرنے کا مطالبہ ہو اس کے لیے دو شرطیں ہیں۔

① غیر لازمی طور پر ہو اور

② تاکید کے ساتھ ہو۔ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

وہ عمل جس کے نہ کرنے کا مطالبہ ہو ۔۔۔ یہ مطالبہ لازمی پیرائے میں ہو لیکن دلیل میں کمی

اعتبار سے شبہ پیدا ہو، یہ مکروہ تحریمی ہے۔

مکروہ تنزیہی کی مثال بالخصوص تختہ ازار کا ٹخنوں سے نیچے ہونا ہے — اور بالارادہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ بے وضو اذان کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

مکروہ تنزیہی کا مرتکب مستوجب ملامت و عتاب اور مکروہ تحریمی کا مرتکب مستوجب مذمت و عتاب ہے۔ مکروہ تحریمی حرام کے قریب قریب ہے۔ لیکن اس کا منکر کافر نہیں ہوتا جب کہ حرام کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ جو شخص شراب یا جوئے کو حرام نہیں سمجھتا وہ کافر ہے اور شراب کو حرام سمجھ کر پینے والا سخت گنہگار سمجھا جائے گا۔ شریعت میں اس کے لیے کوڑوں کی سزا ہے۔

مکروہ تنزیہی سے بھی کم ایک درجہ خلاف اولیٰ کا ہے۔ یہ وہ ہے جس کے کرنے میں قباحت ہو مگر اس کے کرنے پر کوئی ملامت اور عتاب نہ ہو۔ خلاف اولیٰ کے لیے لفظ لاباس بہ (اس میں حرج نہیں) بھی استعمال ہوتا ہے۔ سو جب کہا جائے کہ اس میں حرج کیا ہے تو ان باتوں سے بچنا ہی چاہیے۔

عوارض اور حالات کے سبب حکم میں تبدیلی

موانع تکلیف لاحق نہ ہونے کی صورت میں بھی بعض عوارض اور حالات میں احکام شرعیہ میں کچھ تبدیلی آجاتی ہے۔ داخلی امور میں اُن کے درجات بدلتے ہیں۔ فرض و واجب اور سنت و مستحب کے درجات ان اعمال کے داخلی احکام ہیں۔ خارجی حالات اور عوارض ان میں جو تبدیلی لاتے ہیں اس کے پیش نظر ان میں جو نرمی اور سہولت آتی ہے اسے رُخصت کہتے ہیں۔ کام اپنی اصل صورت میں رہے یہ عزیمت ہے اور حالات کے دھارے میں نرم پڑ جائے تو رخصت ہے۔ یہ رخصت کبھی حقیقی ہوتی ہے جیسے مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا رُخصت ہے اور اگر نقصان دہ نہ ہو تو سفر میں روزہ رکھنا عزیمت ہے اور نہ رکھنا رخصت۔

پھر رخصت کبھی مجازی بھی ہوتی ہے جیسے مسجد وں کے علاوہ عام سطح زمین پر نماز پڑھ

لیناار کی اس امت کو رخصت دی گئی ہے لیکن یہ نہیں کہ اب عزیمت مشروع نہ رہی نہ یہ کہنا درست ہے کہ اصل عبادت کی جگہیں مسجدیں نہیں ہیں ہر جگہ برابر ہے۔ مسجدوں اور جماعت کا حکم شرعی برابر قائم ہے۔ سو رخصت کے چار درجے ہوئے ۔

① رخصتِ حقیقی اَولیٰ

کسی کو مجبور کر کے (اکراہ میں ڈال کر) کلمۂ کفر کہنے کا کہا جائے تو اس کے لیے کلمہ کفر کہنا مباح ہے قرآن کریم میں ہے ۔

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ۔ (پ

مگر عزیمت پھر بھی یہ ہے کہ نہ کہے گو جان چلی جائے اور رخصت بھی صرف عوام کے حق میں ہے۔ ان ائمہ واشراف کے لیے نہیں جن کے اظہار کفر سے دوسروں کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہو۔

② رخصت حقیقی غیر اَولیٰ

مسافر اور مریض کے حق میں روزہ رکھنا بشرطیکہ اس کی وجہ سے ہلاکت اور مرض میں زیادہ کا اندیشہ نہ ہو عزیمت ہے اور نہ رکھنا رخصت لیکن اس رخصت سے جہاں تک بچے یہ اولیٰ ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ یہ رخصت حقیقی ہے گو غیر اولیٰ سہی۔

③ رخصت مجازی اتم

پہلی شریعتوں میں یہ اونچے درجے کا حکم تھا کہ نماز مقرر عبادت گاہوں میں ہی ہو سکے ہماری شریعت میں یہ رخصت ہے کہ جہاں پڑھی جا سکے تم پڑھ سکتے ہو۔ لیکن اب ہم اپنی شریعت میں اسے عزیمت و رخصت کا درجہ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ شریعتیں منسوخ ہو چکیں۔ اب اگر اسے رخصت کہا جا سکتا ہے تو یہ رخصت مجازی شمار ہوگی۔

④ رخصت مجازی غیر اتم

قصر نماز مسافر کے لیے ایک رخصت اور رعایت ہے۔ مگر یہ ایسی رخصت ہے کہ اس کا

مقابل (سفر میں نماز پوری پڑھنا) نہ صرف یہ کہ عزیمت نہیں حنفیہ کے ہاں جائز ہی نہیں، یہاں قصر واجب ہے لیکن یہ رعایت ہر مسافر کے لیے نہیں اس کے اپنے احکام ہیں، اس لیے اسے رخصتِ مجازی غیر اتم کہا گیا ہے۔ رخصتِ مجازی اتم سب کے لیے ہے۔

(نوٹ) رخصتِ مجازی ان دونوں صورتوں میں عزیمت کا کوئی پہلو لائق عمل نہیں رہ جاتا۔ خدا کی دی گئی رخصتوں کو قبول کرنا اپنے حق میں ایک اقرار عاجزی اور احساس درماندگی ہے اور انہیں قبول نہ کرنا احساس کبر ہے لیکن یہ صرف اعمال کی بات ہے۔ عقائد میں اسے عمل میں نہ لانا ایک احساس کبر نہیں، ایک قربانی ہے جیسے حضرت خبیب بن عدی ؓ نے جان دے دی مگر کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔

یہ احکام تکلیف کا بیان تھا اب شرائط برائے مکلف بھی جان لیجئے کہ وہ کون سے امور ہیں جن سے انسان تکلیف کا اہل ہوتا ہے۔ اہلیتِ تکلیف کی دو قسمیں ہیں۔

① اہلیت وجوب اور ② اہلیت ادا

① اہلیّتِ وجوب

اہلیت وجوب سے مراد انسان میں حقوق کے وجوب کی صلاحیت کا پایا جانا ہے۔ اس کے پھر دو درجے ہیں (الف) ناقص اور (ب) کامل

ناقص سے مراد اپنے حق میں وجوب کی صلاحیت کا ہونا ہے جیسے وہ بچہ جو ابھی رحم مادر میں ہو۔ دوسروں پر اس کے حقوق واجب ہیں۔ وہ اپنے باپ کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہو تو بھی وہ میراث میں حصہ رکھتا ہے۔ اس کے حق میں کسی کی وصیت ہو وہ اس کا بھی حقدار ہے مگر خود اس پر (جنین و رحم مادر میں ہے) کسی کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ وہ وارث تو ہوتا ہے مورث نہیں بنتا۔

کامل وہ ہے جس پر دونوں طرف سے حقوق ثابت ہوں۔ اس میں دوسروں پر اپنے حقوق واجب ہونے کی بھی صلاحیت ہو اور اس پر بھی دوسروں کے کچھ حقوق واجب ہوں یہ

موجودیت انسان میں پیدائش کے بعد آتی ہے اور موت تک رہتی ہے۔ یہ انسان وارث بھی ہوتا ہے اور مُورث بھی۔

۲ اہلیت ادا

اہلیت وجوب کے بعد اہلیت ادا کا ہونا ہے۔ اگر انسان کے اعمال کا شریعت اعتبار کرتی ہے اور ان پر احکام مرتب ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس انسان میں اہلیت ادا پائی گئی ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ناقص اور ۲۔ کامل

۱ سمجھدار بچے کے مالی معاملات کا شریعت اعتبار کرتی ہے مگر اس کے بعض امور ولی کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں، سو یہ صحیح ہے کہ اس میں اہلیت ادا پائی جاتی ہے۔ مگر یہ کسی درجہ میں ناقص ہے۔

۲ کسی دوسرے کی رائے اور اجازت کے بغیر اپنے کاموں کی صلاحیت رکھنا کہ شریعت میں ان کا اعتبار کیا جا سکے۔

شریعت میں ناقص اور کامل کا یہ فرق صرف عقل اور سمجھ کے باعث ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کے احکام کس قدر فطرت کے مطابق ہیں کہ ان میں عقل کے ہونے نہ ہونے کو کس باریکی سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

تکلیفاتِ شرعیہ کی بُنیادی شرائط

۱ حکم شرعی کا علم ہو

اگر کوئی شخص ابھی مسلمان ہوا اور اس کو پتہ نہیں کہ نماز دن میں پانچ دفعہ فرض ہے تو وہ حکم جب تک کہ اسے بتایا نہ جائے اللہ تعالیٰ کے ہاں پانچ وقت نماز کا مکلف نہ ہوگا۔ اسے یہ علم دلیل کے ساتھ ہو یہ ضروری نہیں۔ عام لوگوں کے بتلانے سے بھی اسے علم ہو جائے گا کہ نماز ہر بالغ مسلمان پر دن میں پانچ دفعہ فرض ہے دلیل جاننا اس کے لیے ضروری نہیں۔

جن لوگوں نے مکلف ہونے کے لیے یہ بات بنا رکھی ہے کہ ہر بات کا علم دلیل کے ساتھ ہو تقلیداً نہ ہو. یہ شرعی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے ایک غلط صورت ہے۔

② اس عمل پر قدرت ہو

اگر کوئی شخص قید ہے اور بوجہ قید وہ حج کا فریضہ ادا نہیں کر سکتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا مکلف نہ رہے گا.

③ یہ حکم شرعی اس کے لیے ناقابلِ برداشت نہ ہو

اگر کوئی نادار بوڑھا شخص بیمار ہے کہ روزے نہیں رکھ سکتا اور نہ اس کی اسے آئندہ امید ہے تو اس کے لیے روزے رکھنا برداشت سے باہر ہے. اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا مکلف نہ رہے گا.

④ وہ حکم عملاً محال نہ ہو

جیسے پانی کے بغیر اسے وضوء کا مکلف ٹھہرانا یا کسی ایک بازو والے کو دونوں ہاتھ دھونے کا مکلف کرنا. یہ کام نہ صرف یہ کہ قابلِ برداشت نہیں حیطۂ امکان سے بھی باہر ہیں.

موانعِ تکلیف

اس سے مراد وہ عوارض ہیں جن کے لاحق ہونے سے انسان ان کاموں کا مکلف نہیں رہتا. یہ دو قسم کے ہیں. ۱. اختیاری اور ۲. غیر اختیاری

نشہ (جس سے ہوش نہ رہے) جہل، اکراہ (مجبور کر دیا جانا) اور سفر وغیرہ وہ عوارض ہیں جن سے احکام میں کچھ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

غیر اختیاری موانع میں صغر سنی (چھوٹی عمر کا ہونا) جنون. بے ہوشی. نسیان عورت کے لیے ایام شروع ہو جانا یہ وہ امور ہیں جن سے اس کے حق میں احکام بدل جاتے ہیں.

مکلف ہونے کے اعتبار سے یہ احکام کی تقسیم تھی۔ اب کچھ ان اُمور کا بھی جائزہ لیں جن کے باعث احکام تکلیفیہ کا اثبات ہوتا ہے یا ان کی نفی ہوتی ہے۔ انہیں احکام وضعیہ کہتے ہیں۔ حکم وضعی اسے کہتے ہیں جس کے باعث کوئی حکم تکلیفی ثابت ہوتا ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں:۔

۱. علت ۲. سبب ۳. شرط ۴. علامت

جس سے کسی حکم تکلیفی کی نفی ہو اسے مانع کہتے ہیں۔ جیسے سورج جب نکل رہا ہو تو اس وقت نماز نہ پڑھنا — اب ہم ان پانچ امور پر کچھ مختصر بحث کرتے ہیں:۔

① علت

کسی شخص کو کسی چیز کے بیچنے کا حق تبھی ہے کہ وہ اس کا مالک و مختار ہو۔ سو بیع ملکیت کی علت ہے بیع سے پتہ چلا کہ یہ شخص واقعی اس چیز کا مالک و مختار تھا — ہاں وہ نہ بھی بیچتا تو بھی وہ اس کا مالک تھا۔ سو اس کا یہ بیچنا وہ وصفِ خارجی ہے جو اس کے وجود میں مؤثر ہوا یہ وہ وصف ہے کہ جب وہ پایا جائے گا تو وہ حکم ضرور پایا جائے گا جہاں وہ علت پائی گئی (جیسے بیع) وہاں وہ حکم (ملکیت) ضرور لاحق ہو گا اگر وہ اس چیز کا مالک و مختار نہیں پھر اس نے وہ چیز بیچی تو اس علت (بیع) کا مرتکب لائق گرفت ہو گا۔

اسی طرح قصاص کی وجہ قتل تھی۔ قتل ہوا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں۔ تو قتل قصاص کی علت ہوا قصاص کے لیے قاتل قابلِ گرفت ٹھہرے گا۔

جہاں جہاں علت پائی جائے گی اس کے احکام ثابت ہوتے جائیں گے قیاس و استنباط میں اس کا بڑا دخل ہے لیکن اس کی پہچان ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس پہ پوری نظر مجتہد کی ہی ہو سکتی ہے۔ ذات کے اعتبار سے اس کی سات قسمیں ہیں۔ جن کی تفصیل اصولِ فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔

② سبب

... صف خارجی ہے جو اس حکم تک لے جانے کا ذریعہ بنے جیسے :۔

① رمضان کا ہونا روزوں کا سبب ہے. سورج کا غروب ہو جانا نماز مغرب کا سبب ہے یہ وہ واقعات ہیں جو ان اعمال کا سبب بنتے ہیں.

② نصاب کا مالک ہونا اور اس پر سال گزرنا (دونوں مل کر) وجوب زکوٰۃ کے لیے سبب ہے جب یہ سبب پایا جائے گا زکوٰۃ فرض ہو جائے گی.

پہلی صورت میں سبب کی ذات کے اعتبار سے حکم ثابت ہوتا ہے دوسری صورت میں اوصاف کے اعتبار سے پہلے کو سبب وقتی کہتے ہیں اور دوسرے کو سببِ معنوی. اس کا حکم یہ ہے کہ جو چیز سبب بنے اس پر کوئی مواخذہ نہیں.

مثلاً کسی شخص نے کسی کو کسی کے مال کا پتہ دیا اس دوسرے نے اس مال کی چوری کی. تو پہلا خبر دینے والا جو اس چوری کا سبب بنا ہرگز قابل گرفت نہ ٹھہرے گا.

ہاں جو سبب قائم مقام علت ہو تو اس کا مرتکب بے شک لائق مواخذہ ٹھہرے گا

باعتبار اوصاف سبب کی چار قسمیں ہیں:-

۱. سبب حقیقی ۲. سبب مجازی ۳. سبب اور حکم علت ۴. سبب قائم مقام علت

(نوٹ) حکم کا وجود اس کی علت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن سبب صرف اس حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے.

③ شرط

شرط وہ وصف خارجی ہے جس پر اس حکم کا وجود موقوف ہو. سال گزرنا وجوب زکوٰۃ کے لیے شرط ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ سبب بھی ہو. زکوٰۃ اسی صورت میں فرض ہوگی کہ مال بقدر نصاب ہو.

① شرط میں ذات کے اعتبار سے.

② متعلق شرط کے اعتبار سے.

③ اور اوصاف شرط کے اعتبار سے یہ تین قسمیں کی گئی ہیں:-

① وہ شرط فطری اور لازمی ہو اور انسان کا اس میں کوئی اختیار نہ ہو۔ جیسے علم کے لیے زندگی شرط ہے۔ ایک وہ شرط ہے جو فطری نہیں۔ مگر شریعت نے اسے شرط ٹھہرایا وہ نکاح کے گواہ ہیں۔ نکاح کے لیے گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ یہ شرط شریعت کی اپنی ٹھہرائی ہوئی ہے۔

② متعلق شرط کے اعتبار سے :۔

۱. شرط مکمل سبب (مال پر سال کا گزرنا)

۲. شرط مکمل مسبب (جیسے نماز کے لیے طہارت)

اوصاف شرط کے اعتبار سے شرط کی چار قسمیں ہیں :۔

۱. شرط محض ۲. شرط در معنی علت ۳. شرط در معنی سبب

۴. شرط بطور نام (جیسے کسی چیز میں دو شرطیں لگا دی جائیں)۔

④ علامت

وہ وصف خارجی جس سے کوئی حکم جانا جاتے نماز پنجگانہ کے لیے اوقات کی علامات ہیں جوں جوں علامات ہوتی جائیں ان سے متعلق نمازیں فرض ہوتی جائیں گی۔

(نوٹ) حکم الٰہی اقیموا الصلوٰۃ (نماز قائم کرو) نماز کی علت ہے وقت اس کا سبب ہے طہارت اس کی شرط ہے اور اس کی صورت عمل اس کی علامت ہے ایمان کی حقیقت حضور خاتم النبیین کی ان کی تعلیمات میں تصدیق ہے توحید آخرت۔ قرآن فرشتوں آسمانی کتابوں اور اس کے سب پیغمبروں پر اور اس کی قضا و قدر پر ایمان لانا ایمان کے ارکان ہیں مسلمانوں کا ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا ایمان کی علامات ہیں اور نماز وغیرہ اس کے اعمال ہیں ۔۔۔ علامات اور اعمال کا صرف اس وقت اعتبار کیا جا سکے گا جب اصل حقیقت معلوم نہ ہو کسی عیسائی یا قادیانی کے السلام علیکم کہنے سے اسے مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا یہ علامات اس وقت مؤثر ہو سکیں گی کہ اصل حقیقت ہم نے نہ جانی ہو۔ یہ محض ایک ضمنی بات تھی جو سامنے آگئی۔ اس کا ان نہی اصطلاحات سے تعلق نہیں۔

احکام کی صُورتِ وضعی

احکام اپنی وضعی صُورت میں کسی حکم تکلیفی (جس کا انسان خدا کی طرف سے مکلف ٹھہرایا گیا) کے لیے کسی چیز کا موجب ہوتے یہ ان کی صورتِ وضعی ہے۔ کبھی یہ اس حکم تکلیفی کے لیے علت کے درجے میں ہوتے ہیں کبھی سبب کے درجے میں اور کبھی علامت کے درجے میں ــــ اسی طرح بعض اوقات یہ کسی حکم تکلیفی کے لیے نفی کا باعث ہوتے ہیں اس صورت میں انہیں موانع کہتے ہیں۔

اس منع کی کئی صورتیں ہیں کبھی یہ حکم اس درجہ میں مانع ہوتا ہے کہ حکم کی علت قائم نہیں ہونے پاتی مثلاً کسی آزاد شخص کو بیچ دینا اس کی آزادی بیع کے انعقاد سے مانع ہے ملکیت بیع کی علت ہے۔ جب وہ مالک ہی نہیں تو بیع کیسی۔ سو اس کا آزاد ہونا اس کی بیع میں مانع رہا۔

کبھی علت قائم اور موجود ہوتی ہے مگر وہ پوری نہیں ہو پاتی۔ جیسے کوئی ایسی چیز بیچنا جو لائق بیع ہے مگر یہ اس کا مالک نہیں۔ اس کا مالک نہ ہونا تمام علت سے مانع رہا۔ اس صورت میں بیع منعقد تو ہو جاتی ہے لیکن تمام اور مکمل نہیں ہو پاتی۔

کبھی کوئی ایسی صورت ہوتی ہے کہ سبب کو نتیجہ خیزی سے روکتی ہے۔ جیسے کسی شخص کے پاس نصاب کے مطابق مال موجود ہو اس پر سال بھی گزرا ہو مگر اس شخص پر کچھ قرض بھی ہے جسے ادا کرنے سے وہ صاحبِ نصاب نہیں رہتا۔ اب یہ صورت اس پر زکوٰۃ فرض ہونے سے مانع ہوگی اسے تحقق سبب سے مانع کہتے ہیں۔

اور اگر وہ صاحبِ مال صاحبِ نصاب تو تھا لیکن سال پُورا ہونے سے کچھ پہلے اس کا کچھ مال ضائع ہو گیا کہ اب وہ صاحبِ نصاب نہ رہا۔ یہ صورت سبب زکوٰۃ کے پُورا ہونے سے مانع رہی اسے تمامِ سبب سے مانع کہتے ہیں۔

سو وہ مانع جو کسی حکم وضعی کو روکے اس کی چار صُورتیں ہیں۔

① انعقادِ علت سے روکے۔

② تمام علت سے روکے۔

③ تحقق سبب سے روکے۔

④ تمام سبب (سبب کے پُورا ہونے) سے روکے۔

اسی طرح وہ موانع بھی ہیں جن سے کسی حکم تکلیفی کا وجود قائم نہیں ہو پاتا۔

۱. موانع از ابتدائے حکم ۲. مانع از تمام حکم ۳. مانع از دوام حکم

مثال: بیع کے ساتھ اپنے اختیار کی شرط رکھی جس سے لینے والے کی اس چیز پر ملکیت مرتب نہ ہو سکی۔ سو خیارِ شرط کے ساتھ بیع مانع از ابتدائے حکم ہے ــــ البتہ بیع اگر خیارِ شرط سے نہیں خیارِ رؤیت سے کی تو اس پر اس دوسرے کی ملکیت تو مرتب ہو جائے گی یہ صورت تمام بیع میں مانع رہے گی ــــ پھر ایک صُورت خیارِ عیب کی ہے اس صورت میں بیع تو تمام ہو جاتی ہے مگر اس صورت میں اس کا اس بیع کو ختم کر دینے کا حق باقی رہتا ہے۔ اسے مانع از دوامِ حکم کہتے ہیں۔

نوٹ ① حکم وضعی بندے کے اختیار میں ہونا ضروری نہیں بمثلاً زوالِ آفتاب بندہ کے زیرِ قدرت نہیں لیکن ابتداءِ ظہر کے لیے سبب ضرور ہے۔ بخلاف اس کے حکم تکلیفی ہو ہی ہو سکتا ہے جو بندوں کے اختیار میں ہو۔

② حکم تکلیفی کے لیے کسی حکم وضعی کا ہونا ضروری ہے۔ مگر کسی حکم وضعی کے لیے مکلف ہونا ضروری نہیں۔ جیسے بچے کی حرکات حکم تکلیفی سے تو خالی ہیں مگر حکم وضعی سے خالی نہیں۔ ان پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔

③ حکم وضعی فعل سے باہر ہوتا ہے اس کا جزء نہیں ہوتا۔ جیسے وقت ہونا نماز کا سبب ہے۔ مگر یہ خود اعمالِ نماز میں داخل نہیں۔ احکامِ وضعیہ میں صرف سبب و سبب علت

و معلول شرط و مشروط کے ربط و تعلق اور کچھ علامات کے اعتبار کا بیان ہوتا ہے اس سے کوئی امر تکلیفی قائم نہیں ہوتا۔

فقہ کی کتابوں میں تکلیف اور انسان کے مکلف ہونے اور احکام کی وضعی صورتوں کا بیان صرف دو لفظوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ۱. تکلیف ۲. وضع لیکن اس کے پیچھے اس تمام پس منظر اور مثالوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ آپ محسوس کریں گے کہ فقہ نے مسائل کے احوال و ظروف کو اس قدر رکھولا ہے کہ اب مسائل کے سمجھنے میں شاید ہی کوئی کوئی غلطی واقع ہو۔

کلام کی مختلف صُورتیں

آیئے اب ہم آپ کو کلام کی مختلف صورتوں سے کچھ آشنا کریں کلام کے اپنے درجات کیا ہیں؟ اور اس میں کن کن امور پر نظر ہونی ضروری ہے۔

۱. امر و نہی ۲. مطلق و مقید ۳. عام و خاص ۴. مشترک اور مؤول
۵. محکم و متشابہ ۶. مفسر و مجمل ۷. کلام میں مراد متکلم کی تلاش ۸. حقیقت و مجاز
۹. نص کے مختلف پیرائے ۱۰. ادا اور قضا ۱۱. لذاتہ اور لغیرہ کا فرق ۱۲. ظاہر و نادر
۱۳. صریح اور کنایہ ۱۴. منطوق و مفہوم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے ارشادات میں صحیح بات معلوم کرنے کے لیے اور اصل حکم تک پہنچنے کے لیے ان تمام مراتب کلام کو سمجھنا ازبس ضروری ہے۔ ان عنوانوں کی پُوری تفصیل تو اصولِ فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ ہم یہاں طلبہ کو صرف ان عنوانوں سے آشنا کیے دیتے ہیں۔ واللہ ولی امرہ و بیدہ ان ملة التوفیق

کلام کی چودہ اساسی صُورتیں

امر و نہی

برتری کی بنیاد پر دوسروں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کرنا امر و نہی کے تحت آتا ہے اسلام میں جس چیز کا امر ہے وہ معروف ہے اور جس چیز سے نہی کی گئی وہ منکر ہے مومنین کی شان ہے۔ یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر وہ معروف کا امر کرتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں۔

① امر عام طور پر وجوب کے لیے آتا ہے لیکن کبھی استحباب اور اباحت کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے کاتبوھم ان علمتم فیھم خیرًا (النور: آیت ۳۳) میں استحباب کے لیے اور کلوا واشربوا (اعراف آیت ۳۱) میں اباحت کے لیے ہے غیر وجوب کے معنی کے لیے قرائن کی ضرورت ہوتی ہے۔

② کبھی یہ امر کے صیغے سے ہوتا ہے اور کبھی غیر فعل امر کے صیغے سے جیسے والوالدات یرضعن اولادھن (البقرہ: آیت ۲۳۳) یرضعن مضارع ہے مگر یہاں طلب کے مفہوم میں ہے کبھی مصدر بھی بطور امر استعمال ہوتا ہے جیسے فضرب الرقاب (محمد آیت ۴) میں ضرب اضربوا کے معنی میں ہے۔

③ امر کبھی مطلق ہوتا ہے جس میں وقت کی پابندی نہ ہو۔ زکوٰۃ مال نصاب پر سال گزرنے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے لیکن اس کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت معین نہیں۔ جب امر مقید ہو تو اسے اپنے وقت پر عمل میں لایا جائے گا جیسے دن کی پانچ نمازیں۔ تراویح صرف رمضان میں ادا کی جاتی ہے ــــ مقید میں وقت اس کا سبب وجوب ہوتا ہے۔ رمضان ہو گا تو روزے فرض ہوں گے۔ اور رمضان میں تراویح ہو گی۔

④ وقت پر احکام بجا لائے جائیں تو اس کا نام ادا ہے۔ وقت گزر جانے کے بعد حکم باقی رہے اور اسے بجا لایا جائے تو یہ اس کی قضا ہے۔ نہی کبھی نفی کی صورت میں بھی ہوتی ہے جیسے

حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم (النساء، آیت ۲۳) اور کبھی نفی اور انکار سے بھی حکم دیا جاتا ہے جیسے لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (النساء آیت ۱۹)

اسلام میں جس چیز سے روکا گیا تو وہ منہی عنہ ایک قبیح چیز ہوگی لیکن یہ قباحت کبھی لذاتہ ہوتی ہے اور کبھی لغیرہ شراب پینا قبیح لذاتہ ہے اور اذان جمعہ سے لے کر اختتام جمعہ تک خرید وفروخت کرنا وذروا البیع (جمعہ، آیت ۹) کے خلاف ہے اور یہ کاروبار حرام لغیرہ ہوگا یہ قبیح لغیرہ ہے قباحت اسکی ذات میں نہیں ایک خارجی سبب سے وجود میں آئی ہے۔

مطلق اور مقید

مطلق وہ خاص ہے جو اپنے حقیقی معنی پر بغیر کسی قید کے دلالت کرے مثلاً انسان طائر امرأۃ ان سے ان کے حقیقی معنی بدوں کسی قید کے مراد ہوتے ہیں۔ مقید سے مراد کچھ ایسی صورتیں ہیں جن کے باعث مطلق اپنے حال پر باقی نہ رہے۔ صفت شرط زمان مکان عدد اور حال کی اس میں قید آجائے۔ سو مقید وہ خاص ہے جو اپنے افراد میں سے کسی پر کسی قید کے ساتھ دلالت کرے۔ مطلق کو اس کے اطلاق پر رکھنا اور مقید پر قید کی رعایت سے حکم لگانا ضروری ہے۔ قسم اور قتل دونوں کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ قسم کے کفارے کے لیے محض غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قتل کے کفارے میں غلام کے ساتھ مومن کی قید لگی ہے۔ قسم کے کفارے میں کسی بھی غلام کو آزاد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن قتل کے کفارے میں مطلق غلام نہیں غلام بقید ایمان مطلوب ہے اس کفارہ میں اسے آزاد کیا جائے گا۔ یہ مقید کا بیان ہوا۔

مطلق اور مقید کی دونوں صورتیں

بعض نصوص مختلف مواقع میں مذکور ہیں کسی جگہ مطلق اور کسی جگہ مقید مثلاً فرمایا۔ یغفر ما دون ذٰلك اللہ تعالیٰ شرک کے سوا سب گناہ بخش دیں گے پھر دوسری جگہ اس میں قید ذکر فرمائی۔ یغفر ما دون ذٰلك

لمن یشاء. اب آیت جہاں جہاں مطلق ہے اسے مقید پر محمول کیا جائے گا. قرآن کریم میں خون کو
مطلقًا حرام فرمایا. حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر (المائدہ) اور دوسری جگہ سورۃ
الانعام میں مسفوح کی قید لگادی یعنی بہتا ہوا خون. سو یہاں بھی مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا.

اسباب ساتھ مذکور ہوں تو پھر مطلق کو مقید پر محمول نہ کیا جائے گا بعض روایات کی رُو
سے صدقۃ الفطر دوسروں کی طرف سے دینا کفالت اور پرورش کی بنیاد پہ ہے. اس صورت
میں کافر غلام کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر دیا جائے گا. گو بعض دوسری روایات میں غلام کے ساتھ
مسلمان ہونے کی قید بھی لگی ہے. یہاں مطلق کو مقید نہ کریں گے اور غلام خواہ مسلمان ہو یا کافر
دونوں کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کیا جائے گا. یہ قید اتفاقی سمجھی جائے گی.

عام و خاص

عام کا بیان

لفظ جن معنی کے لیے بنا ہے اس ایک معنی کے ساتھ وہ لاتعداد افراد کے لیے استعمال ہو تو اسے عام کہیں گے۔ کئی لوگ عام اور مطلق میں فرق نہیں کر پاتے۔ مطلق کا اطلاق اپنے افراد میں سے کسی ایک غیر معین پر ہو گا جیسے تحریر رقبہ (کوئی ایک گردن آزاد کرنا) رقبہ گو غیر معین ہے مگر اس سے مراد ایک فرد واحد ہے۔ عام اپنی وضع میں ابتداء سے ہی غیر محصور افراد پر وارد ہوتا ہے۔

پھر عام کی دو قسمیں ہیں:۔

۱. عام محمول بر عموم ۲. عام مطلق

قرآن پاک کی آیت وجعلنا من الماء كل شئ حي (الانبیاء) میں ایک عام ضابطے کا بیان ہے اور یہ مقام ہر تخصیص سے مانع ہے۔ یہ عام قطعی طور پر اپنے عموم پر محمول ہو گا۔

قرآن پاک کی آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن یہ عموم پر اس لیے محمول ہے کہ اس کے لیے تخصیص کی کوئی دلیل نہیں پائی گئی اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں سے جو کچھ ہو سکے نماز میں پڑھ لیا کرو (یہاں کوئی تخصیص نہیں کی گئی) نماز ہو جائے گی

پھر ایسے عام بھی ہیں جو کسی قرینہ کی وجہ سے خاص ہو گئے اور ایسے بھی ہیں جنہیں کسی دلیل نے خاص کر دیا۔ قرآن کریم میں ہے وللہ علی الناس حج البیت (آل عمران) کہ تمام لوگوں پر حج فرض ہے مگر ظاہر ہے کہ بچے غلام اور دیوانے ان لوگوں میں نہیں سو لفظ الناس عام ہونے کے باوجود (قرینہ عقلیہ سے) محمول پر خصوص ہو گا حج اسی پر فرض ہے جو مکلف ہو۔

اسی طرح قرآن کریم میں ان رشتوں کے بعد جو حرام ٹھہرائے گئے۔ فرمایا:۔

واحل لکم ما وراء ذلکم (پ۵، النساء)

ترجمہ۔ اور ان کے علاوہ جو رشتے بھی ہیں وہ تمہارے لیے حلال کیے گئے۔

اس آیت میں لفظ ما (جو بھی ہو) عام ہے۔ مگر یہ بھی خصوص پر محمول ہوگا۔ کیوں کہ ان عورتوں کے سوا اور بھی کچھ عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنا ناجائز رکھا گیا۔ جیسے غیر کتابی کافرہ سے مسلمان کا نکاح یا مرتد سے نکاح۔

خاص کا بیان

① عام کو اس کے بعض افراد میں منحصر کرنا تخصیص کہلاتا ہے۔ یہ تخصیص کسی قرینۂ عقلیہ سے ہو تو اس کا حکم قطعی ہی رہے گا۔ اور اگر اسے کسی مستقل دلیل کی بنا پر خاص کیا جائے تو اس کا حکم قطعی نہیں ظنی درجے میں ہوگا۔

② تخصیص کا عمل اس وقت تک جاری رہ سکتا ہے جب کہ عام کے تحت افراد باقی ہوں۔ اگر اس عام کا کوئی فرد باقی نہ رہے سب خصوص میں آجائیں تو وہ عام مخصوص نہیں، متروک کہلائے گا۔ اب وہ عام کسی درجے میں نہیں رہا۔

③ اگر کسی عام میں بالاتفاق کوئی تخصیص ہو جائے جیسے مسافر پر بالاتفاق جمعہ فرض نہیں تو اب اس عام سے اور تخصیصات کے لیے تخصیص کی عام شرطیں عام نہ ہوں گی خبر واحد سے بھی یہ دوسری تخصیص ہو سکے گی۔

④ بعض عام قطعی ہوتے ہیں اور بعض ظنی (جس عام میں کوئی تخصیص ہو چکی ہو)، عام قطعی کی تخصیص کے لیے مخصص کا بھی قطعی ہونا ضروری ہے۔ کسی خبر واحد سے قرآن کریم کے عام قطعی کی تخصیص نہیں ہو سکتی۔ عام مخصوص منہ البعض کی ہو سکتی ہے۔

تخصیص اور تقیید میں فرق

تخصیص عام میں ہوتی ہے (اس لفظ میں جو ایک معنی کے ساتھ کئی افراد پر بولا جائے)

اور تقیید مطلق کی ہوتی ہے (جو اپنے افراد میں سے کسی ایک معین فرد پر بولا جائے) تخصیص سے مفہوم میں تصرف ہوتا ہے اور تقیید سے اس کے لغوی مفہوم میں کسی قید کا اضافہ کیا جاتا ہے الرجل کا ایک لغوی مفہوم ہے جب آپ نے کہا الرجل الفقیہ تو اس مفہوم میں ایک اضافہ ہوا ہے اس میں تصرف نہیں ہوا۔ سو تقیید آئندہ کے کلام سے ہوگی۔ مگر تخصیص بغیر کلام قرائن سے بھی ہو سکتی ہے

مخصصات

جن امور سے حسب موقع تخصیص کی جا سکتی ہے وہ یہ ہیں:-

1. قرآن و حدیث کی دوسری نصوص سے۔
2. حدیثِ متواتر جو علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے
3. اجماع متواتر
4. حدیث مشہور
5. اجماع مشہور
6. عقل اور قیاس (حس اور عرف بھی ان میں داخل ہیں)

ان میں سے کس عام میں کس مخصص سے تخصیص ہو سکے گی۔ اس کے لیے اصولِ فقہ کی کتابوں کی مراجعت کی جائے۔ ہر خواندہ و ناخواندہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی رائے سے عمومات کی تخصیص کرنے لگے۔ اس کے لیے مجتہدانہ علم کی ضرورت ہے غیر مجتہد ان کے پیچھے نہ لگیں

مشترک اور مأوّل

مشترک اور عام فرق

(۱) عام کا معنی (جس کے لیے وہ لفظ بنا) ایک ہوتا ہے گو وہ اس معنی کی رُو سے ہزاروں افراد پر بولا جائے. لیکن مشترک وہ لفظ ہے جو ایک سے زائد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو. مشترک کئی معانی پر دلالت کرتا ہے.

(۲) عام سے اس کے تمام افراد بیک وقت مراد لیے جا سکتے ہیں. لیکن مشترک سے اس کا کوئی ایک ہی معنی مراد لیا جا سکتا ہے. بیک وقت اس کے تمام معانی مراد نہیں لیے جا سکتے.

مأوّل

وہ لفظ مشترک جو اپنے معنی موضوع لہ کے اعتبار سے کئی معنوں پر مشتمل تھا. اس کے کسی ایک معنی کو قرائن کی رُو سے کسی دوسرے معنی پر راجح کر دیا جائے.

مثلاً لفظ قرء دو معنوں میں مشترک تھا (۱ حیض اور ۲. طہر) جب اس کو حنفیہ نے ایک معنی میں متعین کر دیا اور اس کے ان کے پاس قرائن تھے تو اب یہ لفظ مأوّل قرار پائے گا کہ اس کی مراد واضح کی جا چکی ہے. یہ تعیین اگر قطعیت کے ساتھ کی جائے تو اسے مفسر کہیں گے. اگر گمان غالب سے کی گئی ہے تو وہ مأوّل ہی کہلائے گا.

ظہور و خفاء کے پہلو سے لفظ کی مختلف قسمیں

(۱) ظاہر

جس کو سُننے والا سنتے ہی بغیر کسی غور و فکر کے اس کے معنی سمجھ لے جیسے قرآن کریم

کا بیان ہے :۔

واحلّ اللہ البیع وحرّم الربٰو (پ۳ : البقرہ آیت ۲۷۵)

ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ اس میں بیع کی حلت اور سود کی حرمت کا بیان ہے۔

۲ نص

صریح عبارتِ کلام جس میں بات معرضِ خفا میں نہ رہے۔ نص کی عبارت از خود واضح ہوتی ہے۔ اس کی دلالت اور کس کس مضمون پر ہے اور اس پر غور کرنا پڑتا ہے۔

۳ مفسّر

بات اس قدر واضح ہو کہ تاویل و تخصیص کا کوئی احتمال راہ نہ پائے۔ جیسے :۔

قاتلوا المشرکین کافّۃ۔

کافّۃ کی قید کی وجہ سے کسی تخصیص کا احتمال نہ رہا۔

اقیموا الصّلٰوۃ واتوا الزکٰوۃ

حضور اکرمؐ کی تشریح اور آپ کے عمل کی وجہ سے مفسر ہے اور نماز سے ہی متوارث نماز مراد ہے

۴ محکم

وہ بات جو نہایت پختہ ہو اور اس میں کسی تاویل و تخصیص کا احتمال نہ رہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں :۔

۱۔ محکم لذاتہ ۲۔ محکم لغیرہ

خفا کے پہلو سے لفظ کی مختلف قسمیں

۱ خفی ــــ یہ ظاہر کا مقابل ہے۔

سارق کا مفہوم ظاہر تھا۔ جیب کترے پر یا کفن چور پر یہ لفظ صادق آتا ہے۔ یہ بات درجہ خفی میں ہے کہ کفن کا چونکہ کوئی محافظ نہیں۔ اس لیے کفن چور سارق کی حد میں نہ آئے گا۔

بخلاف جیب کترے کے کہ وہ مال کو اس کے مالک سے نکالتا ہے۔

(۲) **مشکل** — یہ نص کا مقابل ہے۔

لفظ مشترک ہے معنی مراد کیا ہے اس میں اشکال ہے پھر مجازی معنی کی اصل سے زیادہ شہرت ہے تو یہ بھی ایک وجہ اشکال رہے گی یا کوئی اور دوسری نص اس کے مقابل نظر آتی ہے۔

(۳) **مجمل** — یہ مفسر کا مقابل ہے۔

۱. غرابت (لفظ غیر معروف ہو)

۲. صرفی اعتبار سے اشتباہ جیسے لفظ مختار (فاعل اور مفعول دونوں صورتیں رکھتا ہے۔

۳. اشتراک (کسی ایک معنی کا تعین مشکل ہو) یا ضمیر کا مرجع آسانی سے طے نہ ہو سکے۔

(۴) **متشابہہ** — یہ محکم کا مقابل ہے

نہ متکلم نے مراد واضح کی ہو اور نہ کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے مراد واضح کی جا سکے الفاظ جو اور مرادات کے حامل ہیں اس سے ملتے جلتے ہوں متشابہہ لگتا ہو۔

(**نوٹ**) ظہور و خفا کے لحاظ سے ان اقسام کے الفاظ قرآن کریم میں بھی ہیں اور احادیث میں بھی ملتے ہیں اپنے ظہور و خفا کے اعتبار سے پھر ان کے اپنے اپنے احکام ہیں۔

معنی مراد معلوم کرنے میں مشکلات کی مثالیں

(۱) قرآن کریم کی آیت نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انّٰی شئتم۔ (البقرہ، آیت ۲۲۳) میں لفظ انٰی مشترک ہے کیف، متٰی اور این کے معنی میں شیعوں نے اسے این کے معنی میں لیا ہے۔

(۲) جنّت کے برتنوں کے بارے میں فرمایا اس کے شیشے چاندی کے ہوں گے عربی میں قارورہ شیشے کا ہوتا ہے چاندی کا نہیں یہ استعارہ بہت گہرا ہے۔

(۳) آیتِ وضو میں فرمایا وامسحوا برؤسکم اپنے سروں کا مسح کرو مگر سر کی مقدار بیان

نہیں کی جس پر مسح کرنا ضروری ہے یہ آیت مجمل شمار ہوگی اور اسے حدیث کی روشنی میں مفصل سمجھا جائے گا۔

(۲) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے۔ بل یداہ مبسوطتان (المائدہ) اس کے (اللہ تعالیٰ کے) دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ ید (ہاتھ) کے معنی لغت میں واضح ہیں لیکن کلام خداوندی میں لیس کمثلہ شیء (پ شوریٰ آیت ۱۱) سے ان معنی کا انکار کر دیا گیا ہے۔ اب اس کے معنی مراد کیا ہیں قرآن کریم میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی اور حضورؐ نے بھی ان کی تعیین و وضاحت نہیں کی۔ اب ہمارے لیے لغت کے سہارے ان کی تفصیل جائز نہ ہوگی یہ متقدمین کا مذہب ہے بعض متاخرین نے غیر قوموں کے اعتراضات اُٹھانے کے لیے اسلام کے اصولی عقائد کی رعایت کے ساتھ ان کی کچھ تفصیل کی ہے لیکن وہ بھی اپنی اس رائے کو حتمی نہیں کہتے غیر قوموں کو مطمئن کرنے کی ایک وقتی مصلحت کہتے ہیں۔ اس کے اصل معنی مراد اللہ ہی جانتا ہے۔

حق یہ ہے کہ مرادات قرآن کو واضح کرنے کے لیے لغت و ادب اصل نہیں۔ ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اصل ہے۔ جب آپ نے اور صحابہ نے ان کی تفصیل نہیں فرمائی تو اب ان کی تفصیل کرنا ایک بدعت کی راہ ہوگی۔ محدثین کا مذہب یہی ہے۔

وھو الحق عندے۔

حقیقت و مجاز کے تین مختلف تخاطب

یہ الفاظ کا پیرایہ بیان ہے۔ اگر ان کا حقیقت یا مجاز ہونا بالکل واضح ہو تو انہیں صریح حقیقت اور صریح مجاز کہا جائے گا بصورت دیگر اسے پیرایۂ کنایہ کہیں گے۔ اس اعتبار سے الفاظ کی چار قسمیں ہوئیں حقیقت اور مجاز کی اس معرکہ آرائی میں تخاطب ساتھ ملحوظ ہوگا۔ کہ الفاظ ابتدائی سطح میں وضع لغوی میں ہیں یا وضع شرعی میں یا وضع عرفی میں۔ پھر جو بھی تخاطب ہوگا اس پہلو سے حقیقت اور مجاز اپنی ان چار صورتوں میں چلیں گے۔

اسلام میں نماز کی حقیقت وہ عمل ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچا اور پوری امت نماز سے وہی مراد لیتی ہے۔ یہ نماز کی حقیقت ہے تخاطب شرعی میں ــــ گو لغوی تخاطب میں صلوٰۃ کے معنی کولہے مٹکانا کے ہوں حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے تو وہ اس دوران نماز میں ہی سمجھا جائے گا۔ مگر نماز کا یہ معنی تخاطب شرعی میں حقیقت نہیں مجاز شرعی قرار دیا جائے گا۔

اس مختصر بیان میں ہم صرف یہ بتلا رہے ہیں کہ اصولِ فقہ میں حقیقت و مجاز کے ان تمام پیرایوں کو ملحوظ رکھا جائے گا اور انہی کے مناسب ان پر احکام مرتب ہوں گے۔

نص کے مختلف پیرائے

فقہ کی اصل کتاب و سنّت ہیں قرآن کریم میں یا احادیث میں جو احکام وارد ہوئے ہیں وہ صریح عبارت میں ہوں تو اسے عبارت النص کہیں گے اور اگر ان میں علّت کے اشتراک سے کوئی اور مسئلہ بھی کھلے تو اس پر اس نص کی راہنمائی دلالۃ النص کہلائے گی۔ قرآن کریم میں ہے شہداء زندہ ہیں یہ عبارۃ النص ہے مگر اس آیت سے حیاتِ انبیاء کا استدلال دلالۃ النص کے طور پر ہوگا۔ کہ انبیاء کا درجہ شہداء سے بہت آگے کا ہے۔

اشارۃ النص

کسی کلام کے وہ معنی جو ذرا سے غور و فکر سے ذہن میں آجائیں مگر کلام اس کے لیے صادر نہ ہوا ہو اُسے اشارۃ النص کہتے ہیں۔

مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ جس کا بچہ ہے اس بچے کو دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا نان ونفقہ اس بچہ والے کے ذمہ ہے۔ یہ بات اس طرح عبارۃ النص میں ہے۔

. وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن (پ البقرہ: آیت ۲۳۳)

مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بچے کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور اسی سے اس کا نسب چلتا ہے یہ مسئلہ اس آیت میں اشارۃ النص کے طور پر پایا جاتا ہے تاہم یہ کلام اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس میں یہ بات بتلانی مقصود تھی، یہ بطور اشارہ معلوم ہو گئی۔

اقتضاء النص

عبارت سے باہر وہ معنی و مفہوم جس کا اعتبار اس کلام کی صحت کے لیے ضروری ہو عبارت اپنے اصل الفاظ سے زائد کسی ایسی بات کا تقاضا کرے جس کے بغیر کلام درست نہ ٹھہرے۔

قرآن کریم میں مختلف تقاضوں پر گردن آزاد کرنے تحریر رقبہ کا بیان ہے

اب ظاہر ہے کہ اس سے کسی غلام کو آزاد کرنا مقصود ہے آزاد شخص کی رہائی مراد نہیں۔ قرآن پاک میں یہ اس کا غلام ہونا مذکور نہیں لیکن کلام کی صحت کا تقاضا ہے کہ غلام کی گردن آزاد کی جائے ــــ پھر یہ مراد بھی نہیں کہ کوئی غلام ہو بلکہ اپنا غلام مراد ہے۔ یہ نہیں کہ کسی کے غلام کو پکڑ کر آزاد کر دے۔ سو مراد آیت یوں واضح ہو گئی۔ تحریر رقبة مملوكة یہ خارج لفظ اس نص کا تقاضا تھا جسے ہم نے واضح کر دیا ہے اسے اقتضاء النص کہتے ہیں۔

دلالۃ النص اور قیاس میں فرق

دونوں میں قدر مشترک ایک ہے۔ اسی کی بنا پر ایک حکم لگتا ہے یہ وہ علت ہے جو دونوں میں مشترک ہے لیکن دلالۃ النص کی بنیاد عبارت ہے اور قیاس کی بنیاد اجتہاد و استنباط ــــ دلالۃ النص کو انسان عبارت سے پہنچ جاتا ہے مگر قیاس ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے مجتہد کا اجتہاد چاہیے دلالۃ النص سے جو بات سمجھ میں آئے اس میں عام قطعیت ہوتی ہے اور اجتہاد کی راہ سے جو بات ملے اس میں ظنیت رہے گی اور صواب و خطا دونوں کا احتمال رہے گا۔ دلالۃ النص کا مصداق عبارت کا مفہوم موافق ہوتا ہے۔

عبارۃ النص اور اشارۃ النص کا فرق

دونوں کا تعلق الفاظ سے ہے عبارۃ النص مقصود کلام ہے جس کی خاطر بات کی گئی اور اشارۃ النص مقصود کلام نہیں ہوتا اس کی طرف ذہن کو متوجہ کریں تو بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ اشارہ اسی عبارت سے ہمیں ملا ہے۔

دلالۃ النص اور اقتضاء النص میں فرق

دونوں کا تعلق عبارت کے لازم معنی سے ہے مگر اقتضاء کا مصداق عبارت مدلول نہیں ہوتا عبارت کے صحت و صدق کے لیے اس مدلول کو عبارت کے منطوق کے ساتھ لازم کیا جاتا ہے۔ کلام کی صحت کے لیے اقتضاء کی نوبت آتی ہے جیسے ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان کا دور ہونا مراد نہیں اس کے گناہ اور یاد کا دور ہونا مراد ہے کہ میری امت سے جو اور بطور خطا اور نسیان صادر ہوں ان پر مواخذہ ہوگا اسے اللہ نے اٹھا دیا ہے خطاء و نسیان کا اقتضاء وزر الخطاء والنسیان ہے قرآن کریم کی آیت واسئل القریۃ میں بستی سے پوچھنا مراد نہیں اقتضاء اہل القریۃ ہے۔ سوال لوگوں سے ہو سکتا ہے زمین سے نہیں

نوٹ: عبارۃ النص کا مدلول قطعی ہوتا ہے۔ دلالۃ النص اور اشارۃ النص کا مدلول کبھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتا ہے اور اقتضاء النص تعین کے بعد قطعی ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں حرّمت علیکم امھاتکم و بناتکم و اخواتکم سے لے کر دور تک رشتے حرام کیے گئے ہیں حرمت عبارۃ النص اور رضاعی رشتوں سے جو خالہ بنی یا بھانجی اور بھتیجی بنی اس کی حرمت اشارۃ النص سے ثابت ہوئی۔ دادیوں اور نانیوں کی حرمت علّت کے اشتراک کے باعث دلالۃ النص سے ثابت ہوئی اور حرّمت علیکم میں ان سے ملنا حرام نہیں کیا گیا۔ ان سے نکاح کرنا حرام کیا گیا ہے یعنی ان سے تزوج حرام ہے یہ اقتضاء النص ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں عبارۃ النص اشارۃ النص دلالۃ النص اقتضاء النص چاروں پیرائے

ظاہر کیں۔

حقیقت اور مجاز

الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت جب لغت کے اعتبار سے ہو تو یہ حقیقت ہے اور جب کسی مناسب
سے لفظ ان معنوں میں لایا جائے جن کے لیے وہ بنا نہیں تو یہ مجاز ہو گا۔ ہر زبان میں حقیقت و مجاز کی
یہ معرکہ آرائی قائم ہے اور علم معانی اور بیان میں الفاظ کی انہی قدروں سے بحث ہوتی ہے۔ فقہ میں
الفاظ سے احکام ثابت کیے جاتے ہیں اس لیے فقہ میں حقیقت اور مجاز دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔
تاکہ واقعات اور بیانات پر صحیح احکام مرتب ہو سکیں۔

حقیقت اور مجاز کے استعمال کا لحاظ

جب تک کسی لفظ کا حقیقی معنی لینا موقع استعمال کے پیش نظر متعذر نہ ہو اسی کے مجازی معنی
مراد نہ لیے جائیں گے ہر لفظ میں اصل حقیقت مجاز موقع کی مناسبت سے بعد میں بنتا ہے اور اگر کوئی اپنی
بیوی کو کہے جا میں نے تجھے آزاد کیا تو یہاں حقیقی معنی مراد نہ ہوں گے۔ کیونکہ آزاد غلاموں اور باندیوں
کو کیا جاتا ہے اور بیوی حرہ تھی باندی نہ تھی پھر آگے دو معنوں کا احتمال ہے کہ اس کی مراد سے کام کاج
سے آزاد کرنا ہے یا مراد طلاق تھی — اس کی نیت پر فیصلہ ہو گا۔

حقیقت اور مجاز دونوں کا جمع کرنا

کسی ایک لفظ کو اس کے ایک موقع استعمال پر دونوں معنوں میں نہیں لے سکتے یا حقیقی معنی مراد
ہوں گے یا مجازی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ شیر سے جنگل کا شیر بھی مراد لے رہے ہوں اور اس کا معنی بھی بہادر
بھی کیا جا رہا ہے۔ ہاں عموم مجاز میں کبھی حقیقت کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے ایک شخص کہتا ہے میں فلاں
شخص کے گھر پاؤں رکھنے کا نہیں۔

① پاؤں بغیر جوتے کے رکھنا اس کے حقیقی معنی ہیں۔

② اور جوتے کے ذریعہ یا کسی سواری کے ذریعہ رکھا جائے یہ اس کی مجازی معنی ہیں عموم مجاز میں حقیقی معنی کو بھی ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔

مجاز مرسل کی مختلف صُورتیں

① سبب کا اطلاق مسبب پر اور مسبب کا سبب پر
② کل کا بعض پر اور بعض کا کُل پر۔
③ عام کا خاص پر اور خاص کا عام پر۔
④ مطلق کا مقید پر اور مقید کا مطلق پر
⑤ حال کا محل پر اور محل کا حال پر
⑥ مضاف کا مضاف الیہ پر اور مضاف الیہ کا مضاف پر۔
⑦ لازم ملزوم کے معنی میں اور ملزوم لازم کے معنی میں۔

اسی طرح مجاز مرسل کی کچھ اور صورتیں بھی ہیں۔

صریح اور کنایہ

لفظ کے سننے سے بات سمجھ میں آجائے یہ صریح بات ہے اور کنایہ میں بات اشارۃً کہی جاتی ہے لفظ کُنیت کنایہ سے ہے۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو انت طالق کہہ کر طلاق دے دی یہ صریح طلاق ہے اور اسے کہا کہ تو عدت شمار کر یہ کنایہ میں طلاق دینا ہے۔ یہ لفظ لغت میں طلاق کے لیے نہیں بنا، اس لیے یہاں اس کا استعمال کنایہ بھی ہے اور مجاز بھی، طلاق کا کنایہ تخاطب شرعی میں ہے اور مجاز تخاطب لغوی میں ہے۔

منطوق اور مفہوم

منطوق

لفظ کے وہ معنی جن کے لیے وہ لفظ بنا اس کے مقابل لفظ مسکوت عنہ ہے (یعنی اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی گئی) اور جو بات منطوق میں عبارۃً نہیں کہی گئی مگر اس سے صاف سمجھ آ رہی ہے وہ منطوق ہے۔

منطوق کی اپنے معنی مراد پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے کبھی غیر صریح — اسے عبارۃ النص بھی کہتے ہیں اور کبھی یہ دلالت غیر صریح ہوتی ہے اسے اقتضاء النص بھی کہہ دیتے ہیں — غیر صریح اگر مقصود نہ ہو تو احناف کے ہاں وہ اشارۃ النص ہے۔

مفہوم موافق

لفظ کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جسے منطوق شامل ہو احناف اسے دلالۃ النص بھی کہتے ہیں۔ اسے مفہوم الخطاب بھی کہتے ہیں

مفہوم مخالف

منطوق کا جو حکم ہے اس میں کوئی ایسی قید نہیں پائی گئی جس کے باعث اس حکم کا خلاف اس کے مسکوت عنہا کے حق میں نہ دیا جا سکے اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں

بات کے جس پہلو کا ذکر منطوق میں نہیں ہے اس کے لیے منطوق کے حکم کی ضد ثابت کرنا یہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا ہے۔ مفہوم مخالف کا مدار کلام میں ذکر کردہ قیود کے نہ پائے جانے پر ہے۔

مثالیں

(۱) حدیث میں انما الطّاعة فی المعروف اس کا مفہوم یہ ہے کہ امیر کی اطاعت معروف کا موں

میں ہی ہے۔ اس میں مفہوم مخالف یہ ہے کہ منکر (معروف کی ضد) کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں اس صورت میں مفہوم مخالف کا اعتبار بالاتفاق درست ہے۔

(۲) قرآن کریم میں ہے :۔

تم میں سے جو طاقت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو تمہاری مومن باندیوں سے جو تمہاری ملک میں ہیں نکاح کرلیوے۔ (پ النساء)

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو شخص آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو اسے مومن باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ مسئلہ یوں نہیں ہے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار نہ کیا جائے گا

(۳) ایک گری عمارت میں داخل ہوکے ایک شخص نے آواز دی۔ القارورۃ مکسورۃ (شیشہ ٹوٹا ہوا ہے) اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دروازہ ٹوٹا ہوا نہیں ہے یہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا ہے (جوکہ بالاتفاق جائز نہیں)

(۴) حدیث میں ہے لا یبولن

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا اور پھر اس سے غسل کرنا ایسا نہ کرے اس کا مفہوم مخالف وصف سے یوں لیا جائے گا کہ جس ٹھہرے پانی میں پیشاب نہیں کیا اس سے ضرور غسل کرے۔

(۵) تین طلاق ہوئی عورت جب تک کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے اور اسے طلاق نہ ملے اس کا پہلے مرد سے نکاح حلال نہیں۔ اب جب وہ دوسرا مرد طلاق دے دے تو وہ پہلی حرمت جاتی رہی۔ اب وہ دوسرا نکاح کرے یا نہ کرے وہ حرمت جاتی رہی۔

یہ مفہوم مخالف کی مختلف قسمیں ہیں، پہلی مثال مفہوم حصر کی ہے۔ دوسری مفہوم شرط کی تیسری مفہوم لقب کی۔ چوتھی مفہوم وصف کی ہیں اور پانچویں مثال مفہوم غایت کی ہے۔

اجماع

اسلام میں اجماع کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے اس امت (حضرت خاتم النبیین کی امت) کو مجموعی طور پر برباد ہونے اور باطل پر جمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔ اس امت کا کسی چیز پر متفق ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بات صحیح ہے اسلام میں امت محمدیہ کا اجماع معصوم تسلیم کیا گیا ہے۔ اس امت کا پہلا طبقہ صحابہ کرامؓ تھے یہ سب حضورؐ سے تزکیۂ قلب کی دولت پائے ہوئے تھے اس لیے ان کا کسی بات پر متفق ہو جانا (جیسے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت اور خلافت پر جمع ہو گئے یا مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں انکار ختم نبوت کے کفر ہونے اور لائق جہاد ہونے پر یہ جمع ہو گئے تھے) اس کے حق ہونے کا نشان ہے۔

صحابہؓ کے بعد امت میں ہر طرح کے اچھے بُرے لوگ پائے گئے (گو تابعین کے دور میں بُرے بہت کم لوگ ہوں گے) اس لیے اب ان ادوار میں ہر کہ ومہ کی رائے کا اعتبار نہ ہوگا اب اجماع کی اصطلاحی تعریف یہ کی جائے گی۔

کسی زمانے کے تمام معتمد علمائے مجتہدین کا کسی امر پر متفق ہونا۔

یہ امت کسی ایک دور میں بھی باطل پر جمع نہیں ہو سکتی اس لیے علمائے مجتہدین کسی ایک دور میں بھی کسی بات پر جمع ہو جائیں تو اجماع امت منعقد ہو جاتا ہے جسے بعد کا کوئی اختلاف (گو کسی بُرے سے بڑے آدمی کا ہو) نہیں توڑ سکتا۔

جیسے ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں پر تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے کہ یہ تینوں ہی واقع ہوتی ہیں اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں اس پر کسی مجتہد کا اختلاف نہیں ملتا سو بعد میں حافظ ابن تیمیہؒ کا اس سے اختلاف اس پہلے اجماع کو نہ توڑ سکے گا۔ اس لیے اب تک اجماع امت وہی شمار ہوتا ہے۔

اجماع کے لیے ضروری نہیں کہ سب اہل علم کسی ایک مجلس میں شریک ہوں یا اس میں تمام بلاد کی نمائندگی ہو یا ایک ہی دن میں سب اہل علم نے اس پر اتفاق کیا ہو۔ اگر کسی جگہ عامہ اہل علم کسی بات پر متفق ہو جائیں اور وہ بات جوں جوں دیگر اہل علم تک پہنچے سب اس پر متفق ہوتے جائیں یہاں تک کہ تمام بلادِ اسلامیہ اسے امت کا فیصلہ تسلیم کرلیں اور پھر یہی نہیں کہ اس پر کوئی مختصر لمحہ اوقات گزرے سالوں تک اس پر کوئی نقد نہ ہو پھر صد ہا سال مسلمانوں کا یہی موقف سمجھا جائے تو تسلیم کرنے سے چارہ نہ رہے گا کہ یہ اجماع امت ہے اور امت کے معتمد علماء تے مجتہدین سب اسی رائے پر جمع ہیں۔

مجتہدین کی انفرادی آراء میں خطا کا احتمال رہتا ہے لیکن مجتہدین کے اجماع میں احتمال خطا نہیں ہوتا۔ کی وجہ سے اس رائے میں اللہ تعالیٰ کی رضا سامنے آجاتی ہے اب یہ جو فیصلہ ہے اس سے اللہ راضی ہے۔

سبیل المومنین کا خلاف جہنم کی راہ ہے

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن له الهدیٰ ویتّبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّی ونصله جهنّم وساءت مصیرًا۔ (پ النساء)

ترجمہ: جو شخص اس رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ ہدایت کی راہ اس کے سامنے کھل گئی تھی اور وہ چلا سبیل مومنین کے خلاف تو ہم اسے ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ خود پھرا اور اسے جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

امام طحاوی ایک مقام پر اجماع کی قوت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

فدل اجماعهم علیٰ نسخ ما قد تقدمه من قول رسول الله صلی الله علیه وسلم لان الله عزّ وجل لم یکن لیجمعهم علیٰ ضلال[1]

---

[1] طحاوی شریف جلد ا ص ۲۱

ترجمہ پس ان کا اجماع اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس سے پہلے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گزری ہے وہ منسوخ ہوگئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں (امت کو) گمراہی پر جمع نہیں ہونے دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امت کے خیر اور حق پر ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ محدثین نے ان کے تواتر کا دعوے کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:-

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں سبیل المومنین سے مراد اجماع ہے۔

مولانا عبدالحلیم لکھنوی نورالانوار کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:-

وفائدہ الاجماع بعد وجود السند سقط البحث وصیرورۃ الحکم قطعیا[1]

ترجمہ جب کوئی بات سند سے پائی گئی اور اس پر اجماع ہوگیا تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آئندہ اس پر بحث نہ ہو سکے گی اور وہ حکم (جو اجماع سے پہلے قطعی نہ تھا) اب قطعی ہو جائے گا۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ ائمہ اربعہ اور ان کے پائے کے دوسرے علماء (جیسے حضرت سفیان ثوری امام اوزاعی وغیرہ) کے اتفاق کے باعث اب یہ ایک قطعی مسئلہ شمار ہوگا اور اس اجماع کے بعد کا کسی عالم کا کوئی اختلاف اس اجماع کو توڑ نہ سکے گا طلاق ثلثہ کے بارے میں ساتویں صدی کے ایک شافعی المذہب محدث کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] نورالانوار صہ۲۲۲ سلہ

اجماع کی مختلف قسمیں

① صریح

سب اہل علم مل کر کسی قول یا فعل کو اختیار کریں۔

② سکوتی

کچھ اہل علم کسی بات کو اختیار کریں اور دوسرے اہل علم اس پر کسی قسم کا انکار نہ کریں۔

اس سکوت کے حجت ہونے کے لیے کچھ شرطیں ہیں:۔

① سکوت کرنے والوں سے موافقت یا مخالفت کسی چیز کا صدور نہ ہو۔

② جب انہیں پہلے طبقہ کی فیصلہ کی اطلاع ملے انہیں اس پر غور کرنے کے لیے مناسب وقت ملے

③ مسئلہ زیر غور وہ ہو جس میں کتاب و سنت کی صراحت نہ ہو اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔

④ اسے سکوت سے تسلیم کرنے والے علماء مجتہدین ہوں۔

تاریخی لحاظ سے اجماع کے دو درجے ہیں:۔

① اجماع صحابہؓ ② اجماع علماء مابعد

اگر کسی مسئلے میں صحابہؓ کا اختلاف ہو (جیسے مسئلہ وتر میں اکثر صحابہؓ ایک طرف اور حضرت امیر معاویہؓ دوسری طرف) اور بعد از دور صحابہؓ تمام مجتہدوں کا اس میں کسی بات پر اجماع ہو جائے تو پہلا اختلاف اس اجماع کو نہ توڑ سکے گا۔

نوٹ: دین کے وہ مسائل یا عقائد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے تواتر کے ساتھ منقول ہوں اور ادوار مابعد میں ان میں اہل علم کا کسی قسم کا اختلاف نہ ہو تو یہ متواترات دین اجماع سے زیادہ قوت رکھتے ہیں۔

① اجماع ان مسائل میں ہوتا ہے جو مجتہد فیہ ہوں ان میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور متواتر وہ امور بھی ہو سکتے ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہوں — ختم نبوت اور نزول مسیح کا عقیدہ اسلام میں متواتر

چلا آ رہا ہے

(۲) حضورؐ کے بعد کا ہر مدعی نبوت کافر یا مرتد ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے ـــــ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی ہیں یہ مسئلہ متواترات میں سے ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت اجماعی منصوص نہیں محسوس ہے

اجتہاد

جس مسئلے کا حکم کتاب و سنت اور اجماع صحابہ میں نہ ملے کتاب و سنت کے اصولوں میں غور و فکر کر کے اس مسئلے کا حکم دریافت کرنا یہ اجتہاد ہے ـــــ مسئلہ پیش آمدہ کی نظیر کتاب و سنت میں مل جائے تو اس مسئلے کو اپنی نظیر کی طرف لوٹانا اور اس کا حکم معلوم کرنا یہ بھی اجتہاد ہے۔ اس رد النظیر الی النظیر کو استنباط بھی کہہ دیتے ہیں۔

اجتہاد کے تین مرحلے

اجتہاد سے اصل کو فرع تک لانے کے لیے علت کو تین مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔

(۱) پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ کتاب و سنت کے اس حکم میں کون کون سے وصف علت بن سکتے ہیں۔

(۲) پھر ان اوصاف کی تنقیح جو علت نہیں بن سکتے اس سے وہ وصف جو علت بن سکتا ہے متعین ہو جائے گا۔

(۳) پھر اس متعین وصف کو اس صورت حال میں تلاش کرنا جس کے لیے اجتہاد عمل میں لایا جا رہا ہے پہلی صورت کو تخریج المناط دوسری کو تنقیح المناط اور تیسری کو تحقیق المناط کہتے ہیں۔

مثال: ایک بدو روزے کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس گیا حضورؐ نے فرمایا روزہ ٹوٹ گیا قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں اس صورت حال میں یہ اوصاف قابل غور ہیں۔

① غلطی کرنے والا بدو ہے جو مسئلہ نہیں مانتا۔
② اپنی بیوی کے پاس گیا ہے جو روزے سے نہ تھی
③ ارتکاب صحبت جس کی روزے میں ممانعت ہے۔
④ اس بدو کو اپنے روزے کا پتہ تھا مسئلے کا پتہ نہ تھا۔

ان سب امور کو جاننا تخریج المناط ہے۔

ان اوصاف میں وہ وصف متعین جس پر روزہ ٹوٹا صرف صحبت ہے یہ اس حکم کی علت ہے باقی اوصاف چھانٹ دیئے گئے۔ یہ تنقیح المناط ہے۔

اب اگر کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اس شخص نے روزے کی حالت میں صرف عمداً پانی پیا تو اس واقعہ کا حکم اس واقعہ کے لیے ایک نظیر ہو گا اور وہ علت اس نئے پیش آمدہ مسئلے میں تحقیقاً اترے گی اسے تحقیق المناط کہتے ہیں۔

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تین مراحل سے گزرے پھر اسے ایک صورت کو دوسری پر قیاس کرنے کا حق ہو گا۔

شرائط اجتہاد

اجتہاد کرنے کا حق ہر کسی کو نہیں دیا جا سکتا اہل اجتہاد وہی ہیں جن میں اجتہاد کی مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں۔

① عربی زبان کا پورا علم کیونکہ قرآن وحدیث کی اصل زبان یہی ہے۔
② قرآن وحدیث کا پورا پورا علم۔
③ آیاتِ احکام اور احادیث احکام پر خصوصی نظر۔
④ پہلے جو اجتہاد (مثلاً خلفائے راشدینؓ اور دیگر فقہاء صحابہ کے) ہو چکے ہیں اُن پر پوری نظر
⑤ اجتہاد کے اصول وقواعد کا پورا علم۔

مراتبِ اجتہاد

(۱) اجتہادِ مطلق (۲) اجتہاد در مذہب (۳) اجتہاد در مسائل
(۴) اجتہاد در تخریج (۵) اجتہاد در ترجیح

فقہ حنفی میں تیسرے درجے کے مجتہد شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اور قاضی خاں تھے۔ چوتھے درجے کے مجتہد حافظ ابوبکر الجصاص الرازی اور ابوالحسین کرخی اور پانچویں درجے کے مجتہد علامہ قدوری اور علامہ برہان الدین صاحب ہدایہ معروف ہستیاں گزری ہیں۔

اجتہاد کی چار معروف راہیں

(۱) قیاس (۲) استحسان (۳) استصلاح (۴) استصحاب

ان میں سے مجتہد جس راہ سے مسئلہ پیش آمدہ کا حکم پالے وہ مسئلہ شریعت ہی کی دریافت سمجھا جائے گا۔ مجتہدین مسائل کے موجد نہیں ہوتے صرف مظہر (انہیں دریافت کرنے والے) ہوتے ہیں۔

مجتہد کے لیے سب سے اہم مرحلہ کتاب و سنت میں اس علت کو تلاش کرنا ہے جو کسی حکم میں موجود ہو اور نئے پیش آمدہ مسئلہ میں وہ وصف خارجی اس کے حکم میں مؤثر ہو سکے۔ اس علت کا پا لینے کے بعد ایسے بیسیوں مسائل کا حکم دریافت ہو سکے گا جن میں وہ علت مؤثر ہو۔ اور اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ قیاس کی صحت کے تمام شرائط پائے جائیں۔

قیاس

قیاس اصولِ فقہ کی اصطلاح ہے اور یہ لفظ اس عام معنی میں نہیں جس میں عوام اسے استعمال کرتے ہیں عوام کے خیال میں قیاس اپنے تجربات اور مشاہدات کی رو سے کوئی خیال قائم کرنا ہے

اس رائے کی اساس محض اپنے خیالات اور مفروضات ہیں ــــ اصولِ فقہ میں قیاس کی بنیاد اپنے خیالات و تجربات نہیں کتاب و سنت ہیں جس مسئلہ پیش آمدہ کا حکم کتاب و سنت میں اور اقوالِ صحابہؓ میں نہ ہو تو اسے ایسے کسی دوسرے منصوص مسئلے پر قیاس کرنا بشرطیکہ اس قیاس کی صحت کی تمام شرطیں پائی جائیں۔

سو جو لوگ قیاس سے نفرت کرتے ہیں وہ عوام میں سے ہوتے ہیں اور قیاس کو وہ اس طرح سوچتے ہیں جو عوام کا ذہن ہوتا ہے اور جو لوگ اصولِ فقہ پڑھے ہوتے ہیں ان کے ہاں قیاس مجتہد کوئی معمولی بات نہیں مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کرنے کی ایک اصل عظیم ہے۔

قرآن کریم میں قیاس کرنے کا حکم

۱ قرآن کریم میں حکم ہوا کہ اگر تم کسی امر میں باہم اختلاف میں پڑ جاؤ تو اس امر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ یہ اس کے لیے بہترین راہ دریافت ہوگی۔

فان تنازعتم فی شیء فردّوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تومنون باللّٰہ و الیوم الاٰخر ذٰلک خیر واحسن تاویلاً۔ (پ النساء)

ترجمہ۔ سو اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس معاملے کو لوٹاؤ اللہ و رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کار اچھی بات ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ آنحضرتؐ کی اس دنیوی زندگی میں تو نئے پیش آمدہ مسئلہ کو حضورؐ کی طرف لوٹایا جا سکتا تھا اب اس پر کیسے عمل کیا جائے؟

اب اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا اسے کتاب و سنت کی طرف لوٹانا ہوگا کہ نئے پیش آمدہ مسئلہ کی نظیر کتاب و سنت میں معلوم کی جائے اور پھر نئے پیش آمدہ مسائل کو ان کی نظائر کی طرف لوٹا کر ان کا حکم شرعی دریافت کیا جائے۔ یہ رد النظیر الی النظیر ہے اور یہی قیاس ہے جو مجتہد کی ذمہ داری ہے۔

جو آیت یا سنت سے اسے قیاس کیا جائے اسے اصل کہتے ہیں اور جو چیز بذریعہ قیاس معلوم کی جائے اسے فرع کہتے ہیں۔ اصل اور فرع میں ایک علت جامعہ ہوتی ہے جو دونوں کو جمع کرتی ہے اور پھر دونوں میں جو حکم ملتا ہے اسے جامع کہتے ہیں حکم جامع وہ حکم ہے جو علت جامعہ کے سبب اصل میں موجود ہوتا ہے ۔ اگر وہ حکم اصل کے ساتھ خاص ہو تو پھر اسے آگے نہیں پھیلایا جاتا۔

کوئی چیز جو نشہ آور ہو گو وہ شراب نہ ہو اسے نشہ کی علت جامعہ کے سبب شراب پر قیاس کیا جائے گا اور اسے حرام سمجھا جائے گا۔

(۲) قرآن کریم میں ہے ۔

فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ (پ۲۸ الحشر)

ترجمہ اے آنکھوں والا تم عبرت حاصل کرو

کسی واقعہ سے اپنے لیے عبرت حاصل کرنا اس واقعہ کو اپنی طرف لوٹانا ہے۔ قبر کسی دوسرے کی ہے اسے دیکھ کر اپنی قبر کا دھیان آنا اور اپنی آخرت کو یاد کرنا یہ وہ سبق ہے جو ہمیں اس کی قبر سے ملا حضورؐ نے بھی فرمایا۔

عبرت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی سابق چیز کو اس جیسے اور واقعہ کی طرف لوٹایا جائے اور یہی قیاس ہے لیکن قیاس ہر کسی کا معتبر نہیں یہ حق مجتہد کا ہے اور وہی قیاس کی ساری شرطوں پر نظر رکھے ہوتا ہے۔

ہاں قیاس کی علت حضورؐ سے منصوص ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث میں مذکور ہوئی تو اسے ہم بھی علت کہہ سکتے ہیں اور جو علت مستنبط ہو تو وہ اسی صورت میں حجت ہو سکے گی کہ اس کا استنباط کرنے والا وہ مجتہد ہو جس کے مجتہد ہونے پر اکثر علمائے امت کا اجماع ہو جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

علت تین راہوں میں سے کسی راہ سے بھی معلوم ہو وہ علت جامعہ ہو سکتی ہے خواہ

(۱) نص سے معلوم ہو یا (۲) اجماع سے یا (۳) استنباط سے

جس قیاس کی طرف ذہن جلدی منتقل ہو جائے اسے قیاس جلی کہتے ہیں اور جس پر ذہن اول وہلہ میں نہ آئے وہ قیاس خفی ہے۔ جو لوگ جلی اور خفی میں فرق نہ کر سکیں وہ دین کو کیا سمجھیں گے۔

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

(جو پیغمبر کے ساتھ ہر وقت کھلے طور پر ہے اسے بھی جان اور جو ہجرت کی رات بستر رسالت میں پردے میں ہے اسے بھی جان۔ جلی اور خفی کے احکام پہچاننا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ کامل مجتہدین اور راسخین فی العلم پر ہی کھلتے ہیں کسی ایک کے تمسک میں نہ رہ جانا دونوں سے تمسک ضروری ہے۔

نوٹ: قیاس اور دلالت النص بظاہر ایک سے معلوم ہوتے ہیں لیکن بات یوں نہیں۔ قیاس میں علتِ جامعہ کی تلاش ہوتی ہے جس کے لیے کتاب و سنت کے پورے علم کے ساتھ عقل و فکر کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس پیش آمدہ مسئلے کا حکم دریافت ہو سکے مگر دلالۃ النص کی بنیاد لغت پر ہوتی ہے۔

① قیاس کا حق صرف مجتہد کو ہوتا ہے اور دلالۃ النص کو ہر صاحب لغت جان سکتا ہے۔

② قیاس میں صواب و خطا دونوں کا احتمال رہتا ہے۔ مگر دلالۃ النص قطعی اور اس کا اعتبار متفق علیہ ہوتا ہے۔

استحسان

کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کو اس کے نظائر میں تلاش کرنے کی بجائے اسے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے کسی ایسی دلیل سے معلوم کرنا جو پوری طرح اس کی متقاضی ہو اسے استحسان کہتے ہیں۔

① کسی شخص نے زمین وقف کی اب اس وقف شدہ زمین سے رستے کی جگہ دینا اسے قیاس سے نہ حل کر سکیں گے استحساناً یہ راہ دینی پڑے گی کیونکہ بدوں راہ کے اس زمین سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے گا یہ استحسان بالعقل ہے۔

② حکم عام کا ترک

چور کی سزا نصاب سرقہ اور شہادت ہونے پر ہاتھ کاٹنا ہے لیکن قحط کے دنوں میں اس ہاتھ کاٹنے کی سزا میں تخفیف کی جائے گی لوگوں کے مضطر ہونے کے حالات استحساناً سامنے رکھے جائیں گے یہ استحسان بالاجماع ہے۔

③ تشخیص مرض کے لیے ڈاکٹر کے سامنے ستر کھولنا اس کے لیے اس کی نظیر نہ تلاش کی جائے گی استحساناً اسے جائز سمجھا جائے گا۔ نہ صرف دکھانے والے کے لیے بلکہ دیکھنے والے کے لیے بھی — اس میں جواز کا مدار ضرورت پر ہوگا۔ اگر اس کے بغیر علاج ہو سکے تو پھر اسے جائز نہ سمجھا جائے گا — یہ استحسان بالضرورت ہے۔

④ اس چیز کا سودا کرنا جو ابھی موجود نہیں یہ اصولاً جائز نہ تھا مگر یہ صورت برابر عمل میں چلی آرہی ہے جوتا بنوانے کے لیے سائز دینا آرڈر دینا معیار بتلانا اور قیمت طے کرنا یہ سب امور استحساناً جائز سمجھے جائیں گے یہ سب استحسان بالاجماع ہے کسی نے آج تک اس پر نکیر نہیں کی۔

استصلاح

اسلام میں قانون عوامی مصالح پر مشتمل ہے شریعت کے تمام احکام میں انہی مصالح کی رعایت برتی گئی ہے۔ مفتی کی نظر میں جب تک حالات عوامی سطح پر نہ ہوں وہ صحیح فتوے نہیں دے سکتا خلفائے راشدینؓ پہلے عرب ہیں جنہوں نے باقاعدہ حکومتیں کیں، عوام کے تقاضوں اور مصالح کو سمجھا اور ان کے مطابق ہی قانون سازی کی۔

قیاس اور استصلاح میں فرق

قیاس کی بنیاد کسی نہ کسی اصل شرعی پر ہوتی ہے مگر استصلاح کی بنیاد عوامی بہتری اور مصالح پر

ہوتی ہے۔ استصلاح کا حق اونچے درجے کے اہل علم اور اہل تقوے کو دیا جاسکتا ہے مگر تیاس کا اہل ہر مجتہد تسلیم کیا جاتا ہے صحابہؓ سب کے سب علم و تقوے سے مالا مال تھے اس لیے خلفاء راشدینؓ کے عہد میں استصلاح سے بہت کام لیا گیا مگر بعد از ایشاں قیاس کو زیادہ پسند کیا گیا۔

مصلحتوں کی قسمیں

(۱) بعض مصلحتیں ضرورت کے درجے میں ہوتی ہیں

(۲) بعض حاجات کے درجے میں اور بعض تعمیر کے درجے میں

(۳) جن میں آگے بڑھنا اور ترقی پانا مقصود ہو انہیں تحسینات کہتے ہیں

ضروریات: دین کی حفاظت کے لیے جہاد

جان کی حفاظت کے لیے قصاص

نسل کی حفاظت کے لیے زنا کی حرمت

عقل کی حفاظت کے لیے شراب کی حرمت

اور مال کی حفاظت کے لیے چوری کو جرم قرار دیا جانا ضروری ہے

شریعت کے ان احکام کی بنا عوامی مصالح پر ہے ان کی روشنی میں عہد صحابہؓ میں اور کئی مصالح طے کی گئیں۔

حاجات

خرید و فروخت نکاح و طلاق یہ وہ امور ہیں جن سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے مگر ان کے بغیر انسانی زندگی میں سہولتیں پیدا نہیں ہوتیں نہ مشقتیں دور ہوتی ہیں۔ اب جو قانون عوامی مصالح پر مبنی ہوگا اس میں استصلاحاً ان تمام حاجات کو پورا کرنے کی راہیں موجود ہوں گی۔

تحسینات

ان میں طہارت پردے میں کرنا، نماز میں ایسے لباس سے بچنا جس میں ستر کی حجامت کا پتہ چلے وغیرہ جیسی مصالح شامل ہیں۔

مصالح مرسلہ

اس سے مراد وہ مصلحتیں ہیں جن کی مجتہد اپنے اجتہاد میں اس لیے رعایت کرتا ہے کہ ان میں اسے عوام کا نفع نظر آتا ہے۔ اجتہاد میں ان کا بھی لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ نصوص کتاب وسنت میں نہ ان کا اعتبار منقول ہو نہ رد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک یکجا کرنے کا جو مشورہ دیا تھا وہ انہی مصالح میں سے تھا۔

مثالیں

① دفع المضرة اولی من جلب المنفعة۔
(فائدہ ہو نہ ہو لیکن نقصان نہ ہونا چاہیئے)

② المشقة تجلب التيسير۔
(جب کوئی مشقت کی جائے تو اس کے باعث آسانیاں پیدا ہونی چاہئیں)

③ الضرورات تبيح المحظورات۔
(ضرورت کے باعث کئی ممنوع اقدام بھی جائز ہو جاتے ہیں)

اس طرح اور بھی کئی قواعد ہیں جن میں عوامی مصالح لیتے ہیں مجتہد اپنے اجتہاد میں ان کا بھی اعتبار کرتا ہے۔ علمائے اسلام نے اس قسم کے مباحث پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ شاطبی کی الموافقات،

اور علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ والنظائر

استصحاب

کسی چیز کو اپنی مصاحبت میں لینا — اور ساتھ رکھنا — یہ اس کے لغوی معنی ہیں لیکن اصول فقہ میں کسی چیز کے سابق حکم کو بغیر کسی مستقل دلیل کے برقرار رکھنا اور اسے حجت بنانا استصحاب کہلاتا ہے۔ یہ پہلے حکم کو اپنے اندازے اور خیال سے آئندہ صورتِ حال پر لانا ہے یہ ماضی کی کسی بات کو حال کے لیے بغیر کسی مستقل دلیل کے محض اپنے قیاس سے ثابت کرنا ہے۔

مثلاً ایک صحابی نے حضورؐ کو نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا۔ اب اس بات کو بغیر کسی مستقل دلیل کے آگے لے جانا کہ آپ آئندہ بھی یہ رفع یدین کرتے رہے ہوں گے یہ استصحاب ہے جو قیاس کی طرح اجتہاد کی ایک راہ ہے اس کے مقابل اگر کسی ضعیف حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہو جائے کہ آپ نے کبھی رفع یدین نہ بھی کیا تو پہلی روایت سے دوام رفع یدین پر استدلال کرنا درست نہ رہے گا یہ بغیر کسی دلیل کے پہلے حال کا آئندہ زمانے میں بقاء ثابت کرنا ہے۔

جن مسائل میں خود صحابہؓ میں اختلاف رہا انہیں استصحاباً ثابت کرنا درست نہیں لیکن استصحاب کے ایک فطری دلیل ہونے سے ہمیں انکار نہیں۔ جب تک کوئی اختلافی صورت سامنے نہ آئے دنیا اس سے کام لیتی آئی ہے۔

استصحاب کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) عدم اصلی سے استدلال

(۲) عقد شرعی سے استدلال

کسی انسان پر دوسرے کا کوئی حق لازم نہیں یہ عدم اصلی ہے اگر کوئی اس پر اپنے حق کا مدعی ہے تو اسے دلیل لانی ہوگی ورنہ بات اپنی اصل پر باقی رہے گی۔ عدالتوں میں اسی لیے دعویٰ کافی نہیں ہوتا۔ مدعی کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرنے پڑتے ہیں۔

استصحاب حکم شرعی کی مثال نکاح کے بعد زوجیت باقی رکھنا ہے ـــــ حالانکہ یہ ضروری نہیں طلاق سے نکاح باقی نہیں رہتا، ارتداد سے بھی نکاح باقی نہیں رہتا ـــــ مگر جب تک ان امور میں سے کوئی بات سامنے نہ آئے نکاح کی بقا استصحاباً تسلیم کی جائے گی تاہم یہ صحیح ہے کہ اس کے ذریعہ دوسرے کے دعوے کو رد کیا جاسکتا ہے مگر خود اس سے کوئی حق ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مثالیں

① ایک شخص نے استصحاباً دعوے کیا کہ یہ چیز میری ہے اور وہ چیز مدت سے اس کے قبضے میں ہے تو اب کسی دوسرے شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ یہ چیز میری ہے جب تک اس کے پاس اس کی شہادت نہ ہو اس صورت میں ہم استصحاب کا اعتبار کرتے ہیں لیکن اگر وہ چیز پہلے بالاتفاق اس دوسرے شخص کے قبضہ میں تھی اور پھر مدت سے اس پہلے شخص کے قبضہ میں ہے تو اب اسے استصحاباً اس کا مالک قرار نہیں دیا جاسکتا۔

② کوئی شخص مدت سے لاپتہ ہے ہم استصحاباً سمجھتے ہیں کہ وہ زندہ ہے اس کی میراث تقسیم نہ کی جائے گی لیکن اگر اس کا والد فوت ہوا تو اس کا حصہ میراث میں نہ ہوگا کیونکہ محض استصحاب سے کوئی حق ثابت نہیں کیا جاسکتا

استصحاب پر مبنی فقہ کے بعض کلی قواعد

① بقاء ما کان علی ما کان

جو پہلی حالت تھی اس کی بقا اصل ہے جب تک کوئی دوسری دلیل اس کے خلاف نہ آئے۔

② براۃ الذمّہ

کسی کی ذمہ داری سے ہر شخص بری ہے جب تک کسی ذمہ کا کوئی ثبوت سامنے نہ آئے۔

③ الیقین لا یزول بالشک

کوئی شخص پہلے یقیناً وضو پر تھا پھر اسے شک ہوگیا کہ وضو رہا یا نہیں اس کے لیے پہلا حال استصحاباً باقی نہ مانا جائے گا۔

(۴) الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔

ہر چیز کا استعمال جائز ہے جب تک کہ اس کے خلاف دلیل نہ آئے خلق لکم ما فی الارض جمیعاً یاد رہے کہ اصل سے ہر چیز کی اباحت اشیاء میں ہے مسائل میں نہیں مسائل اباحت سے ترتیب نہیں پاتے ان کے لیے اصل نقل ہے۔

عبادات اور عادات

عادات اور معاملات انسان کے اپنے ماحول اور تجربات سے بنتے ہیں۔ عبادات تدریجاً نہیں بنتیں یہ توقیفی ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر سے ملتا ہے۔ فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات انہیں شریعت مقرر کرتی ہے اس میں یہ اصل قائم نہیں کیا جاتا کہ شریعت نے کہیں اس سے منع تو نہیں کیا۔ بلکہ ہر ہر بات میں نقل اور روایت کی تلاش ہوتی ہے یہ عادات ہیں جنہیں انسان خود ترتیب دیتے ہیں ان میں دیکھنا ہوتا ہے کہ شریعت نے کسی بات سے منع تو نہیں کیا۔ اصل ہر چیز میں اطلاق اور اباحت ہے۔ یہ مباح اصلی کی بات ہے مباح شرعی کی نہیں

عادات اور معاملات میں بھی اصل اطلاق و اباحت ہے یا اصل منع و حظر ہے اس میں معتزلہ اور اہلسنت میں کچھ اختلاف ہے لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عبادات میں صرف نقل درکار ہے یہ انسان کی اپنی رائے کے سپرد نہیں اور شرعی رائے جسے استنباط بھی کہتے ہیں وہ نقل کی ہی ایک تفصیل ہے اس کا غیر نہیں

انسانی تصرفات کی دو قسمیں

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

ان تصرفات العباد من الاقوال والافعال نوعان عبادات یصلح بہا

دینھم وعبادات یحتاجون الیہا فی دنیاھم فباستقراء اصول الشریعة

نعلم ان العبادات التی اوجبہا اللہ او احبہا لا یثبت الامر بہا الا بالشرع

وھذا کان احمد وغیرہ من فقہاء اھل الحدیث یقولون ان الاصل

فی العبادات التوقیف فلا یشرع منہا الا ما شرعہ اللہ والا دخلنا فی معنی

قولہ تعالٰی ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ [1]

ترجمہ قول وفعل میں انسان کے تصرفات دو قسم کے ہیں۔ عبادات جن سے ان کی آخرت

کی اصلاح ہوتی ہیں اور عادات جن کی انہیں دنیا میں ضرورت پڑتی ہے۔ اصولِ شریعت

کا استقراء کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات واجب درجے کی ہوں یا مستحب درجے

کی ان کا کوئی امر بدوں شریعت ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیے امام احمد

اور دوسرے فقہاء محدثین کہتے ہیں عبادات سب توقیفی ہیں۔ شرع وہی ہے

جسے اللہ رب العزت نے شریعت بنایا ورنہ (اگر ہم اپنی طرف سے مسئلے بنائیں

کہ شریعت نے منع تو نہیں کیا) ہم قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جائیں گے

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ (پ۲۵ الشوریٰ ع ۲)

ترجمہ کیا کہ انہوں نے (اللہ کے) شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے ان کے لیے

دین کی اور راہ ڈال دی ہے جو اللہ نے نہیں بتائی۔

معلوم ہوا اپنی طرف سے دین کی کوئی راہ تجویز کرنا اور صرف یہ دیکھنا کہ کہیں اس سے منع تو نہیں کیا گیا) دراصل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ طاعات اور نیکی کے کام سب توقیفی ہیں۔ کارِ خیر وہی ہے جس کے خیر ہونے کا پتہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے ملے ہم اپنی خواہشات اور اپنی صوابدید سے کوئی مسئلہ نہیں بنا سکتے گو وہ درجہ مستحب کا ہی کیوں نہ ہو جس طرح

[1] فتاوے ابن تیمیہ ج۴ جلد ص

اللہ تعالیٰ کے سب نام توقیفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی راہِ عبادت اختیار کرنے یا مقرر کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شیخ یوسف قرضاوی اصل اشیاء ومنافع میں حلت اور اباحت کے قائل ہیں۔ ان کا موقف توقف کا نہیں۔ اپنے اس موقف پر انہوں نے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اصل اشیاء میں اباحت اشیاء تک محدود نہیں۔ یہ ان افعال وتصرفات کو بھی شامل ہے جو بطور عادت عمل میں آتے ہیں۔ آپ اس اباحت کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

بل یشمل الافعال والتصرفات التی لیست من امور العبادۃ وھی التی نسمیھا العادات والمعاملات فالاصل فیھا عدم التحریم وعدم التقلید الاما حرمہ الشارع والزم بہ وقولہ تعالیٰ وقد فصل لکم ما حرم علیکم عام فی الاشیاء والافعال۔[1]

ترجمہ: بلکہ یہ اباحت افعال وتصرفات جو تعبدی امور میں سے نہیں اور یہ وہ ہیں جنہیں ہم عادات اور معاملات کہتے ہیں کو بھی شامل ہے سو ان کا اصل حرام نہ ہونا ہے حرام وہی ہے جسے مشائخ نے حرام قرار دیا ہو اور لازم ٹھہرایا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وقد فصل لکم ما حرم علیکم افعال اور اشیاء دونوں کو حرام ہے
آپ پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

وھذا بخلاف العبادۃ فانھا من امر الدین المحض الذی لا یؤخذ الا من طریق الوحی وفیھا جاء الحدیث الصحیح من احدث فی امرنا ما لیس منہ فھو رد۔[2]

ترجمہ۔ اور عبادات (جنہیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے) میں ایسا نہیں (کہ اصل اباحت ہو) کیونکہ یہ خالص دینی موضوع ہے جو وحی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور اس موضوع پر

---

[1] الحلال والحرام للقرضاوی ص۲۱ طبع چہارم ۱۳۸۲ھ [2] ایضاً

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی بات نئی نکالی جو

اصلا اس میں سے نہ ہو تو اس کا یہ عمل مردود ہوگا

اور عادات و معاملات کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

واما العادات والمعاملات فلیس الشارع منشئ لها بل الناس هم الذین

اشاروا ها وتعاملوا بها والشارع جاء مصححا لها ومعدلا ومهذبا ومقرا

فی بعض الاحیان ماخلا عن الفساد والضرر منها۔[1]

ترجمہ عادات اور معاملات سو ان کا موجد شارع نہیں لوگوں نے خود ان کی ایجاد

کی ہے اور اپنے طریقے قائم کیے ہیں اور شارع نے آکر انہی طریقوں کی اصلاح و

تہذیب کی ہے اور کئی دفعہ انہی امور کو جو فساد اور ضرر سے خالی تھے قائم رکھا ہے

صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے امور جن میں کوئی حکم وارد نہیں ان میں توقف کیا جائے اور عام اباحت

کا اعلان یہ معتزلہ کی رائے ہے درمختار میں ہے الاصل فی الاشیاء التوقف اور یہ بھی لکھا ہے۔

ان الصحیح من مذهب اهل السنة ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة

رای المعتزلة۔[2]

تقلید

یہ بلا دلیل پیروی کا نام ہے انبیاء کی پیروی تقلید نہیں کہلاتی کیونکہ ان کی نبوت ان کی پیروی پر ایک

کھلی دلیل ہے ائمہ دین میں کوئی خدا کا فرستادہ نہیں وہ صرف ایک علمی مرتبہ رکھتے ہیں ان کی پیروی اس

اعتماد پر کی جاتی ہے کہ وہ کتاب و سنت کی دلیل سے آشنا ہیں سو تقلید کتاب و سنت کی اتباع کی نیت سے

کسی مجتہد کی بات اس سے طلب کیے بغیر ماننا ہے۔

تقلید کے مقابل کا لفظ

تقلید کے مقابل لفظ اجتہاد ہے انسان یا مقلد ہوگا یا مجتہد۔ غیر مقلد ہونا اسلام میں کسی مرتبہ

[1] الحلال والحرام صــ [2] درمختار مع شرح الطحطاوی جلد ۴ صــ ۱۵۵

کا نام نہیں۔ اسلاف میں جو لوگ بھی تقلید نہ کرتے تھے سب مجتہد تھے۔ تقلید کے مقابل ترک تقلید نہیں نہ اس سے کوئی مفہوم پیدا ہوگا۔ ہاں دین میں کھلی آزادی کو ترک تقلید کہہ سکتے ہیں

غیر منصوص مسائل میں دو ہی راہیں ہیں

کتاب و سنت میں جو مسائل منصوص ہیں اور ان میں کسی دوسری نص سے ظاہراً کوئی تعارض نہیں ان میں کسی امام کی پیروی کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہاں مسائل غیر منصوصہ میں اور مسائل منصوصہ متعارضہ میں استنباط یا رفع تعارض کی راہ سے کسی امام مجتہد کی پیروی کی ضرورت پڑتی ہے۔ سو ایسے مسائل میں دو ہی راہیں ہیں ① آدمی مجتہد کے درجے کو پہنچے ② ورنہ کسی مجتہد کی پیروی کرے۔ وہ شخص جو نہ مجتہد ہے نہ مقلد وہ کسی وقت بھی خطرہ سے خالی نہیں رہتا۔

پھر ضروری ہے کہ وہ مجتہد بھی ایسا ہو جس کے مسائل مدون ہوں اور ہر فقہی باب میں اس کی رہنمائی موجود ہو۔ مجتہدین نے فقہ کے استخراج کے لیے اپنے اصول وضع کیے ہیں اور وہ مسائل پیش آمدہ میں استخراج انہی اصولوں کی روشنی میں کرتے ہیں۔ سو ان کی پیروی اس متفرق پیروی سے کہیں بہتر ہوگی کہ ہم مختلف صحابہؓ سے جزئیات لیں ان مختلف جزئیات سے ہم شریعت کا کوئی ایسا فریم ورک تیار نہ کرسکیں گے جو اصولاً ہر باب میں متوازن ہو۔

امام الحرمین کی شہادت

امام الحرمینؒ (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:۔

من وجد فی زمانه مفتیاً تعین علیه تقلیده ولیس له ان یرقی الی مذاهب الصحابة وبیان ذلك انه اذا ثبت مذهب ابی بکر الصدیق فی واقعه وفتوی مفتی الزمان خالفت مذهبه فلیس للعامی المقلد ان یؤثر تقدیم مذهب ابی بکر الصدیق من حیث انه عقیدتاً انه افضل الخلیفة بعد المرسلین علیهم السلام وان

الصحابة وان کانوا صدور الدین و اعلام المسلمین ومفاتیح الهدیٰ ومصابیح الدجیٰ فما کانوا یقدمون تمهید الابواب وتقدیم الاسباب قبل وقوعها۔ [1]

ترجمہ جو اپنے زمانہ میں کسی مفتی کو پالے اس پر اس کی تقلید طے ہو جاتی ہے اسے یہ حق نہیں کہ وہ اس سے ہٹ کر مذاہب صحابہؓ کی طرف سبقت کرے اسے یوں سمجھیے کہ جب کسی واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا موقف اس کے ہاں ثابت ہو اور مفتی وقت کا فتوے اس کے خلاف ہے تو اس عامی مقلد کو یہ حق نہیں کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مذہب کو اس لیے کہ وہ پیغمبروں کے بعد افضل الخلائق ہیں اپنے وقت کے اس مفتی کے فتوے پر ترجیح دے صحابہؓ بے شک دین کے سربراہ ہیں اور مسلمانوں میں سب سے بڑے ہیں وہ ہدایت کی چابیاں ہیں اور اندھیروں کے چراغ لیکن وہ مسائل کے بیان میں پہلے اصول نہ باندھتے تھے اور واقعات کے پیش آنے سے پہلے تقدیم اسباب نہ کرتے تھے (سوان کی جزئیات اس طرح مدون نہ ہو پائیں جس طرح مجتہدین نے فقہ کو اصول بیان کرکے مدون کیا ہے)

یہ بات کوئی حنفی فقیہ نہیں کہہ رہا کہ اس پر الزام لگایا جائے کہ دیکھو امام ابوحنیفہؒ کی بات کو وہ مذاہب صحابہؓ پر ترجیح دے رہا ہے بلکہ یہ بات امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمینؒ کہہ رہے ہیں جن کی بات دونوں حرم (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) میں چلتی تھی وہ شافعی المذہب تھے وہ یہاں تقلید کی اہمیت بیان کررہے ہیں کہ یہ ان ائمہ مجتہدین کی جائے جن کے مسائل باقاعدہ اصولِ فقہ سے چھن کر ہمارے پاس پہنچے ہیں۔

ہم اس پر جلد اوّل صـ۲۹۲ پر بھی کچھ بحث کر آئے ہیں۔

---

[1] الغیاثی صـ۱۴۴

کیا ائمہ کے مذاہب میں کہیں غلطی کا احتمال نہیں؟

فقہی مسائل میں صواب کی راہ صرف ایک ہے۔ ہاں جن مسائل میں شریعت نے خود وسعت رکھی وہاں ہر موقف ثواب ہے۔ ائمہ مجتہدین کے مذاہب میں خطا بے شک ممکن ہے لیکن یہ صواب اور خطا کا دائرہ ہے حق اور باطل کا دائرہ نہیں۔ صواب اور خطا کے دائرہ میں کسی مجتہد یا اس کے پیرو پر مواخذے کا ڈر نہیں۔ اس میں خطا والا بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ فقہی مسائل میں اختلاف کو اسی لیے رحمت کہا گیا ہے نقمت نہیں۔

حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ کی شہادت

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) حنفی نہیں حنبلی المذہب ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

واما بالنسبة الی امام فی فروع الدین کالطوائف الاربع فلیس بمذموم فان الاختلاف فی الفروع رحمة والمختلفون فیه محمودون فی اختلافهم مثابون فی اجتهادهم واختلافهم رحمة واسعة واتفاقهم حجة قاطعة۔ [1]

ترجمہ: فروعات میں جو اختلافات ائمہ کے ملتے ہیں جو مذاہب اربعہ میں پائے جاتے تو یہ اختلاف مذموم نہیں لائق مذمت نہیں۔ اختلاف فروع میں رحمت ہے اور اس میں اختلاف کرنے والے لائق تعریف ہیں انہیں اپنے اپنے اجتہاد میں ثواب ملے گا ان کا اختلاف رحمۃ واسعہ ہے اور جس پر ان چاروں کا اتفاق ہو جائے وہ مسئلہ قطعی حجت ٹھہرے گا۔

---

[1] المغنی صـ۹۲

اجماع کے بعد مسئلہ فروعی نہیں رہتا

فروعی مسائل بے شک اجتہادیات میں سے ہیں۔ ہر مجتہد اپنے اجتہاد میں صواب اور خطا دونوں صورتوں سے دو چار ہو سکتا ہے لیکن کسی مسئلے پر وقت کے تمام مجتہد درجے کے علماء اگر ایک فیصلہ کرلیں تو اس اجماع کے بعد کسی مجتہد کو اس میں اجتہاد کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ کیونکہ کوئی ظنی چیز قطعی چیز کو کاٹ نہیں سکتی۔ اجماع نے مسئلے کو قطعی بنا دیا۔ اب اسے کسی مجتہد کا اجتہاد کاٹ نہ سکے گا وہ نیا مجتہد وقت کا ابن تیمیہؒ ہی کیوں نہ ہو۔

شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ کی شہادت

اتفاق العلماء والمجتهدين من امة محمد صلى الله عليه وسلم على حكم شرعي بعد النبي صلى الله عليه وسلم وهو حجة لقوله تعالى فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول وقول النبي صلى الله عليه وسلم لا تجتمع امتي على ضلالة رواه الترمذي۔ [1]

ترجمہ: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کرلیں تو وہ حکم حجت شرعی ٹھہرے گا اور اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہی شمار ہو گا اور نبی پاکؐ نے فرمایا کہ میری امت کبھی کسی غلط بات پر جمع نہ ہو گی۔

وللحديث شواهد كثيرة منها حديث ابن عباس مرفوعاً اخرجه الحاكم جلد ا ص۱۱۶ وقال الهيثمي في مجمع الزوائد رجاله ثقات جلد ۵ ص۲۱۹ وقال الحافظ في التلخيص و اسناده صحيح ومثله لا يقال من قبل الرأي

---

[1] شرح لمعة الاعتقاد ص۱۲۵

تقلید کے بعد تلفیق

عامی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس امام پر اس نے اپنے فروعی مسائل میں اعتماد کیا ہے اس کی تقلید سے نکلے یہ نکلنا اپنی کسی غرضِ نفسانی پر ہی ہو سکتا ہے کسی اصولی اختلاف کے باعث نہیں کیونکہ عامی بے چارہ اصول میں کوئی رائے قائم نہیں کیے ہوئے۔ امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ امام ابوحنیفہؒ کی کوئی بات چھوڑ دیں تو یہ تلفیق نہیں ہے یہ حضرات ائمہ اصول ہیں اور اصولِ فقہ میں ایک رائے رکھنے کے اہل ہیں انہیں کسی مسئلے میں اپنے امام سے اختلاف کرنا جائز ہے لیکن عامی کو یہ جائز نہیں وہ اپنے فقہی مذہب کو چھوڑے۔ کسی غرض اور سہولت کے لیے ایسا کرے گا اس کے پیچھے کوئی علمی جذبہ کار فرما نہ ہو گا۔ دینی مسائل میں ایسا کرنا شریعت کو کھیل بنانا ہے اور یہ جائز نہیں۔

تلفیق کا لفظ لفق سے نکلا ہے۔ لفق کا معنی ایک کنارے کو کسی دوسرے کنارہ سے ملانا ہے اصطلاحاً یہ ایک امام کی پیروی دوسرے امام سے جوڑنا ہے۔ مثلاً

ایک شخص نے وضو کیا اس کے بعد اسے کوئی کانٹا لگا اور خون بہ نکلا وہ حنفی مسلک پر تھے اور حنفی فقہ کی رُو سے اس کا وضو جاتا رہا۔ اس نے سہولت کے لیے شافعی مسلک اختیار کر لیا۔ پھر کسی عورت سے اس کا ہاتھ چھو گیا اور شافعی مذہب کی رو سے اس کا وضو ٹوٹ گیا اب پھر وہ حنفی ہو گیا اور کہا حنفی مذہب کی رُو سے اس میں میرا وضو نہیں ٹوٹا۔

اس نے اسی حالت میں نماز پڑھی اس کی وہ نماز کسی کے ہاں نہ ہوئی۔ حنفیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ خون بہنے سے اس کا وضو جاتا رہا تھا اور شافعیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ عورت کے چھونے سے اس کا وضو جاتا رہا تھا۔

اس کا ایک عمل میں مختلف اماموں کے مذہب پر آنا جانا ایک عمل تلفیق ہے۔ یہ خواہشات نفسانی کی اتباع میں رخصتوں کو تلاش کرنے کا نام ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل

باطل اتفاقاً۔ [1]

ترجمہ بے شک اس طرح کا عمل بالاتفاق باطل ہے۔ ایک مذہب کو اختیار کر کے

محض اپنی سہولت کے لیے اس سے نکلنا بالاتفاق جائز ہے۔

یُوں سمجھئے تقلید میں دو پہلو ہیں ایک افراط کا اور دوسرا تفریط کا ـــ اماموں کی اس طرح

پیروی کرو کہ کسی کی بھی ہو جائے یہ پہلو افراط کا ہے اور یہ تلفیق ہے۔ دوسرا پہلو تفریط کا ہے۔ اور

یہ غیر مقلدیت ہے

مفتٰی بہ قول

بعض مسائل میں اپنے ائمہ کے ہاں بھی مختلف اقوال ملتے ہیں۔ ان میں صرف تقدیم و تاخیر کہ

پہلا قول کون سا ہے اور دوسرا کون سا) فیصلہ نہیں کرتی۔ اس فقہ کے مجتہدین فی المذاہب فیصلہ

کرتے ہیں کہ فتوے کس قول پر جاری ہوا اسے مفتٰی بہ قول کہتے ہیں فقہ حنفی صرف امام ابوحنیفہؒ

کے قول سے ہی نہیں بنی۔ اس میں امام زفرؒ۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال بھی داخل ہیں۔

اگلے فقہاء کس قول کو اختیار کرتے ہیں وہ مفتٰی بہ قول سمجھا جائے گا۔

مفتٰی بہ قول میں ترجیح صرف علم کی بناء پر ہو سکتی ہے۔ اپنی ضرورت اور سہولت پر کسی قول

کو اختیار کرنا یہ جائز نہیں۔

تطبیق و ترجیح

جب کسی مسئلے میں دو حدیثیں ملیں جو ظاہرا دو مختلف صُورتیں پیش کرتی ہیں تو ان میں کسی

ایک کو اختیار کرنا ترجیح کہلاتا ہے۔ ترجیح کے مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں مثلاً یہ کہ ایک قوت سند میں

---

[1] رد المحتار جلد ا ص۵۱

زیادہ مضبوط ہے یا یہ کہ دونوں میں سے آخری عمل کون سا ہے اس کے مطابق اسے اختیار کیا جائے گا۔

ظاہری تعارض کو دور کرنے میں ایک طریق تطبیق کا ہے کہ دونوں عملوں کو جائز سمجھا جائے اور ان میں وسعت کی راہ اختیار کی جائے۔ یہ بھی دیکھا جائے کہ ان میں تقیید مطلق یا تخصیص عام کی صورت بھی نکلتی ہے یا نہیں۔ اسے تطبیق کہیں گے کہ دونوں کو ایک دوسرے کے مطابق کر دیا کسی عمل میں اگر وہ مختلف طریقے ملیں تو انہیں ایک دوسرے کے معارض نہ سمجھا جائے گا کیونکہ یہ دونوں روایتیں کسی ایک وقت کی نہیں اور تعارض میں جو حدتیں شرط ہیں ان میں ایک شرط وحدت زمان بھی ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع جاتے وقت رفع یدین کیا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رکوع کے رفع یدین کے بغیر ہوتی تھی تو ان دونوں روایتوں کو ایک دوسرے کے معارض نہ سمجھا جائے گا۔ بلکہ یہ جانا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریقے مروی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو حدیث رفع الیدین عندالرکوع کے راوی ہیں کبھی رفع یدین کر لیتے تھے اور کبھی نہ۔ ان کا دونوں طریقوں پر عمل تھا۔

تملیک

تملیک کا معنی ہے کسی دوسرے کو مالک بنانا۔ جو انسان خود کسی چیز کا مالک ہو اور وہ اسے کسی دوسرے کو دے دے۔ بایں طور کہ وہ مالک ہو جائے اسے تملیک کہتے ہیں۔ اس طرح دینا کہ دینے والا تو اس چیز کا مالک تھا مگر لینے والا اس کا مالک نہ بنے گا تو یہاں تملیک نہ ہوگی۔ مثلاً کسی شخص نے مسجد کے متولی یا منتظمین کو کوئی رقم مسجد میں لگانے کے لیے دی تو یہ رقم ان منتظمین کی تملیک نہ ہوگی وہ اسے مسجد پر خرچ کرنے کے امین ہوں گے۔ زکوٰۃ اسی لیے مسجد پر نہیں لگتی کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی اور زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے کہ یہ رقم کسی مستحق کی ملکیت میں جائے۔

حیلہ تملیک

اگر کوئی شخص کسی مستحق صدقہ کو کوئی اسی رقم دیتا ہے اور وہ اسے مسجد پر یا غیر مستحقین زکوٰۃ پر خرچ کر دے تو یہ حیلہ تملیک ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص صدقہ کی کچھ کھجوریں حضورؐ کے پاس لایا حضورؐ نے اسے قبول نہ کیا۔ اس نے پھر یہ کسی مستحق کو دے دیں اور اس مسکین نے پھر انہیں حضورؐ کے سامنے بھی پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر کھجوریں لے لیں کہ یہ تیرے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ بعض صورتوں میں ہاتھ بدلنے سے مسئلے کا حکم بدل جاتا ہے۔

عزیمت اور رخصت

دین اسلام فطرت کی پوری رعایت کرتا ہے۔ اسے دین فطرت اسی لیے کہتے ہیں دین فطرت حالات بدلنے پر رعایت کا تقاضا کرتا ہے۔ اصل حکم عزیمت کہلاتا ہے مومن اگر صبر و تقویٰ سے اس سے چمٹا رہے تو اس کی بڑی شان ہے۔

وان تصبروا و تتقوا فان ذلك من عزم الامور (پ آل عمران ۱۸۶)

بعض بدلے حالات میں شریعت میں جو رعایت ملتی ہے اسے رخصت کہتے ہیں۔ مومن بیمار ہے مگر ایسا بیمار نہیں کہ روزہ نہ رکھ سکے وہ روزہ رکھے یہ اس کے حق میں عزیمت ہے اور نہ رکھے بعد میں کسی دن رکھ لے یہ اس کے لیے رخصت ہے ہمت کرے اور وضو کرے یہ عزیمت ہے تیمم کرے تو یہ رخصت ہے۔

کسی جابر و ظالم نے کسی مومن کو کلمہ کفر پر مجبور کیا اور اس نے وہ کلمہ کفر کہہ دیا لیکن دل میں اس کے ایمان تھا اس حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ دینا اس کے حق میں رخصت ہے لیکن اگر وہ حق پر ڈٹا رہا اور اس نے اس کے لیے جان بھی دے دی تو اس کا یہ عمل عزیمت شمار ہو گا حضرت عمار بن یاسرؓ اور ان کے والدین ایک ایسی ہی صورت سے دو چار ہوئے۔ حضرت عمارؓ کے والدین نے عزیمت

پر عمل کیا اور اللہ کی راہ میں جان دے دی۔ یہ اسلام کے پہلے وہ شہید تھے حضرت عمارؓ نے رخصت پر عمل کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ایسا کرنا جائز ٹھہرایا۔ قرآن کریم میں ہے۔

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (پ۱۴ النحل)

ترجمہ۔ مگر جس کو اظہار کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر جا رہا۔

نوٹ: عزیمت اور رخصت دونوں کا ثبوت شرع سے ملتا ہے۔ کسی امتی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی مرضی سے شریعت کے کسی حکم کو رخصت سے بدل لے اور اپنی طرف سے اسے رخصت ٹھہرا لے یہ وہ نازک موڑ ہے کہ اس کا تعین مجتہدین ہی کر سکتے ہیں۔

ایک لفظ کئی مختلف جگہوں میں

بعض اوقات لفظ ایک ہوتا ہے مگر اس کے محل استعمال جدا جدا ہوتے ہیں۔ ان صورتوں میں مختلف اصطلاحات سامنے آتی ہیں مثلاً کسی انسان کو پاک کہا جائے تو اس کا مطلب جنابت سے پاک ہونا سمجھا جائے گا کہ اس پر اس وقت غسل فرض نہیں ہے وہ مسجد میں آسکتا ہے لیکن اگر کسی کپڑے یا جگہ کو پاک کہا جائے تو اس سے مراد نجاست سے پاک ہونا ہے۔

اسلامی عقائد میں سے ہے کہ پیغمبر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں گناہ ان کے قریب نہیں پھٹکتا وہ بے شک انسان ہے لیکن خدا کی حفاظت ہر وقت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ ذرا سی خطا بھی صادر ہو تو اللہ رب العزت اس پر انہیں رہنے نہیں دیتے۔

لیکن یہی لفظ جب اللہ رب العزت کے لیے بولا جائے تو اس کا یہ معنیٰ نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ سے پاک ہے بلکہ یہاں پاک کا معنی ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہونا لیا جائے گا۔ اللہ پاک ہے یعنی ہر کمزوری سے پاک ہے۔ کھانا پینا اور سونا اور سردی اور گرمی لگنا یہ انسانی زندگی کے تقاضے ہیں انسان کی یہ کمزوریاں ہیں کہ وہ ان کے تقاضے پورے کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اللہ تعالیٰ ہر کمزوری سے پاک ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ لا تاخذہ سنۃ ولا نوم

یہ کمزوریاں ہیں مگر عیب نہیں. کھانا پینا اور سونا اگر عیب ہوتا تو یہ حالتیں کبھی پیغمبروں پر نہ ڈالی جاتیں نہ کبھی بھوک اور پیاس محسوس کرتے اور نہ کبھی تھکتے نہ کبھی سوتے۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ سے الوہیت کی نفی اس طرح بھی کی گئی :۔

کانا یاکلان الطعام (پ   ) حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے جو کھانا کھائے پھر اسے پیشاب وغیرہ کا تقاضا بھی ہوتا ہے. ظاہر ہے کہ یہ صورت خدا کی نہیں ہوسکتی وہ ان کمزوریوں سے پاک ہے اس کے پاک ہونے سے مراد اس کا ہر کمزوری سے پاک ہونا ہے

عام استعمال کی متفرق اصطلاحیں

① حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر

جب انسان پاک نہ ہو اور اس پر غسل فرض ہو اس کی اس حالت کو حدثِ اکبر کہتے ہیں. اور بے وضو انسان حدثِ اصغر میں شمار ہوتا ہے۔ پانی ملے تو دونوں کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے. ۱. غسل اور ۲. وضو. اور پانی نہ ملے تو دونوں ایک جیسے تیمم سے دور ہوتے ہیں جنبی والا بھی اس تیمم سے حدثِ اکبر سے نکل آتا ہے۔

② نجاست کی مختلف قسمیں

① حقیقی اور حکمی

جو نجاست علیحدہ نظر آسکے وہ حقیقی ہے اور جو نجاست محسوس نہ ہو سکے جیسے غسل والے مرد کے بازو حکماً ناپاک ہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کرلے یہ حکمی نجاست ہے. عورت ایام میں ہو تو وہ حکماً ناپاک ہے گو ہاتھ دھو کر وہ آٹا گوندھ سکے۔

② نجاست غلیظہ اور خفیفہ

بہتا ہوا خون، شراب، بول و براز، درندوں کا بول و براز، کتے کا لعاب دہن، مرغی اور بطخ کا براز۔ یہ سب نجاست غلیظہ ہیں۔ گھوڑے اور حلال جانوروں کا پیشاب اور پرندوں کی بیٹیں یہ سب نجاست خفیفہ ہیں۔ فقہا کے ہاں ان لفظوں کا استعمال کبھی اختصار سے ہوتا ہے اس لیے ان کی تفصیل کر دی گئی ہے۔

③ حرام لذاتہ اور حرام لغیرہ

جو حرمت کسی چیز میں نہ ہو اس کے عوارض میں ہو وہ حرام لغیرہ ہے۔ یہ حرمت اس پیش آمدہ صورت کے عارض ہونے سے عائد ہوتی ہے۔

مثلاً پکی قبریں بنانا فی نفسہ کوئی حرام کام نہ تھا لیکن یہ تعمیر جاہل لوگوں میں ان مقابر کی تعظیم کا سبب بنی اور پھر یہ تعظیم سجدوں تک جا پہنچی۔ پھر یہی قبر پرستی بت پرستی کا پیش خیمہ بنی — اب پکی قبریں بنانا اور ان کی آرائش وغیرہ کرنا حرام ٹھہرا لیکن کون سی حرمت؟ حرمت لغیرہ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد۔

تصویر کشی خصوصاً جب کہ معظم ہستیوں کی ہو انجام کار ان کی تعظیم کا سبب بنتی ہے کئی لوگ ان تصویروں پر ہار ڈالتے بھی دیکھے گئے، سو اس شریعت میں جاندار کی تصویر حرام کی گئی۔ یہ حرام لغیرہ ہے۔ پہلی شریعتوں میں یہ حرام نہ تھی جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں بیت المقدس کی دیواروں پر تصویریں نقش کرتے تھے:

یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل۔ (پ۲۲ السبا)

عورتوں کے لیے پہلے پردہ کا حکم نہ تھا لیکن یہ اظہار زینت آئندہ کئی برائیوں کا سبب بنا اب حکم ہو گیا کہ عورت پردے میں رہے۔ حرام لذاتہ وہ نظر ہے جس نے یہ حالات پیدا کیے اب غیر محرم پر نظر (اگر تلذذ کے طور پر نہ ہو) حرام لغیرہ ٹھہرے گی۔

اب شراب کی حرمت اس کی ذات میں ہے گو کسی وقت شراب حرام نہ تھی مگر اب اسے حرام لعنیرہ نہ کہا جائے گا کیونکہ ناپاکی اس کی ذات میں ہے۔ خمر نجاست غلیظہ ہے اب حرمت صرف اس کے عوارض میں ہے۔

سود کے مال میں حرمت لذاتہ ہے مگر یہ حرمت حکمی ہے حقیقی نہیں۔ سود کا مال اگر کسی محتاج پر صدقہ کیا گیا اور اس پر ثواب کی امید نہ رکھی تو وہ مال اب اس غریب کے ہاتھ میں ناپاک نہیں ہے کیونکہ اس کی حرمت حکمی تھی۔ حالات بدلنے پر اس کا حکم بھی بدل گیا۔

سورج کے طلوع و غروب کے وقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا فی ذاتہ حرام نہیں لیکن چونکہ بعض مشرک قومیں اس وقت سورج کی پرستش کرتی ہیں اس لیے ان کے تشبہ سے بچنے کے لیے ہماری شریعت میں اسے حرام کیا گیا ہے۔ حدیث متواتر میں اس کی ممانعت ہے سو یہ حرمت لغیرہ ہے۔

مسجد کی قبلہ والی دیوار پر نقش و نگار بنانا فی نفسہ ناجائز نہ تھا لیکن یہ چونکہ نمازی کی توجہ اور دلچسپی کا موجب بنا اس لیے ہماری شریعت میں اسے مکروہ کہا گیا۔ ویسے بھی خرچ عبث ہے۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ سے نقل کرتے ہیں۔

ماساء عمل قوم قط الا زخرفوا مساجدهم[1]

ترجمہ کسی قوم کا عمل اس وقت بُرا ہوتا ہے جب وہ اپنی عبادت گاہوں کے نقش و نگار میں لگ جائے۔

۷ ادا اور قضا کی فقہی اصطلاحیں

حق اپنے وقت پر دیا جائے یہ ادا ہے اور اپنے وقت سے بعد دیا جائے یہ قضا ہے۔ نمازیں اپنے وقت پر ادا کرنا ان کی ادا ہے اور رہ جائیں اور وقت گزر جائے تو پھر ان کی قضا ہے اب جو پڑھی جائیں گی قضا سمجھی جائیں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم امت کے لیے بعض اوقات

---

[1] سنن ابن ماجہ صد ۵۵

نمازیں قضا ہوئیں اور آپ نے انہیں پھر قضا پڑھا بعض لوگ قضا کے قائل نہیں یہ حدیث کا کھلا انکار ہے۔ اداکے لیے یہ قرآنی حکم ہے:۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً۔

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر بہ قید وقت فرض کی گئی ہے۔

جو عبادت ابھی فرض نہیں ہوئی اس کا پہلے سے ادا کرنا حقوق العباد میں تو سمجھ میں آجاتا ہے صدقۃ الفطر عید کا چاند نظر آنے سے قبل دیا جاسکتا ہے مگر حقوق اللہ میں اس کی ادائیگی وقت سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ عشاء کی نماز کے بعد متصلاً اگلے دن کی فجر کی نماز پڑھ لینا درست نہیں نماز بہ قید وقت فرض کی گئی ہے کسی خبر واحد سے نماز کے اس بنیادی اصول کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

⑤ ظاہر اور نادر میں فرق

فقہ حنفی میں جو مسائل حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس فقہ میں مشاورت سے طے ہوئے اور امام محمدؒ نے انہیں اپنی چھ کتابوں میں قلمبند فرمایا انہیں فقہ حنفی کی ظاہر الروایۃ کہتے ہیں اور ائمہ ثلثہ کی جو روایات اور تحقیقات اپنی اپنی رہیں وہ نوادر کہلاتی ہیں فقہ حنفی میں نوادر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے ظاہر الروایات سے نہیں۔ امام محمدؒ کی چھ کتابیں ہیں جو ظاہر الروایہ کہلاتی ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ جامع صغیر ۲۔ جامع کبیر ۳۔ سیر کبیر ۴۔ سیر صغیر

۵۔ مبسوط، اسے کتاب الاصل بھی کہتے ہیں۔ ۶۔ زیادات

امام محمدؒ کی کتابیں کتاب الآثار الحجۃ علی اہل المدینۃ اور مؤطا امام محمد وغیرہ ظاہر الروایات میں داخل نہیں۔ ان ائمہ کی اپنی روایات کا اگر کہیں ظاہر الروایہ سے تصادم ہو تو ترجیح ظاہر الروایہ کو ہو گی فقہ حنفی کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ شخصی فقہ نہیں زیادہ تر فقہائے کرام کی اجتماعی علمی تحقیقات کا حاصل ہے مگر چونکہ اس اجتماعی بورڈ کے سربراہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے اور تمام مباحث کے بعد وہی طے شدہ عبارت لکھواتے تھے۔ اس لیے یہ فقہ حنفی انہیں کی طرف منسوب کی گئی ورنہ یہ محمدی فقہ ہے جسے

جیسے کتاب و سنت سے ہی کشید کیا گیا ہے جس طرح حدیث قرآن کا غیر نہیں فقہ بھی قرآن و حدیث کا غیر نہیں ہے فقہاء احکام کے موجد نہیں صرف مظہر ہیں۔ اس فقہ حنفی کو اس اعتبار سے فقہ محمدی بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسے بیشتر حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے ترتیب دیا ہے

فقہ حنفی شخصی فقہ نہیں شورائی فقہ ہے

امام ابوحنیفہؒ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ اسلام کا قانونی مجموعہ ان کی شخصی آراء پر مبنی ہو آپ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس نے اس پہ ایک مہینہ یا چند ماہ نہیں برسوں اس پر محنت کی تب کہیں یہ شورائی فقہ مرتب ہوئی۔ پھر اس پہ اور تحقیق و تنقیح ہوتی رہی حضرت امام کے اصولوں پہ امام کرخی اور امام بزدوی جیسے ائمہ اصول نے اور محنت کی یہاں تک کہ ائمہ ترجیح آئے اور فقہ حنفی میں ہدایہ البدائع اور فتاوی قاضی خاں جیسے فقہی مجموعے مرتب ہوئے۔ فقہ حنفی کی اس تاریخ سے اسکی پیروی میں شرک فی الرسالۃ کا کوئی ایہام باقی نہیں رہا۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

فقہ کی تحقیق و ترتیب میں یہ کی گئی کوششیں کتنی مخلصانہ کیوں نہ ہوں اسکے سرانجام دینے والے آخر معصوم تو نہ تھے ہو سکتا ہے کہ پھر بھی ان سے کئی باتوں میں کمی رہ گئی ہو پھر ہر بات میں ایک فقہ کی پیروی کیونکر کی جاتی ہے؟ اسطرح تو آپ جمع قرآن کی محنت کرنے والوں کے بارے میں بھی کہیں گے کہ اس میں کتنی ہی احتیاط کیوں عمل میں لائی گئی ہو آخر یہ کاتبین وحی اور ان مسودوں کو اکٹھے کرنے والے معصوم تو نہ تھے ہو سکتا ہے کہ پھر بھی کوئی بات رہ گئی ہو؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کریم ہر طرح سے الٰہی حفاظت میں ہے اور وہ حضورؐ کی زندگی میں سینوں میں جمع ہو چکا تھا۔ اب اس کا ایک کتابی صورت میں آنا یہ ایک دوسری محنت تھی اور اس پر بھی خدا کی حفاظت کا سایہ تھا۔ اور پھر اس پر پوری امت کا اجماع بھی ہو گیا اور ظاہر ہے کہ مختلف افراد امت گو علی الانفراد معصوم نہیں مگر اس امت کا اجماع یقیناً معصوم ہے اور قرآن اس اعتبار سے معصوم کوششوں سے یکجا ہوا ہے۔

فقہ بھی اس طرح کتاب و سنت کی عملی صورت کی ایک دوسری ترتیب ہے۔

ائمہ فقہ

الحمد وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیرِ امت اور امتِ وسط بنایا ہے خیرِ امت وہ ہے جو اپنے قول و عمل سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور منکرات سے روکے۔ اور امتِ وسط وہ ہے جو اپنے علم و عمل سے دوسری قوموں کے لیے رضاء الٰہی کا نشان ہو اور خود ان کے لیے رضاء الٰہی کا نشان اللہ کا رسولؐ ہو۔

یہ امت خیرِ امت تبھی ہو سکتی ہے کہ زندگی کے کسی مرحلے میں یہ اپنے حال پر بے راہ نہ رہے (کہ اس کے لیے کوئی راہ عمل نہ ہو نہ قرآن و سنّت میں وہ مسئلہ ملے اور نہ اس کے لیے کوئی اور راہ کھلی ہو) کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انسان یونہی خالی چھوڑ دیا جائے۔ ایحسب الانسان ان یترک سدًی ہرگز نہیں بلکہ اس کے پاس قرآن و سنّت کی کوئی ایسی اصولی روشنی موجود ہو جس سے وہ ان تمام نئی راہوں میں بھی اسلام کے چراغ جلا سکے — یہ کتاب و سنّت کی نصوص کو استدلال و استخراج سے نئے پیش آمدہ مسائل میں لانا ہے۔ یہی فقہ اسلام ہے جس سے اسلام کا یہ دعوے پورا ہوتا ہے کہ یہ ایک کامل نظامِ زندگی ہے جس میں ہر پیش آمدہ مشکل کا حل موجود ہے۔ اجتہاد میں مجتہد کسی نئی چیز کا موجد نہیں ہوتا وہ گہرے حقائق شریعت کا مظہر ہوتا ہے اس کے استنباط کردہ مسائل میں کتاب و سنّت کی روشنی ہی جلوہ گر ہوتی ہے۔ فقہ فقیہ کی اپنی اختراع نہیں ہوتی یہ نبی کی اپنی شریعت کا ہی ایک علمی پھیلاؤ ہے۔

امّت کی خیر اسی میں ہے کہ اس امت میں فقیہ پیدا ہوں جو کتاب و سنّت کے اصولوں سے زندگی کی ہر تاریک راہ کو منور کر سکیں اور فقہ کے پیرایہ میں کھلے بندوں کہا جا

سکے کہ اسلام میں ہر ضرورت کا حل موجود ہے اور یہ ایک کامل نظام حیات ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

وتؤمنون باللہ۔ (پ آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: تم امت کا خیر ہو جو لوگوں (کو نفع پہنچانے) کے لیے سامنے

لائے گئے ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آگے تمہیں سے چلے گا۔

جو لوگ خیر امت ہوں گے وہ پوری امت کے لیے خیر کا سبب بنیں گے وہ فقیہ ہوں گے وہ دوسروں کے لیے راہ عمل ہوں گے۔ باقی امت ان کی پیروی میں چلے گی وہ فقہاء ہیں ہی اس لیے کہ دوسروں کے کام آئیں۔ اخرجت للناس (وہ لوگوں کے لیے میدان میں لائے گئے ہیں) خیر سے مراد امت کا فقیہ ہونا ہے اس کے لیے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی سامنے رکھیے تو خیر کی حقیقت اور واضح ہو جائے گی حضرت معاویہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین۔ [۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ کرے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

مشکوٰۃ نبوت سے جو احادیث ملیں وہ سرمایہ فقہ ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ان کا حامل اور نقل کرنے والا راوی حدیث فقیہ بھی ہو وہ حامل فقہ تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا فقیہ ہونا ضروری نہیں۔ حضرت خاتم النبیینؐ یہ بات بھی فرما گئے:۔

فرُبّ حامل فقہ غیر فقیہ ورُبّ حامل فقہ الیٰ من ھو افقہ منہ۔ [۲]

امت وسط بھی وہی ہے جو باقی تمام لوگوں پر الٰہی دین کا نشان ہو اور اُن کے لیے خود رسول دین کی روشنی اور شہادت ہو۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صلا [۲] رواہ الشافعی واحمد والدارمی والبیہقی فی المدخل

وکذلک جعلناکم امۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (پ البقرہ ۱۴۳)

ترجمہ: تمہیں امتِ وسط اس لیے بنایا ہے کہ تم لوگوں پر (دینِ خداوندی کے) گواہ رہو اور اللہ کے یہ رسول تم پر (دینِ خداوندی کے) گواہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی تربیت اور آپ کے فیضِ صحبت سے اس امت میں فقہاء صحابہؓ کی ایک جماعت اُبھری نظمِ سلطنت میں جس طرح خلفاء راشدینؓ اس امت کے قافلہ سالار ہوئے۔ اسلام کی روشنی ہر دائرہ زندگی میں پہنچانے کے لیے اور منتہائے عالم تک اس شمعِ فروزاں کو باقی رکھنے کے لیے فقہاء صحابہؓ آگے بڑھے۔ یہ حضرات حضور خاتم النبیینؐ سے اس کام کی سند لے کر چلے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس امت میں پھیلتے علم کے چراغ ان ائمہ فقہ کی کاوشوں سے ہی روشن ہیں۔ فقہ کے یہ وہ بارہ امام ہیں کہ اقوام عالم رہتی دُنیا تک ان کے علم کی محتاج رہیں گی اور جہاں بھی علم کا کوئی تارا چمکا اس میں انہی کی شمع فروزاں ضو فشاں ہوگی۔

یُوں تو فقہاء صحابہؓ اور بھی ہوئے لیکن جن صحابہؓ نے فقہ میں شہرت پائی ان میں یہ بارہ بہت ممتاز ہوئے۔ ۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ۔ ۲۔ حضرت ابی ابن کعبؓ۔ ۳۔ حضرت ابوالدرداءؓ ۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ ۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ ۶۔ حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ۔ ۷۔ حضرت علی المرتضیٰؓ۔ ۸۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ ۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ ۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ ۱۱۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ۔ ۱۲۔ اور حضرت معاویہؓ۔

فقہاء کے قول کی پیروی عہدِ صحابہؓ میں بھی ہوتی تھی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مدینہ کے لوگوں نے مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی عورت کو طوافِ افاضہ کے بعد ایام شروع ہو گئے تو وہ واپس ہو سکتی ہے یا طوافِ وداع کے لیے

وہ رُکی رہے۔ انہوں نے فتوے دیا وہ جا سکتی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا فتوے تھا کہ وہ رُکی رہے اور پاک ہونے تک انتظار کرے۔ جب پاک ہو تو طواف وداع کرے اور پھر وطن واپس ہو۔

دیکھیئے عہد صحابہؓ کے دو مجتہدوں کا اختلاف ہے اور لوگ ان کے اقوال کی پیروی کر رہے ہیں اور سب لوگ اپنی جگہ مطمئن ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مجتہد کے قول کی پیروی کرنا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ نہ اس وقت کوئی ایسا گروہ تھا جو کہے کہ فقہاء کے اقوال کی پیروی کیوں کرتے ہو؟ صرف حدیث پر عمل کرو یہ قول کیا لیے پھرتے ہو۔ حدیث نہ ملے تو اپنی مرضی کرو فقہ کی بات نہ لو۔ فقہاء کی پیروی نہ کرو۔

حدیث کا علم مجتہد کے پاس ہوتا ہے اگر وہ حدیث پیش کر دے اور وہ لوگوں کو معلوم ہو اور اس کا معارض بھی کوئی نہ ہو تو پھر دوسرے مجتہد کی بات چھوڑی جا سکتی ہے ورنہ جو لوگ اس دوسرے مجتہد کی پیروی میں لگے ہیں ان کے لیے اس کی پیروی ہرگز کوئی غلط اقدام نہ ہوگا اور دونوں طرف کے مقلدین اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہوں گے۔

یہ بات پختہ ہے کہ عہد صحابہؓ میں مجتہدین کے قول چلتے تھے اور امت میں ان پر عمل ہوتا تھا اور اسے ہرگز کوئی گناہ نہ سمجھا جاتا تھا نہ عوام اس پر عمل کے لیے اس قول مجتہد پر دلیل کا مطالبہ کرتے تھے مجتہد خود اپنی بات پر دلیل پیش کر دے تو یہ اور بات ہے۔ یہاں اتنی بات واضح ہے کہ عوام کے لیے بلاطلبِ دلیل مجتہد کے قول پر عمل کرنا اس عہد میں بھی جاری تھا اور اسے ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:۔

عن عکرمة ان اهل المدينة سالوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد قال اذا قدمتم المدينة فاسئلوا فقدموا المدينة فسألوا فكان فيمن سألوا

ام سلیم فذکرت حدیث صفیۃ رواہ خالد وقتادۃ عن عکرمۃ[1]

ترجمہ: مدینہ کے لوگوں نے حج کے موقعہ پر حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا عورت نے طواف (افاضہ) کر لیا ہے اور اب اسے ایام شروع ہو گئے ہیں۔ آپ نے کہا وہ واپس جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا "ہم آپ کے قول کی پیروی نہ کریں گے"، اور حضرت زیدؓ کے قول کو نہ چھوڑیں گے آپ نے کہا جب تم مدینہ جاؤ تو وہاں پوچھ لینا۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے جن سے پوچھا ان میں ام سلیمؓ بھی تھیں انہوں نے حضرت صفیہؓ کی حدیث بیان کی جسے خالد قتادہ اور عکرمہ نے روایت کیا ہے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ میں مختلف مدارج کے لوگ تھے۔ ا۔ فقیہ بھی تھے اور ۲۔ فقہاء کے قول پر عمل کرنے والے مقلدین بھی۔ جو اپنے اپنے امام کے قول کو فائق سمجھتے تھے۔ یہ اس وقت تک ہوتا تھا جب تک سنت سامنے نہ آئے اور اجتہاد کا موقع رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

وآں جماعت سلیم الفطرت بر منازل شتیٰ بودہ اند طائفہ مخلوق بر استعدادے کہ شبیہ باستعداد انبیاء بودہ نمونہ از نبوت در جوہر طبعیت ایشاں مودع ایشاں سر ذ قرامت آمدند و بشہادت دل آں داعیہ و آں علوم را تلقی نمودہ اند و پارہ از تحقیق نصیب ایشاں شد و طائفہ استعداد تقلید تمام داشتند و قبول انعکاس آں داعیہ و آں علوم نمودند و حصہ از سعادت یافتند وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔[2]

ترجمہ: صحابہؓ کی یہ سلیم الفطرت جماعت کئی درجوں میں تھی۔ ا۔ ان میں ایسے لوگ بھی رہے جن کی قابلیت انبیاء کرام کی قابلیت کے مشابہ ہوا اور انکی

[1] صحیح بخاری جلد ا صـ۲۳۷ [2] ازالۃ الخفاء جلد اول صـ۵۱۶

فطرت میں نبوت کا ایک طور ودیعت کیا گیا ہو. یہ لوگ اس امت کے
سر دفتر ٹھہرے. انہوں نے دل کی شہادت سے نبوت کے اس داعیہ
اور نبوت کے علوم کی تلقی کی اور کچھ مقام تحقیق ان کے نصیب میں ہوگیا اور
۲. دوسرا طبقہ ان میں (صحابہؓ میں) ایسا ہوا جن میں کامل تقلید کی استعداد
جلوہ گر تھی. انہوں نے نبوت کے اس داعیہ کو (جو پہلے گروہ میں ودیعت
ہوا) اور اس کے علوم کو اپنے اندر عکسًا قبول کیا یہ بھی الٰہی سعادت پا
گئے اور جنت کا وعدہ تو قرآن میں سب صحابہؓ کو دیا گیا ہے. پ۲۷ الحدید
وکلا وعد الله الحسنیٰ والله بما تعملون خبیر

اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرامؓ میں تحقیق و تقلید دونوں سلسلے قائم تھے. آگے امت میں جو
مجتہدین اور مقلدین چلے انہوں نے یہ طور دورِ صحابہؓ سے ہی پایا ہے. یہ حقیقت ہے کہ احکام
شرعیہ کا علم انہی دو راہوں سے ہوتا ہے. ۱. تحقیق اور ۲. تقلید سے.

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں ۱۔

علم بہ احکام شرعیہ بہ دو طریق حاصل مے شود. ۱. تقلید و. ۲. تحقیق. و علم انبیاء
از جنس علم تقلیدی اصلًا نیست بلکہ آنچہ ایشاں را ازیں علم بدست آمد. ہمہ
بطریق تحقیق حاصل شد [1]

ترجمہ. احکام شرعیہ کا علم دو طریق سے حاصل ہوتا ہے تقلید سے اور تحقیق
سے. انبیاء کرام کا علم اپنی جنس میں علم تقلیدی نہیں ہوتا انہیں اس راہ
کا جو علم ملتا ہے وہ بہ طریق تحقیق ملتا ہے.

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :.

پس مشابہ با انبیاء دریں فن مجتہدین مقبولین اند. پس ایشاں را از ائمہ فن باید

---

[1] منصب امامت صد ۵۳

شمرد مثل ائمہ اربعہ ... پس گویا مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردیدہ بنا بر علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص و عوام ملقب امام معروف گردید و بقوت اجتہاد موصوف۔[1]

ترجمہ: پس اس فن میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہوئے میں انہیں ائمہ فن شمار کرنا چاہیئے جیسے کہ چار امام ہوئے ..... اس فن میں مشابہت تامہ انہی کو نصیب ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عامہ اہل اسلام میں خواص ہوں یا عوام یہ حضرات ملقب بامام ہوئے اور مجتہد ہونے کی صفت انہی میں پائی گئی ہے۔ پس جب یہ امام ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان کے پیرو بھی ہوں گے)

ائمہ اربعہ سے پہلے جلیل القدر فقہاء صحابہؓ ہوتے دوسرے صحابہؓ نے ان کی پیروی کی اور تابعین بھی برسوں ان کی تقلید میں چلے۔ یہ فقہ کے وہ بارہ امام ہیں کہ امت کا پورا علم فقہ ان کا رہین احسان ہے۔ ان فقہاء صحابہؓ نے امت میں استخراج و استنباط کی راہیں تو کھولیں لیکن وہ قواعد کو مدون نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سعادت بعد کے مجتہدین کے نام لکھی تھی اور ان میں بھی بازی امام ابوحنیفہؒ لے گئے۔

فقہ کے پہلے بارہ امام

(۱) حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۷ھ)

فقہ کا موضوع عقائد نہیں نہ اخلاقیات بلکہ احکام ہیں جو حلال و حرام اور واجبات و مکروہات بیان کرتے ہیں۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ جاننے والا (یعنی فقہ کا سب سے بڑا ماہر) حضرت معاذؓ کو قرار دیا ہے۔

[1] منصب امامت ص۵۳

حضرت انسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعلم بالحلال والحرام معاذ بن جبل۔[1]

حضرت انسؓ یہ بھی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چار شخصوں نے پورا قرآن جمع کیا تھا ان چار میں حضرت معاذؓ بھی تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان چار شخصوں سے قرآن کریم پڑھو

استقرؤا القرآن من اربعة عبدالله بن مسعودؓ فبدأ به وسالم مولیٰ ابی حذیفةؓ وابی بن کعبؓ ومعاذ بن جبلؓ۔[2]

ترجمہ: قرآن کریم ان چار اُستادوں سے لینا ۱۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور آغاز ان سے کیا ۲۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ۳۔ ابی بن کعبؓ ۴۔ معاذ بن جبلؓ۔

اب ظاہر ہے کہ ان حضرات سے دین کی جو بات بھی منقول ہوگی وہ حضورؐ کے اس ارشاد کی روشنی میں آپ ہی کی تعلیم سمجھی جائے گی اور اس کی پیروی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی پیروی شمار ہوگی

حضورؐ کا حضرت معاذؓ کو فقیہ ہونے کی سند دینا

آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا کس طرح فیصلے کیا کرو گے۔ انہوں نے کہا میں فیصلہ کتاب اللہ سے لوں گا، وہاں نہ ملے تو سنّت کی رو سے فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اگر سنت میں بھی نہ ملے تو حضرت معاذؓ نے کہا اجتهد برائی میں اپنی رائے سے استنباط کروں گا۔ اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں اہل الرائے عیب کی نظر سے نہ دیکھے جاتے تھے ورنہ حضورؐ اس پر ضرور نقض فرماتے۔ آپ نے

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ و رواہ احمد ایضاً [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱ صفحہ ۵۳

ان پر اعتراض کرنے کی بجائے فرمایا ۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ ۔ لما یرضٰی بہ رسول اللہ۔[1]

ترجمہ حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے اللہ کے رسول کے ایلچی کو اس بات کی توفیق دی جس سے خدا کا رسول خود راضی ہوا ۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے موضوع پر ایک ایسی ضرورت محسوس کی ہے جس کے لیے قرآن وسنت کی صریح راہنمائی موجود نہ ہو ان میں رائے سے کام لینا اور اجتہاد کرنا اسے لسانِ شریعت نے جائز کہا ہے ۔ سو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے بعد ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ ایک بڑی کھلی گمراہی میں ہیں ۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے مسائل جن میں قرآن وسنت کی صریح رہنمائی موجود نہ ہو ان میں رائے سے کام لینا اور انہیں قرآن وسنت کی جزئیات میں سے کسی جزئی پر قیاس کرنا ہرگز کوئی عیب نہیں نہ ان دونوں دینی رائے کو کوئی عیب سمجھا جاتا تھا ۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ مجتہد درجے کے صحابی تھے ۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اجتہاد کی اجازت دی تھی اور دوسروں کے لیے آپ کے اجتہاد کو آپ نے واجب القبول ٹھہرایا تھا جو مجتہد نہیں اس کے لیے ضروری قرار پایا کہ وہ ان علمائے امت کی پیروی کرے جو اجتہاد کا درجہ رکھنے والے فقیہ ہوں ۔ دوسرے لوگ ان کے فیصلوں پر چلیں ۔ یہی ایک تقلید کی راہ ہے

اس حدیث کی سند میں عن اناس من اھل حمص کے الفاظ ملتے ہیں حافظ ابن قیمؒ نے اس کی یوں وضاحت کی ہے :-

عبادہ بن نسیؒ عن عبدالرحمٰن بن غنم عن معاذ ۔

اور پھر اس اسناد کی یوں توثیق کی ہے ۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ا ص۱۵۹ مسند امام احمد سنن ابی داؤد ص سنن دارمی

وھذا اسناد متصل ورجالہ معروفون بالثقۃ۔[1]

نواب صدیق حسن خاں نے تفسیر فتح البیان میں قاضی شوکانیؒ سے اس کا صالح للاحتجاج ہونا اس طرح نقل کیا ہے :۔

وھو حدیث صالح للاحتجاج بہ کما اوضحہ الشوکانی ذلک فی بحث مفرد۔[2]

حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :۔

وحدیث معاذ صحیح مشہور رواہ الائمۃ لعدول۔[3]

اب حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) کے الفاظ بھی سُن لیں :۔

ھذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید۔[4]

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت معاذؓ کے مجتہد ہونے کی نص ٹھہرتی ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اب یمن کے لوگ ان کی پیروی میں چلیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقعہ پر فرمایا :۔

انّ معاذاً قدسن لکم سنۃ کذلک فافعلوا۔[5]

ترجمہ۔ معاذؓ نے بے شک تمہارے لیے ایک راہ قائم کر دی ہے اب تم اس کی اقتداء میں چلو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں اس دور سے ہی فقہاء صحابہ کی پیروی چلی آ رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت معاذؓ کو فقیہ ہونے کی سند دینا

حافظ ذہبی نقل کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا اس میں فرمایا :۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۱۶۶ [2] تفسیر فتح البیان بہامش ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۴ [3] جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۵۵
[4] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳ [5] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۷۴، فتح القدیر جلد ۲ صفحہ

من اراد ان یسأل عن الفقه فلیأت معاذاً۔[1]

ترجمہ: جو شخص فقہ کی کوئی بات پوچھنا چاہے وہ حضرت معاذؓ کے پاس آئے

اس پس منظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی فقہی رائے محض ایک رائے قرار دے کر رد نہیں کی جاسکتی۔ ان کی فقہی آراء غیر مجتہدین کے لیے خود ایک شاہراہ ہے جو کتاب و سنت میں لپٹے مضامین کو اس نئے دور میں ہر موقع ضرورت پر واضح کر رہی ہے۔

حافظ ذہبی حضرت معاذؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

کان من نجباء الصحابة وفقہائھم۔[2]

ترجمہ: آپ اشرف درجے کے صحابی تھے اور صحابہؓ میں جو لوگ فقہاء تھے آپ ان میں سے تھے۔

آپ ہی فیصلہ کریں کہ صحابہؓ کے عہد میں فقہ کی کس درجے میں عظمت تھی اور فقہاء صحابہ کس اعتماد سے قوم کے امام سمجھے جاتے تھے

عن الاسود بن یزید قال اتانا معاذ بن جبل بالیمن معلماً او امیراً فسألناہ عن رجل توفی وترک ابنتہ واختہ فاعطی الابنة النصف والاخت النصف۔[3]

ترجمہ: اسود بن یزید کہتے ہیں حضرت معاذؓ ہمارے ہاں یمن میں معلم یا امیر ہو کر آئے ہم نے آپ سے پوچھا ایک شخص فوت ہوگیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن وارثوں میں چھوڑی۔ آپ نے اس کے ترکہ کا ایک نصف بیٹی کو اور دوسرا نصف بہن کو دلوایا۔

حضرت معاذؓ نے جب یہ فتوے دیا تو کیا کسی نے ان سے اس مسئلہ پر دلیل مانگی؟ یا اعتماداً بلا طلب دلیل اسے قبول کیا؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تابعین حضرات صحابہ کرامؓ سے فتوے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۰ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۸ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۷

لیتے تھے اور ان سے اس وقت دلیل کا مطالبہ نہ کیا جاتا تھا۔ امت اس دور میں بھی فقہاء پر اعتماد کرتی تھی اور امت میں اس انداز میں تقلید اس وقت بھی جاری تھی ایک مثال لیجئے:

حضرت معاذ بن جبلؓ کا مسلک یہ تھا کہ کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ آپ کا اجتہاد اس آیت کی روشنی میں تھا۔

ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا (پ النساء ۱۴۱)

ترجمہ: اور اللہ ہرگز نہ دے گا کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی کوئی راہ

مسلمان بایں طور کہ اصل مالک روئے زمین کے وہی ہیں ۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعًا ۔ اور جو کچھ کفار کے پاس ہے وہ بھی من حیث الاصل مسلمانوں کا ہی حق تھا جس پر انہوں بلطائف الحیل قبضہ کر رکھا ہے۔ سو اگر کسی بھی عنوان سے کافروں کا مال مسلمانوں کو ملتا ہے تو مسلمانوں کی طرف سے نہ نہیں ہونی چاہیئے حق بقدر رسید کسی کافر کا بیٹا مقتدا ہے وہ اپنے باپ کا مال کیوں کسی کے پاس جانے دے۔ علامہ عینی اس اختلاف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

واما المسلم فھل یرث من الکافر ام لا فقالت عامة الصحابة رضی اللہ عنھم لا یرث وبہ اخذ علماءنا وھذا استحسان والقیاس ان یرث وھو قول معاذ بن جبل ومعاویة بن ابی سفیان وبہ اخذ مسروق و محمد بن الحنفیة ومحمد بن علی بن الحسین [1]

ترجمہ: مسلم کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جمہور صحابہ کرامؓ اس کے قائل ہیں کہ مسلم اس کا وارث نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ہاں یہی مسئلہ ہے اور یہ فیصلہ بطریق استحسان ہے اور قیاس مقتضی ہے کہ وہ وارث ہے۔ صحابہؓ میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہؓ کا فتوےٰ بھی یہی ہے اور تابعین میں امام

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۲۳ صفحہ ۲۶۱

مسروق، امام محمد بن حنفیہ اور امام باقر کی رائے بھی یہی ہے۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے دورِ حکومت میں اگر اپنے اس فتوے پر عمل کیا تو یہ بطور ایک مجتہد ان کی رائے تھی اور کئی دوسرے مجتہدین بھی اس میں ان کے ساتھ تھے۔ سو اسے بدعت کہنا کسی طرح درست نہیں۔ بدعت کا دور تو صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ صحابہؓ کی بات کیسے بدعت ہو سکتی ہے۔ ان کی اتباع فرقہ ناجیہ کا نشان ہے۔ ما انا علیہ واصحابی۔ وہ خود بدعت کا مورد کیسے بن سکتے ہیں۔

② حضرت اُبی بن کعبؓ (۱۹ھ)

آپؓ انصار میں سے ہیں اور قرآن کریم پڑھنے میں صفِ اوّل کی فضیلت رکھتے ہیں۔ خود حضورؐ نے فرمایا:۔

اقرأهم ابی بن کعبؓ۔

پوری امت میں آپ سید القراء سمجھے جاتے ہیں۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو صحابہؓ فقہ میں ممتاز سمجھے جاتے تھے اور فتوے دیتے تھے۔ آپ ان میں سے ایک ہیں۔

مسروق تابعیؒ (۶۲ھ) کہتے ہیں آپ ان چھ صحابہؓ میں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتوے دیتے تھے۔[2]

خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

احد الفقہاء الذین کانوا یفتون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

جس دن آپ کی وفات ہوئی حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

الیوم مات سید المسلمین۔ آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔[4]

---

[1] الاصابہ ص۱۹ [2] ایضاً [3] الاکمال ص۵۹ [4] تذکرہ جلد ۱ ص۱۶

حضرت عمرؓ کی زبان سے ان الفاظ میں خراج تحسین ان کی واقعی فضیلت کا پتہ دیتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابہؓ میں سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سوید بن غفلہ اور حضرت ابوہریرہؓ آپ کے شاگردوں میں تھے۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ سید المہاجرین مانے گئے ہیں حضرت ابیؓ سید الانصار تھے۔ آپ اپنے شاگردوں کو جب اجتہاد کرنے کی اجازت دیتے تو فرماتے خود اجتہاد کرنے سے پہلے دوسرے مجتہدین کی آراء کو بھی دیکھ لیا کرو پھر کوئی موقف اختیار کرو۔ پہلے مجتہدین کے فیصلوں کو جانے بغیر تم کیا اجتہاد کر سکو گے۔ امام بیہقی مسلمہ بن خالد سے نقل کرتے ہیں :-

عن مسلمة بن خالد انه قام على زيد بن ثابت فقال يا ابن عم اكرهنا على القضاء فقال زيد اقض بكتاب الله عز وجل فان لم يكن فى كتاب الله ففى سنة النبى صلى الله عليه وسلم فان لم يكن فى سنة صلى الله عليه وسلم فادع اهل الراى ثم اجتهد واختر لنفسك ولا حرج[1]

اس سے پتہ چلا کہ مجتہدین کے فیصلوں پر نگاہ رکھنا پھر اجتہاد کرنا اور اپنی رائے قائم کرنا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس عبارت میں لفظ اہل الرای اور کھل کر سامنے آتا ہے ہر عالم اس درجے میں نہیں ہوتا کہ اسے اہل الرای میں شمار کیا جا سکے۔ اہل الرای انتہائی بلند پایہ علمی پایہ ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت ابیؓ کا ایک اجتہاد اور حضورؐ سے اس کی تصویب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رمضان تین رات مسجد میں تراویح کی جماعت کرائی پھر آپ اس کے لیے اگلی رات نہ نکلے صحابہؓ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا :-

[1] سنن کبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۵

فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم. [1]

ترجمہ. مجھے تراویح پڑھانے کے لیے نکلنے سے کسی اور بات نے نہیں روکا سوائے اس کے مجھے ڈر لگا کہیں یہ نماز بھی تم پر فرض نہ ہو جائے.

خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به. [2]

ترجمہ. مجھے ڈر لگا کہ یہ نماز تم پر فرض ہو جائے اور اگر یہ فرض ہو جاتی تم اسے قائم نہ کر سکتے.

یہاں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جو اس نماز کو جماعت سے ادا کرنا چھوڑا تو کیا اسے ناپسند کرتے ہوئے چھوڑا یا امت پر شفقت آپ کو اس مقام پر لے آئی؟ یہ صحیح ہے کہ مردوں کے لیے فرض نمازوں کے سوا باقی نمازیں گھر پر پڑھنی بہتر ہیں لیکن اگر کسی کو پورا قرآن کریم یاد نہ ہو اور وہ رمضان میں اسے ختم کرنا تو تراویح بالجماعۃ کے سوا چارہ نہیں. ان حالات میں مسئلہ زیر بحث بہت گہرا ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کا تراویح بالجماعۃ کو ترک کرنا اس عمل کی ناپسندیدگی کی وجہ سے نہ تھا. اس میں امت کی رعایت اور اس پر شفقت مقصود تھی. ان دونوں پہلوؤں پر آپ غور کریں اور فیصلہ دیں.

حضرت ابی بن کعبؓ نے دوسری جانب اختیار کی تھی اور مسجد میں تراویح کی جماعت باقی رکھی. یہ چونکہ حضورؐ کی اجازت کے بغیر تھا اس لیے حضرت ابی بن کعبؓ محراب میں کھڑے نہ ہوئے ایک کونے میں جماعت کراتے رہے. آپ کو دیکھ کر تراویح کی کچھ اور جماعتیں بھی ہونے لگیں.

ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُدھر آ نکلے اور تراویح کی ان جماعتوں کو دیکھا حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:-

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا اناس فی رمضان یصلون فی

---

[1] مشکوٰۃ صـ۱۱۴ [2] متفق علیہ

ناحية المسجد فقال ما هؤلاء فقيل هؤلاء ناس ليس معهم قرآن وابى

بن كعب يصلى بهم ويصلون بصلاته فقال رسول الله صلى الله

عليه وسلم اصابوا ونعم ما صنعوا۔ [1]

ترجمہ۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ

لوگ رمضان میں مسجد کے ایک طرف تراویح پڑھ رہے ہیں آپ نے پوچھا کہ

یہ کیوں جمع ہیں؟ عرض کیا گیا ان لوگوں کو قرآن یاد نہیں اور ابی بن کعبؓ ان

کو نماز تراویح پڑھا رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے

ٹھیک کیا ہے اور اچھا عمل ہے جو انہوں نے کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ مسجد میں تراویح بالجماعۃ سرے سے متروک نہ ہوئی تھی آنحضرتؐ کے

نہ پڑھانے کے باوجود یہ سلسلہ کچھ نہ کچھ چلتا رہا تھا اور صحابہ کرامؓ نے جس بات کو اجتہاداً اختیار

فرمایا لسانِ رسالت نے پھر اس کی تائید بھی کر دی اور اس وقت سے اب تک مسلمانوں میں

برابر جاری ہے اور تراویح جماعت سے پڑھی جا رہی ہیں۔

آنحضرتؐ نے جو تین رات تراویح پڑھائی ہر رات کتنی رکعات پڑھیں کسی صحیح الاسناد

حدیث سے ان کا عدد متعین نہیں ملتا۔

(۱) ومن ظن ان قيام رمضان فيه عدد موقت عن النبى صلى الله عليه وسلم لا يزاد

ولا ينقص منه فقد اخطأ۔ [2]

ترجمہ۔ اور جن لوگوں نے گمان کیا کہ قیام رمضان میں حضورؐ کی طرف سے کوئی طے

شدہ رکعات ملتی ہیں جن میں کمی بیشی نہ ہو اس نے ایسا سمجھنے میں خطا کی ہے۔

(۲) اعلم انه لم ينقل كم صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى تلك الليالى هل

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ مختصر قیام اللیل صفحہ ۹۱ و فی روایۃ مسلم بن خالد و قد تکلم فیہ [2] فتاوے

ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ [3] شرح المنہاج صفحہ

هو عشرون او اقل [1]

ترجمہ۔ جان لو کہ ان راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت تراویح پڑھی تھی یا کم حضورؐ سے اس باب میں کوئی عدد منقول نہیں۔

(۲) ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذلك من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیه [2]

ترجمہ۔ علماء میں تراویح کی رکعات میں اختلاف ہے۔ آنحضرتؐ سے اگر اس میں کوئی عدد معین ملتا تو آپس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

(۳) انتصر الصلوٰۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین وتخصیصها بقرأۃ مخصوصة لم ترد به سنة [3]

ترجمہ۔ تراویح کو کسی عدد معین اور کسی مخصوص قرأت پر بند کرنا سنت سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔

(۵) ولم یأت تعین العدد فی الروایات الصحیحة المرفوعة لکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیرہ رواہ مسلم۔ ان عددها کثیر [4]

(۶) مشہور اہل حدیث عالم نور الحسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:۔

بالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ۔ [5]

بعض غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ یہ پانچوں علماء جھوٹ بول رہے ہیں حدیثِ عائشہؓ میں گیارہ رکعت کا ثبوت موجود ہے۔ علماء کبار کے خلاف بہت بڑی جرأت ہے۔

البتہ محمد بن نصر مروزی نے کچھ ضعیف روایات سے حضرت جابرؓ کی سند سے ایک رات

---

[1] شرح المنہاج صہ [2] زجاجۃ المصابیح عن جلال الدین سیوطی صہ۲ [3] نیل الاوطار للشوکانی جلد ۲ صہ ۲۹
[4] انتقاد الرجیح صہ ۶۱ [5] العرف الجادی صہ ۸۴

آٹھ رکعت پڑھنا نقل پڑھنا نقل کیا ہے اس کے راوی محمد بن حمید الرازی اور عیسیٰ بن جاریہ دونوں ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نے تین راتوں میں سے کسی میں آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہوتیں تو آپ کی اس مسجد میں اسلام کی اس چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی رمضان میں تو آٹھ رکعت تطوع پڑھائی گئی ہوتیں ـــــ اس کے برعکس ہم اب تک خانہ کعبہ میں اور مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح کی جماعت ہی دیکھتے آرہے ہیں۔ تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں ملتا جب ان دو بڑی مسجدوں میں تراویح بالجماعۃ کبھی آٹھ رکعت پڑی گئی ہو۔

ایک قابل غور نکتہ

آنحضرتؐ سے تو ان راتوں کے بارے میں ایک صحیح روایت بھی تعداد رکعت کی نہیں ملتی۔ البتہ حضرت ابی بن کعبؓ کو جو حضورؐ نے تراویح کی جماعت کراتے دیکھا اور آپ نے ان کی تصویب و تحسین فرمائی۔ حضرت ابیؓ سے جو تعداد رکعات کی ملے گی وہ عدد من وجہ آنحضرتؐ کا تائید یافتہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ حضورؐ آپ کی تراویح کی تصویب فرما چکے ہیں۔

عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ و یوتر بثلٰث [۱]

ترجمہ حضرت ابی بن کعبؓ مدینہ شریف میں رمضان میں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

جب حضورؐ نے حضرت ابیؓ کی نماز تراویح کی تصویب فرمائی تو کیا بیس کا یہ عدد (عشرین) حضورؐ کا پسند کردہ سمجھا جائے گا؟ اس پر غور فرماویں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جب بھران اوزاع متفرقہ کو ایک امام (اور وہ بھی حضرت ابیؓ ہی تھے) پر جمع کیا اور اسے تمام صحابہؓ نے قبول کیا۔ تو اب یہ دیکھیں کہ حضرت عمرؓ

[۱] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ صـ ۱۶۳

کتنی رکعات تراویح کا حکم دیتے ہیں :-

عن یحیٰی بن سعید ان عمر بن الخطابؓ امر رجلاً یصلّی بھم عشرین رکعۃ[1]

ترجمہ: یحیٰی بن سعیدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ انہیں بیس رکعات تراویح پڑھائیں

حضرت عروہ بن الزبیر بھی کہتے ہیں :-

ان عمر بن الخطاب امر ابیًّا ان یصلّی بالناس فی شہر رمضان[2]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھائیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تراویح بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں یہ ایک ملکی سطح کی خبر ہے حکومت کے ایسے فیصلے خبر مستفیض بن کر پھیلتے ہیں۔ انفرادی خبروں میں تو اتصالِ رواۃ کی ضرورت پڑتی ہے لیکن خلافت کے فیصلوں کو آگے نقل کرنے والے رواۃ اگر علماء ثقات اور ائمہ فقہاء میں سے ہوں تو ان کی نقل کردہ خبر مستفیض اتصالِ زمانہ کی محتاج نہ ہوگی۔

یحیٰی بن سعید انصاری (شاگردِ خاص حضرت انس بن مالکؓ) جیسے امام علم کا حضرت عمرؓ کی بات نقل کرنا یا یزید بن رومان کا حضرت عمرؓ کے دور کی بات نقل کرنا کم علمی شہادتیں نہیں ہیں کیا ان کی روایات کو امام مالکؒ نے قبول نہیں کیا؟ اور اپنے موطا میں انہیں جگہ نہیں دی؟ اور کیا اس پر علماء فن کا اتفاق نہیں سمجھا کہ موطا اہلِ حجاز کی اتفاق یافتہ کتاب ہے۔

سنن ابن داؤد کی بھی ایک روایت سے حضرت ابی بن کعبؓ کی نماز تراویح بیس رکعت ثابت ہوتی ہے :-

عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعبؓ فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔[3]

---

[1] المصنف جلد ۲ صد ۱۶۳ [2] ایضاً جلد ۲ صد ۱۶۵ [3] سنن ابی داؤد جلد ۱ صد ۲۰۲ باب القنوت فی الوتر

ترجمہ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے پُوری قوم کو ابی بن کعبؓ پر جمع کیا وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

افسوس کہ آج سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں اس لفظ عشرین رکعۃ کو عشرین لیلۃ سے بدل دیا گیا ہے[۱] آیئے ہم آپ کو آٹھویں صدی ہجری میں لے چلیں اور اس دور کے نسخہ سنن ابی داؤد کا پتہ دیں اس میں کیا الفاظ تھے؟ مشائخ سعودی کے جلیل القدر امام فقہ حافظ ابن قدامہ الحنبلی (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ان عمر لما جمع الناس علی ابی بن کعب کان یصلی لھم عشرین رکعۃ[۲]

ترجمہ حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو (تراویح کے لیے) حضرت ابیؓ پر جمع کیا تو وہ آپ کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

جب اس پُرانے نسخے میں بھی عشرین رکعۃ کے الفاظ ہی ہیں تو یہ بات واضح ہے کہ آج جن نسخوں میں اسے عشرین لیلۃ کردیا گیا ہے یہ تحریف ہے جو بیس رکعت تراویح کے خلاف کی گئی ہے۔ اس پر بھی اطمینان نہ ہو تو حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) کی تاریخ دول الاسلام میں اسے ابوداؤد کے حوالہ سے دیکھ لیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد کا یہ تسلسل بیس رکعت تراویح کچھ اس انداز سے چلا کہ امت میں ایک حلقہ اہل علم بھی ایسا نہ رہا کہ جو بیس رکعت سے کم تراویح کا قائل ہو، یہاں تک کہ ہم حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مکہ اور مدینہ کا یہ تعامل بیس رکعت عراق پہنچ کر بھی بیس ہی رہا۔

---

[۱] مولانا وحید الزمان کے ترجمہ میں جسے اسلامک اکیڈمی اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے اس کے جلد اصـ۵۲۵ پر عشرین رکعۃ کو عشرین لیلۃ بنا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ آپ قنوت نصف اخیر میں پڑھتے تھے اگر آپ کا یہ قنوت پڑھنا نصف آخر میں تھا تو نصف آخر سے پہلے بیس رکعت کیسے ہوگئیں کیا رمضان سوا مہینے کا ہوتا ہے؟ [۲] المغنی جلد اصـ۸۰۳

حضرت علیؓ کے دور میں تراویح کی رکعات؟

عن ابن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً یصلی بھم عشرین رکعۃ [1]

ترجمہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) پڑھائے۔

ابوالحسناء دو ہیں ایک جو حضرت علیؓ کے شاگرد تھے اور دوسرے حضرت علیؓ کے شاگرد حکم بن عتیبہ کے شاگرد تھے یہ شریک نخعی کے استاد تھے۔ (کمافی التہذیب)

جو ابوالحسناء حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں ان سے ابوسعید بقال اور عمرو بن قیس نے روایت لی ہے۔ سوابن حجر کا اسے مجہول کہنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے مستورالحال کہا جاسکے گا اور ظاہر ہے کہ مستورالحال کی روایت ایک جماعت محدثین کے نزدیک لائق قبول ہے۔

حضرت علیؓ کے شاگردوں میں شتیر بن شکل بھی بیس رکعت تراویح ہی پڑھاتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کی بیس رکعت والی جملہ روایات صحیح ہیں۔ اگر کسی میں سند کا ضعف ہے تو وہ ان قرائن سے منجبر ہو جاتا ہے۔

عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلث۔ [1]

ترجمہ شتیر بن شکل سے جو حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے ہیں مروی ہے کہ آپ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت ابی بن کعبؓ کی قبولیت

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے کہا۔

[1] سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۹۳

ان اللّٰہ امرنی ان اقرأ علیک لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب[۱]

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن کی یہ سورت پڑھوں۔

حضرت ابی نے متعجب ہو کر پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ کو کہا ہے؟ (قال وسمانی؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نعم (ہاں)

۴ سید العلماء حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ)

جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس امت میں فقیہ الامت کے طور پر معروف ہیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ فقیہ اہل شام اس امت کے حکیم الامت مانے گئے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت چار صحابی پورے قرآن کے حافظ تھے۔

۱۔ حضرت ابوالدرداءؓ ۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ۳۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۴۔ حضرت ابوزیدؓ۔[۱]

حضرت انسؓ کی یہ بات حضرات انصار کے بارے میں ہے۔ مہاجرین کے حفاظ کرام ان کے علاوہ تھے جنگ یمامہ میں ستر کے قریب حافظ قرآن شہید ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حفاظ قرآن ان دنوں بڑی تعداد میں موجود تھے

مشہور تابعی حضرت مسروقؒ (۶۱ھ) فرماتے ہیں:۔

ترجمہ میں نے محسوس کیا کہ آنحضرتؐ کے جملہ صحابہؓ کا علم ان چھ میں سمٹ آیا ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ ۲۔ حضرت علیؓ ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۴۔ حضرت معاذ بن جبلؓ
۵۔ حضرت ابوالدرداءؓ ۶۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔[۳]

آپ کا اعزاز یہ ہے کہ آپ نے قرآن کریم براہ راست حضورؐ سے حفظ کیا تھا

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱۵ [۲] العبر جلد ۱ ص ۲۹ [۳] تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عراق کے سب سے بڑے اُستاد مانے گئے ہیں حضرت ابوالدرداءؓ صحابہ میں شام کے مرکزی عالم تسلیم کیے گئے ہیں اور وہاں جو علم پھیلا وہ آپ کے علم و معارف کا ہی پَرتو تھا۔ حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:-

آپ شام کے فقیہ اور قاضی بھی تھے۔[1]

شام کے مجتہد امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) جن کی ان بلاد میں مدتوں تقلید کی جاتی رہی ہے انہی کے علمی جانشین تھے۔ فقیہ مصر حضرت لیث بن سعدؒ (۱۷۵ھ) روایت کرتے ہیں حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ اس قدر علماء و فضلاء چلتے جیسے کسی بادشاہ کے خدم و حشم ساتھ چل رہے ہوں۔ (تذکرہ الذہبیؒ)

حضرت ابُوالدرداءؓ کے اجتہاد کی ایک اور مثال

حضرت ابوالدرداءؓ حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آپؐ سے پُوچھا کہ یارسول اللہ فی الصلوٰۃ قرآن۔ کیا نماز میں قرآن پاک بھی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہے۔ ایک انصاری نے کہا۔ وَجَبَتْ یہ ضروری ہے یعنی نماز میں قرآن پڑھا جانا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس پر حضورؐ حضرت ابوالدرداءؓ کی طرف متوجہ ہوئے — اور لوگوں کی نسبت آپؓ حضورؐ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے — آپ نے حضورؐ کی موجودگی میں کہا:

ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفاھم۔[2]

ترجمہ۔ امام کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ (قرآن پڑھنے میں) انہیں کافی ہوگا (یعنی مقتدی کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں)۔

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صہ [2] سنن نسائی جلد ۱ صہ ۱۰۶ سنن کبریٰ جلد ۱ صہ ۳۴۱

آنحضرتؐ کے سامنے حضرت ابوالدرداءؓ کا یہ فتوےٰ دینا آنحضرتؐ سے اس بات کی تصدیق ہے کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا بھی ہے اور امام کا پڑھا اسے کافی ہو جاتا ہے۔ حضورؐ کے سامنے کوئی بات کہی جائے اور حضورؐ اس پر انکار نہ فرمائیں تو اسے محدثین کے ہاں حدیث نبوی ہی مانا جاتا ہے اسے صرف قول صحابی نہیں سمجھا جاتا۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:۔

فھذا ابو الدرداء قد سمع من النبی فی کل صلوٰۃ قران فقال رجل من الانصار وجبت فلم ینکر ذٰلک رسول اللہ من قول الانصاری ثم قال ابو الدرداء وبعد من رایہ ما قال وکان ذٰلک عندہ علی من یصلی وحدہ وعلی الامام لا علی المامومین۔[1]

ترجمہ۔ یہ حضرت ابوالدرداءؓ ہیں جنہوں نے نبی پاک سے یہ بات سن رکھی تھی کہ ہر نماز میں قرآن پڑھنا ضروری ہے۔ ایک انصاری نے کہا تھا واجب ہے اور رسول اللہؐ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ پھر ابوالدرداءؓ نے اپنی رائے سے کہا جو کہا اور ان کے ہاں حضورؐ کا یہ ارشاد کہ ہر نماز میں قرآن پڑھنا ضروری ہے اکیلے نمازی اور امام کے بارے میں سمجھا جائے گا مقتدیوں کے بارے میں نہیں (ان کے لیے امام کا پڑھنا کافی ہے)

اور اگر یہ سمجھا جائے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے مذکور جملہ حضورؐ کے سامنے نہیں کہا اور یہ بات ان کا اپنا اجتہاد تھا تو بھی اس سے اتنی بات ضرور واضح ہے کہ آپ نے حضورؐ کے اس ارشاد کہ ہر نماز میں قرآن آنا لازمی ہے کو اکیلے نمازی یا امام پر محمول کیا ہے۔ آپ مقتدیوں کو اس حدیث کے عموم میں نہیں لائے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے حضرت ابوالدرداءؓ کس اونچے درجے کے فقیہ اور مجتہد

---

[1] شرح معانی الآثار جلد ۱ صفحہ ۱۰۶

تھے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی اجازت سے فتوے دیتے تھے آپ کا موقف یہ ہے کہ نماز میں قرآن پڑھنے کی جملہ روایات صرف امام کے متعلق ہیں یا اکیلے کے بارے میں ہیں مقتدی کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ اصالۃً قرآن پڑھے. وہ سورت فاتحہ ہو یا ما زاد علی الفاتحہ

امام احمد بن حنبل رح کو دیکھئے کس اونچے درجے کے مجتہد ہیں. آپ بھی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القران کا معنی یہی بیان کرتے ہیں۔

ان ھذا اذا کان وحدہ ۔ (جامع ترمذی جلد ا ص۴۲)

حضرت سفیان عیینہ رح کی حدیث میں جلالت قدر کو دیکھو. آپ کس وضاحت سے فرماتے ہیں۔

لمن یصلی وحدہ ۔ (سنن ابو داؤد جلد ا ص۱۱۹)

امام بخاری بے شک اس حدیث کو مقتدیوں پر بھی لائے ہیں مگر امام ترمذی رح نے آپ کی تردید کر دی ہے اور کہا ہے کہ یہ تشدد ہے۔

وشدد قوم من اھل العلم فی ترک قرأۃ فاتحۃ الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لا تجزئ صلوٰۃ الا بقرأۃ فاتحۃ الکتاب وحدہ کان او خلف الامام [1]

ترجمہ. اور کچھ لوگوں نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کے بارے میں تشدد اختیار کیا ہے. کو وہ (نمازی) امام کے پیچھے ہو وہ کہتے ہیں بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اکیلا ہو یا مقتدی۔

محدثین کا اس موقف کو تشدد قرار دینا بتلاتا ہے کہ اس وقت اس مسئلہ میں عامہ اہل علم کا موقف کچھ اور تھا؟

ہمیں اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں ہم یہاں صرف حضرت ابو الدرداء رض کی علمی

---

[1] جامع ترمذی جلد ا ص۴۲ طبع دوم جلد ا ص۷۱

عظمت اور مجتہدانہ شان کا ذکر کر رہے ہیں کہ آپ نے کس طرح اس حدیث کے عموم سے مقتدی کو نکال دیا اور حق یہ ہے کہ انہوں نے صحیح بات کو پالیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت ابُوالدرداء کے ایمان و یقین کا ایک واقعہ

حضرت طلقؒ کہتے ہیں ایک شخص نے آپ کو اطلاع دی کہ آپ کے مکان کو آگ لگ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی یہی کہا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی وہی اطلاع دی۔ آپ نے اسے بھی کہا۔ ایسا نہیں ہوا۔
پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا۔ اس جگہ آگ ضرور لگی اور آگ کے شعلے بہت بلند ہوئے مگر آپ کا مکان بچا رہا اسے آگ نہ لگی۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایسا نہ کرے گا۔ کیونکہ میں نے حضورؐ سے سُنا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھ لے وہ شام تک اس کی حفاظت میں رہتا ہے میں نے صبح وہ کلمات پڑھ لیے تھے۔

وہ کلمات یہ ہیں :-

اللّٰھم انت ربی لا الٰہ الا انت. علیك توکلت وانت رب العرش الکریم. ما شاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم. اعلم ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر. وان اللہ قد احاط بکل شیء علما. اللّٰھم انی اعوذ بك من شر نفسی ومن شر کل دابۃ انت اٰخذ بناصیتھا ان ربی علیٰ صراط مستقیم.

④ امامِ ربانی حضرت عبداللہ بن مسعود الہذلیؓ (۳۲ھ)

آپ کی دو کنیتیں ہیں. ۱. ابوعبدالرحمٰن. ۲. ابن امِ عبد. سابقین اولین میں سے ہیں. جنگ بدر میں شریک ہوئے حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں آپ کا شمار ہدایت کے امام اور علم کا خزانہ رکھنے والے چوٹی کے صحابہ میں ہوتا ہے. (تذکرہ)

طبیعت میں انتہائی انکسار تھا یہی وجہ ہے کہ کبر و غرور کا سب سے بڑا دیو ابوجہل آپ کے ہاتھوں سے مارا گیا ایک رات آنحضرتؐ نے انہیں دُعا کرتے ہوئے سُنا تو فرمایا عبداللہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگو گے مل جائے گا.

اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے آپ کو اس ارشادِ نبویؐ کی بشارت دی. کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :-

من احبّ ان یقرأ القراٰن غضاً کما انزل فلیقرأ علی قرأۃ ابن ام عبد[1]

ترجمہ. جو شخص قرآن کریم کو اسی طرح تازہ بتازہ پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ اُترا ہے تو وہ ام عبد کی قرأت پر پڑھے.

حضرت عمرؓ نے جب عراق میں کوفہ کی چھاؤنی قائم کی اور وہاں نہایت اونچے درجہ کے لوگوں کو جو عرب کا دماغ سمجھے جاتے تھے آباد کیا تو آپ نے اہلِ کوفہ کے نام ایک خط میں لکھا :-

تم عرب کا دماغ اور ان کے سر کی چوٹی ہو..... میں تمہارے پاس عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم بنا کر بھیج رہا ہوں. بخدا میں نے عبداللہ کو تمہارے پاس بھیج کر تمہیں اپنے اُوپر ترجیح دی ہے (ورنہ میں انہیں اپنے پاس رکھتا) (رواہ الحاکم فی المستدرک)

---

[1] سنن ابن ماجہ صہ۱۳

حافظ ذہبیؒ نے اسے اس طرح نقل کیا ہے۔

میں نے عمار بن یاسرؓ کو تم پر گورنر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابی ہیں ان سے علم سیکھو ان کی اقتدا کرو اور میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو بھیج کر تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔[۱]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں آپ حدیث بیان کرنے میں بے حد محتاط اور روایت کے سلسلہ میں کڑی شرائط رکھتے تھے۔ جب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث شروع کرتے تو آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا آپ نے قرآن پاک خود آنحضرتؐ سے پڑھا اور یہ وہ شرف ہے کہ صحابہؓ میں بھی کسی کسی کو نصیب رہا۔ آپ کے تلامذہ علم و فضل میں کسی دوسرے صحابی کو آپ پر فضیلت نہ دیتے تھے۔ آپ چونکہ خود حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی برتری کے قائل تھے اس لیے قرآن وسنت کے بعد ان لوگوں کی پیروی کو بھی اپنے لیے حق کی راہ جانتے تھے۔ آپ کہتے اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملے تو ہم لوگوں کی پیروی کی جائے۔

آپ فرماتے ہیں :-

فلیقض بما قضی به الصالحون[۲]

ترجمہ۔ اس صورت میں پہلے صالحین کا فیصلہ اختیار کرنا چاہیئے۔

معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی صالحینِ امت کی پیروی کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔

عراق کی دینی مسند آپ سے آباد ہوئی مگر آنحضرتؐ سے تعلق اتنا گہرا تھا کہ وفات سے کچھ دن پہلے مدینہ منورہ آ گئے اور وہیں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے کس قدر مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں آخری آرامگاہ کے طور پر مدینہ منورہ کی پاک مٹی نصیب ہوئی۔

؎ وہ کہاں یہ رتبہ مشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

---

[۱] تذکرہ جلد ا صفحہ ۱۶ [۲] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵

آنحضرتؐ سے قرب و ربط

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا جب وہ اور ان کے بھائی یمن سے واپس آئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس قدر آتے جاتے دیکھا گویا آپ ان کے گھر کے فرد ہوں۔ آنحضرتؐ سے اس قدر قرب و ربط کس کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ دونوں حضرات اس پر حیران تھے۔ یہ خدا کی دین ہے وہ جسے چاہے دے۔

عن ابی اسحٰق حدثنی الاسود بن یزید قال سمعت ابا موسی الاشعریؓ یقول قدمت انا واخی من الیمن فمکثنا حینا ما نری الا ان عبد اللہ بن مسعودؓ رجل من اھل بیت النبیؐ لما نری من دخولہ و دخول امہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ترجمہ۔ ابوموسیٰ الاشعریؓ کہتے ہیں میں اور میرا بھائی جب یمن سے آئے اور مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ آپ اور آپ کی والدہ کا حضورؐ کے ہاں اس قدر آنا جانا تھا۔

اب غور کیجئے کہ جو صحابی آنحضرتؐ کے ہاں اس قدر آتے جاتے ہوں کیا ان کے بارے میں یہ وہم ہو سکتا ہے انہوں نے حضورؐ کو نماز پڑھتے کبھی قریب سے نہ دیکھا ہوگا اور انہیں پتہ نہ چلا ہوگا کہ حضورؐ رکوع کے وقت رفعیدین کرتے تھے یا یہ کہ آپ کا قد چھوٹا تھا اس لیے حضورؐ کو کبھی رفعیدین کرتے نہ دیکھ سکے ۔۔۔ تاہم ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ پھر آپ نے حضورؐ کا پہلا رفعیدین جو شروع نماز میں کیا جاتا ہے کیسے دیکھ لیا ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۲

صاحب سِتر رسول حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ ھ) سے پُوچھا گیا حضورؐ کا سب سے قریبی کون ہے؟ کہ ہم اس سے علم سیکھیں۔ آپ نے فرمایا :-

ما اعلم احدًا اقرب سمتًا و ھدیًا و دلًا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام عبدٍ [1]

ترجمہ: میں کسی کو نہیں جانتا جو حضورِ اکرمؐ سے سیرت میں عادت میں اور چال میں عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قریب ہو۔

دیکھیے جس شخصیت کریمہ کو اللہ رب العزت نے عادات و فضائل میں حضورؐ کے اتنا قریب کر دیا ہو کیا وہ نماز میں حضورؐ کے قریب نہ ہو گا۔ حضورؐ اگر رکوع کے وقت رفع یدین کرتے ہوتے تو آپ کی یہ عادت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نماز میں کیوں نہ اُتری ہوتی۔

حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں حضرت علقمہؒ پہنچے تو انہوں نے آپ سے پُوچھا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کوفہ سے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس ابن مسعودؓ نہیں ہیں جو حضورؐ کے اتنا قریب رہے کہ شاید یہ قرب اور کسی کو نہ ملا ہو آپ نے کہا :-

افلم یکن فیکم صاحب النعلین والوسادۃ والمطھرۃ [2]

ترجمہ: کیا تمہارے ہاں وہ صاحب نہیں ہیں جو حضورؐ کے ساتھ ساتھ آپ کا جُوتا اُٹھائے پھرتے تھے آپ کا تکیہ اٹھایا ہوا تھا اور وہ آپ کا لوٹا اُٹھانے والے تھے۔

کیا آپ تصور بھی کر سکتے ہیں کہ آپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرایہ نماز (مثلاً رکوع کے وقت رفع یدین کرنا) عمر بھر مخفی رہا اور آپ یہ دیکھ نہ پائے کہ حضورؐ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صد ۵۳۱ [2] ایضاً

حضورؐ کے ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی مرتبہ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

استقرؤا القران من اربعۃ من ۱. عبد اللہ بن مسعودؓ فبدأ بہ و. ۲. سالم مولی ابی حذیفۃؓ و. ۳. ابی بن کعبؓ ۴. ومعاذ بن جبلؓ۔ [۱]

ترجمہ۔ چار آدمیوں سے قرآن پڑھو اور آپ نے سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔

آپ کے علمِ قرآن پر صحابہؓ کی شہادت

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آپ کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے تھے دوسرے صحابہ کرامؓ سے کہا اور کسی نے اس حقیقتِ صادقہ سے انکار نہ کیا۔

ما اعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک بعدہ اعلم بما انزل اللہ من ھذا القائم۔ [۲]

ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کہ حضور اکرمؐ نے اپنے بعد اس کھڑے بزرگ سے زیادہ کوئی قرآن جاننے والا چھوڑا ہو۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ اس پر سب صحابہؓ کا اجماع تھا کہ اس امت میں قرآن کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ اور حضورؐ کے بعد اس درجے کا عالمِ قرآن صحابہؓ میں کوئی نہ تھا۔

یہ صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان دونوں کو اپنے سے بڑا کتاب و سنت کا عالم سمجھتے تھے۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۴ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۳

اللہ کے ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقام

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ) اس حقیقتِ صادقہ پر بھی تمام صحابہؓ کا اجماع نقل کرتے ہیں :-

ولقد علم المحفظون من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ابن ام عبد ھو من اقربھم الی اللہ زلفی۔ [۱]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں جو علم کے حفاظ ہوئے انہوں نے جانا کہ عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قرب پانے والوں میں سے تھے۔

یہ صرف حضرت حذیفہؓ کی شہادت نہیں جملہ اہل علم صحابہؓ کا اجماع ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب میں گوئے سبقت لے جا چکے ہیں جب حضرت حذیفہؓ نے یہ کہا تو ابو موسےٰ الاشعریؓ نے کہا:-

اما لئن قلت ذالک لقد کان یشھد اذا غبنا ویؤذن لہ اذا حجبنا۔ [۲]

ترجمہ۔ آپ نے جب ایسا کہہ ہی دیا ہے تو اس کی وجہ بھی جان لیں۔ آپ اس وقت بھی حضورؐ کے پاس ہوتے تھے جب ہم آپ سے دور رہتے اور آپ کو حضورؐ کے پاس اس وقت بھی آنے کی اجازت ہوتی جب ہم ماذون نہ ہوتے تھے۔

اس میں حضرت ابو موسےٰ الاشعریؓ یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ اس میں ہماری کوئی کوتاہی نہیں حضورؐ نے خود انہیں (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو) اپنے پاس حاضری کا اذنِ عام دے رکھا تھا اور وہ قربِ نبویؐ اور قربِ الٰہی کی یہ دولت لوٹتے رہے اور ہم دیکھتے رہ گئے

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۳

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں :۔

والذی لا الٰہ غیرہ ما من کتاب اللہ سورۃ الا انا اعلم حیث انزلت وما من اٰیۃ الا انا اعلم فیما انزلت ولو اعلم احدا ھو اعلم بکتاب اللہ منی تبلغہ الابل لرکبت الیہ۔[۱]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں قرآن کی کوئی سورت نہ اتری مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہاں اتری اور کوئی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ کس مسئلے میں اتری اور اگر آج بھی مجھے پتہ ملے کہ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اس کے پاس اونٹ جا سکتے ہیں تو میں وہاں بھی رخت سفر باندھ کر جاؤں گا۔ یہ اس لیے کہ وہ خوشۂ علم بھی مجھ سے دور نہ ہو میں جا کر اسے بھی اس سے پاؤں۔

حضرت شقیق تابعیؒ اس مجلس میں حاضر تھے۔ آپ نے جب یہ بات فرمائی تو حضرت شقیقؒ نے یہ تبصرہ فرمایا :۔

فجلست فی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما سمعت احدا یرد ذلک علیہ ولا یعیبہ۔[۲]

ترجمہ: میں آنحضرتؐ کے صحابہؓ کے حلقہ میں اس وقت بیٹھا تھا میں نے کسی کو اس کا رد کرتے نہ سنا نہ کسی صحابی کو آپ پر عیب لگاتے سنا۔

اصحاب رسول کے ہاں تو آپ کی یہ شان تھی کہ کوئی آپ پر کسی قسم کا عیب نہ لگا سکا اور آپ باجماع الصحابہؓ اسلام کے سب سے بڑے عالم مانے گئے لیکن اس امت میں ایسے بھی بدنصیب ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اس قسم کے عیب لگاتے ہیں کہ آپ کو سنت کے مطابق نماز پڑھنا نہ آتی تھی نہ آپ قرآن صحیح پڑھتے تھے اور نہ معاذ اللہ آپ

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صـ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۲۹۳ [۲] ایضاً

کا سارے قرآن پر ایمان تھا آپ معاذاللہ قرآن کی آخری دو سورتوں کے منکر تھے۔ نعوذ باللہ من تلك الخرافات۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شان قیادت

حضرت علیؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
لوکنت مؤمرا احدا من غیر مشورۃ لامرت ابن ام عبد۔[1]
ترجمہ۔ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ دیگر اصحاب کے امیر مقرر کرتا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو امیر مقرر کرتا۔

اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھانا چاہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ میں انتظامِ امت کی پوری شان ہے۔ آپ امت میں خلافت کی پوری ذمہ داریاں ادا کر سکتے ہیں ـــ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ فقہاء میں انتظام کی پوری شان ہوتی ہے۔

آپ کی انتظامی صلاحیتوں کی ایک اور بھی شہادت ملتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو جہاں کوفہ میں معلم بنا کر بھیجا وہاں وزارت کی کچھ ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کیں۔ اس سے پتہ چلا کہ جہاں آپ فقہ و حدیث کے صدر معلم تھے وہاں آپ اس لائق تھے کہ سلطنت کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

آپ کے چند فقہی مسائل

صحابہؓ میں کئی علمی اختلافات پیدا ہوئے یہ فرقہ بندی کے اختلافات نہ تھے۔ شریعتِ محمدیہ کی وسعتِ عمل کے مختلف پیرائے تھے ان سب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شخصیت سب سے نمایاں رہی۔ آپ کے اجتہادی مسائل پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن

---
[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ سنن ابن ماجہ صفحہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۸

یہاں ہم ضمنی طور پر ان کی فقہ کے چند مسائل کا تعارف کرا رہے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اپنے وقت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہی علمی جانشین ہوئے اور آپ کی فقہ زیادہ تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی مکتب فکر ہے۔ جس طرح ائمہ اربعہؒ میں امام ابوحنیفہؒ سرفہرست ہیں، فقہاء صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سرتاج ہیں۔ تاہم چند مسائل ہم بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں:۔

(۱) جب کتاب و سنت میں کھلے طور پر کوئی مسئلہ نہ ملے تو آپ اجتہاد کے قائل تھے اور فقہ کی ضرورت محسوس کرتے تھے لیکن اجتہاد سے پہلے آپ اکابر امت کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے جو آپ کی نظر میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ آپ نے قیاس و استنباط کو چوتھے درجے میں رکھا ہے[1]

(۲) آپ ابتداء نماز کے سوا کہیں رفعیدین کے قائل نہ تھے۔ آپ نے صحابہؓ سے ایک دفعہ کہا کیا میں تمہیں ایک ایسی نماز نہ پڑھاؤں جس طرح حضورؐ پڑھایا کرتے تھے؟ آپ نے پھر نماز پڑھائی اور ابتداء نماز کے بعد کہیں رفعیدین نہ کی[2]

(۳) آپ جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت (سنت) پڑھتے تھے[3]

(۴) آپ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ آپ کا مسلک یہ تھا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے۔ قرآن کا کوئی حصہ سورۃ فاتحہ ہو یا مازاد علی الفاتحہ آپ اسے امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہ سمجھتے تھے[4]

(۵) آپ کے ہاں وتر کی نماز مغرب کی نماز کی صورت میں ہے کہ تین رکعات ہوں دو کے بعد التحیات کے لیے بیٹھے اور ایک سلام سے تین رکعات وتر پڑھے۔ سوائے اس کے کہ وتر کی تیسری رکعت میں سورت بھی ملائی جاتی ہے دونوں نمازوں میں اور کوئی فرق نہیں

---

[1] دیکھیے سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ [2] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ [3] المصنف جلد ۱ صفحہ
[4] المغنی لابن قدامہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۸ طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ

آپ نے فرمایا :-

الوتر ثلث کوتر النهار صلوٰة المغرب[1]

ترجمہ. وتر تین ہیں جیسا کہ دن کے وتر تین ہیں اور وہ مغرب کی نماز ہے وہ دن کے وتر اور یہ رات کے وتر۔

(۵) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ)

آپ انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :-

وکان زید من علماء الصحابة وکان هو الذی تولی قسم غنائم یرموك روی عنه جماعة من الصحابة منهم ابو هریره و ابو سعید و ابن عمر وانس وسهل بن سعد وسهل بن حنیف و عبد الله بن یزید الخطمی ومن التابعین سعید بن المسیب و ولداه خارجة و سلیمان وقاسم بن محمد وسلیمان بن یسار[2]

ترجمہ. حضرت زیدؓ علماء صحابہؓ میں سے تھے۔ آپ ہی غنائم یرموک کی تقسیم جن کے سپرد ہوئی صحابہؓ کی ایک جماعت کی جماعت آپ سے حدیث روایت کرتی ہے ان میں ابوہریرہؓ۔ ابوسعید الخدریؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت انسؓ حضرت سہل بن سعدؓ۔ حضرت سہل بن حنیفؓ اور عبداللہ بن یزید الخطمی ہیں اور تابعین میں سے سعید بن المسیبؒ اور آپ کے دونوں بیٹوں اور قاسم بن محمدؒ اور سلیمان بن یسارؒ نے ان سے روایت لی ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے ذکر میں حضرت مسروق تابعیؒ کا بیان آپ پڑھ آئے ہیں کہ جملہ صحابہ کرامؓ کا علم جن چند عظیم شخصیتوں میں سمٹ آیا ان میں حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ حضرت

[1] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ [2] الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۱

زید بن ثابتؓ بھی ہیں۔

حضرت زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مجھے آپ کے پاس لے جایا گیا اور حضورؐ سے کہا گیا بنی نجار کے اس لڑکے نے قرآن کریم کی سترہ سورتیں یاد کر لی ہیں۔ اس پر میں نے وہ سورتیں حضورؐ کو پڑھ کر سنائیں۔ حضورؐ کو میری یہ محنت بہت پسند آئی آپ نے فرمایا۔ تم یہود کی زبان سیکھو میں اپنے خطوط میں ان پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ میں نے دو ہفتے سریانی زبان سیکھنے پر لگائے اور اس میں مہارت پیدا کر لی۔ پھر حضورؐ کی طرف سے میں ہی انہیں خط لکھتا تھا اور ان کے جو خط آتے میں ہی پڑھ کر حضورؐ کو سناتا تھا۔[1]

جس طرح آپ حضورؐ کے کاتب ٹھہرے۔ آپ نے کاتب وحی ہونے کا شرف بھی پایا حضورؐ کے زمانے میں قرآن کریم لکھتے رہے اور آپؐ ان سے لکھاتے رہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں بھی قرآن جمع کرنے پر مامور ہوئے — پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی قرآن کریم کی صحیح نقول کرانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ قرآن کریم کے ان تین ادوار میں خدمتِ قرآن کی یہ وہ سعادت ہے کہ اس کی کہیں اور مثال نہیں ملتی اور اسے عطیۂ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا — حضرت عمرؓ اپنے عہدِ خلافت میں جب سفر پہ گئے تو کئی دفعہ حضرت زیدؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

روی البغوی باسناد صحیح عن خارجۃ بن زید کان عمر یستخلف زید بن ثابت اذا سافر۔[2]

ترجمہ۔ علامہ بغوی نے سند صحیح سے حضرت خارجہ سے روایت لی ہے کہ

---

[1] رواہ البخاری تعلیقاً وابویعلی موصولاً من ابی الزناد من خارجۃ عن زید۔ الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۱ وذکرہ الذہبی فی التذکرہ فی ترجمۃ الحافظ السامی الہروی جلد ۱ صفحہ [2] الاصابہ صفحہ ۵۶۲

حضرت عمرؓ جب کبھی سفر پر جاتے تو حضرت زیدؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے۔

حضرت ابن عباسؓ اور علمِ قرآن

علمِ قرآن میں حضرت ابن عباسؓ کی جلالتِ قدر اور براعتِ فن کے کون واقف نہیں، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تفسیر قرآن حضرت زیدؓ سے پڑھی۔ علامہ شعبیؒ فرماتے ہیں حضرت زیدؓ سوار ہونے لگتے تو حضرت ابن عباسؓ ان کی رکاب تھام کر چلتے تھے۔ آپ منع بھی کرتے تو آپ نہ رکتے۔ ایک دفعہ فرمایا:-

ھکذا نفعل بالعلماء والکبراء۔

ترجمہ ہم علماء کا اور بڑوں کا اسی طرح اعزاز کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسا مفسر قرآن جن کی رکاب تھام کر چلتا ہو وہ خود تفسیر میں کس پائے کا عالم ہوگا۔ یہ آپ خود سوچیں۔

اور تو اور خود حضرت خاتم النبیینؐ نے فرمایا میرے صحابہؓ میں فرائض کا سب سے بڑا عالم زیدؓ ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اعلم بالحلال والحرام معاذ بن جبلؓ وافرضہم زید بن ثابتؓ و واقرأھم ابی بن کعبؓ۔ [1]

ترجمہ حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذؓ ہیں اور فرائض میں سب سے آگے زیدؓ ہیں اور قرآن پڑھنے میں سب سے فائق ابی بن کعبؓ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:-

لقد علم المحفوظون من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان زید بن ثابت کان من الراسخین فی العلم۔ [2]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ و رواہ احمد ایضاً

ترجمہ: آنحضرتؐ کے صحابہؓ میں علم کے جو بڑے بڑے حافظ ہوئے وہ حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں جانتے تھے کہ آپ راسخین فی العلم کے اونچے درجے کے فرد ہیں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فتوے اور فرائض قرأت میں حضرت زیدؓ پر کسی کو مقدم نہ کرتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :۔

ماکان عمر وعثمان یقدمان علی زید احداً فی الفتویٰ والفرائض والقرأۃ۔[۱]

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما فقہ وراثت اور قرآن میں کسی دوسرے بزرگ کو حضرت زیدؓ سے بڑا نہ جانتے تھے۔

جب آپ فوت ہوگئے تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا:۔

الیوم مات حبر ھذہ الامۃ وعسی اللہ ان یجعل فی ابن عباس منہ خلفا۔[۲]

ترجمہ: آج امت کا سب سے بڑا عالم چل بسا۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباسؓ کو اس کا جانشین بنا دے۔

حضرت حسانؓ نے حضرت زیدؓ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا:۔

فمن للقوافی بعد حسان وابنہ ومن للمعانی بعد زید بن ثابت

ترجمہ: حسان اور اس کے بیٹے کے بعد کون ایسے قافیے باندھے گا اور قرآن کے معانی زید بن ثابتؓ کے بعد کون بیان کرسکے گا۔

فقہ میں آپ کی شہرت بہت اونچی تھی مگر حدیث آپ کم روایت کرتے تھے آپ کے بیٹے خارجہ بن زیدؓ کے بارے میں حافظ ذہبی تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ منورہ کے مشہور

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۳۱ [۲] الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۵۶۲

فقیہ ہیں۔ کبار علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مگر آپ قلیل الحدیث تھے۔ ذہبیؒ نے آپ کو حفاظِ حدیث میں ذکر نہیں کیا ہے ــــــ قلیل الحدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو حدیثیں کم پہنچیں یا یہ کہ آپ علم حدیث میں کمزور تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حدیث روایت کم کرتے تھے کثرتِ بیان آپ کا ذوق نہیں تھا اور یہ صرف آپ کی ہی بات نہیں اور بھی کئی محدثین ہوئے جو کم روایت کرنے والے تھے خود علامہ شعبی کی رائے بھی یہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

علمائے امت زیادہ حدیث بیان کرنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں:۔

نیز جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی پہلے معلوم ہو جاتی تو میں صرف وہی احادیث بیان کرتا جن کی صحت پر اصحابِ حدیث کا اتفاق ہوتا۔[۲]

خود حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:۔

اگر میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسی طرح روایات بیان کرتا جس طرح اب کرتا ہوں تو وہ اپنی چھڑی سے میری خبر لیتے۔[۳]

حضرت سفیان ثوریؒ علم حدیث میں کس بلند مقام پر تھے یہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ آپ بھی فرماتے ہیں:۔

حدیث کا علم اور حدیث کو طلب کرنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔
اس سیاق میں قلیل الحدیث کے معنی یہ نہیں کیے جا سکتے کہ حضرت خارجہ بن زیدؒ

---

[۱] طبقہ [۲] تذکرہ جلد ۱ ص۸۴ [۳] ایضاً جلد ۱ ص۳۱ [۴] جلد ۱ ص۱۷۳

کی نظر حدیث پر کم تھی۔

بات اصل یہ ہے کہ ان کا ذوق اصحاب حدیث کا نہیں تھا فقہاء کا تھا اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ ان کے والد حضرت زید بن ثابتؓ کی شہرت بھی زیادہ فقہ میں ہی ہے۔ خطیب تبریزی (۴۲ھ) لکھتے ہیں :-

کان احد فقهاء الصحابة [1]

ترجمہ۔ آپ فقہاء صحابہ میں سے ایک تھے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ اس دور میں کس عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور فقہاء صحابہ عام صحابہ میں کس رفعت اور عظمت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ رواۃِ حدیث تو سب حضرات تھے لیکن فقہاء حدیث کوئی کوئی تھا اور حضورؐ خود فرما چکے کہ حامل فقہ تو کئی ہوتے ہیں لیکن فقیہ ان میں سے کوئی کوئی تھا۔ جو صحابہؓ اس درجے کے فقیہ نہ ہوئے وہ ان فقہاء کی پیروی ہی کیا کرتے تھے۔ ہر مسئلے میں دلیل معلوم کرنے کا ان کے ہاں رواج نہ تھا۔ فقہائے صحابہ مسائل بتاتے تو دوسرے صحابہ ان سے ہر مسئلے پر دلیل کا مطالبہ نہ کرتے تھے اور ان دنوں فقہاء کی بات بلا مطالبہ دلیل اعتماداً تسلیم کر لی جاتی تھی اسے کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

---

[1] الاکمال ص۵۹۹

(۶) حضرت علی المرتضیٰؓ (۴۰ھ) خلیفۂ راشد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں جنّت کی بشارت دی ہے۔ ایک حدیث میں (گو اس کی سند ضعیف ہے) آپ نے فرمایا جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کا دوست ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کے مطابق حضورؐ کے تمام دوستوں سے اپنی دوستی قائم رکھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کئی مرتبہ آپ کو اپنا قائم مقام بنایا اور باہر گئے۔ آپ نے حضورؐ کے دوستوں سے اپنے دامنِ وفا پر کوئی چھینٹا آنے نہ دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو باغِ فدک کی تملیک نہ کی تو آپ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں فدک حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے وارثوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو نہ دیا۔

آپ علم میں امامت کے درجہ پر تھے یوں سمجھئے شہرِ علم کا دروازہ تھے۔ اخذ حدیث میں اس قدر محتاط تھے کہ پہلے حلف لیتے پھر اس کی روایت قبول کرتے۔ آپ نے فرمایا لوگوں سے وہی حدیث بیان کرو جو وہ جانتے ہوں اور ان احادیث کو ان کے سامنے بیان نہ کرو جن کو وہ جانتے نہیں۔ (تذکرہ)

اس سے پتہ چلا کہ شاذ اور نادر روایات پیش کرنا علم کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ جن احادیث نے شہرت پائی انہی کی روایت چاہیئے۔

حضورؐ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۴ سال تھی اگر آپ کی عمر چالیس سال سے اوپر ہوتی تو ہوسکتا تھا آپ کو خلیفہ چن لیا جاتا۔ اسلامی سربراہ کی عمر چالیس سال سے اوپر ہو اسی میں خیر و برکت رہی ہے۔ حضورؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے رسالت کی ذمہ داری چالیس سال کے بعد سونپی۔ آپ کا جانشین آپ سے زیادہ قابل نہیں ہوسکتا ہے کہ اس عمر سے پہلے ہی ان

ذمہ داریوں کو لے سکے۔

خلفائے راشدینؓ منصب خلافت پر تبھی آتے رہے جب وہ چالیس سال سے آگے متجاوز ہوئے کیونکہ خلافت راشدہ اس نبی خاتمؐ کی جانشینی تھی جس کو اللہ رب العزت نے چالیس سال کی عمر پر رسالت کی ذمہ داری پر کھڑا کیا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے چند فقہی مسائل

① آپ کا مسلک یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ ملے تو اسے فقہاء کی طرف لوٹانا چاہیئے:۔

تشاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه رأى خاصة ۔[1]

ترجمہ۔ جماعت فقہاء سے جو نیک بھی ہوں مشورہ کر لیا کرو اور چند لوگوں کی رائے پر نہ رہا کرو۔

② آپ کا مسلک تھا کہ دیہات اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

لا جمعة ولا تشريق الا فى مصر جامع ۔[2]

ترجمہ جمعہ اور عید کی نماز شہر کے سوا کہیں نہیں

③ آپ رمضان میں بیس رکعت تراویح کے قائل تھے:۔

دعا القراء فى رمضان فامر منهم رجلا ان يصلى بالناس عشرين ركعة۔[3]

ترجمہ آپ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو کہا کہ انہیں بیس رکعت پڑھائیں۔

---

[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اہل الصحیح [2] المصنف لعبدالرزاق جلد ۳ صـ ۱۶۷ لابن ابی شیبہ جلد ا صـ ۴۳۹ [3] رواہ البیہقی جلد ۲ صـ ۴۹۵ ورا جع لہ اعلاء السنن صـ

امام ترمذی لکھتے ہیں :-

واکثر اھل العلم علی ماروی من علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی عشرین رکعۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور اکثر اہل علم اس پر ہیں کہ جو حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

یہ صرف عراق میں نہ تھا اہل مکہ بھی بیس رکعت تراویح ہی کے قائل تھے۔ حضرت امام شافعی لکھتے ہیں :-

وھکذا ادرکت ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔[2]

ترجمہ۔ اور میں نے اسی طرح آپ کے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے پایا ہے۔

ان علیاً امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ۔[3]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔

(۴) نماز میں آپ ہاتھ ناف کے نیچے باندھتے تھے سینہ پر نہیں۔ آپ نے فرمایا :-

قال علیؓ السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔[4]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے سنت یہی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھیں

یعنی نماز میں بازو نہ باندھے جائیں ہاتھ باندھے جائیں سینے پر کہنیاں باندھنا ہاتھ باندھنا نہیں سمجھا جاتا۔

عن علیؓ قال من سنۃ الصلوٰۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرۃ۔[5]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے نماز میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے ایک دوسرے پر رکھے جائیں۔

---

[1] جامع ترمذی ص ۹۹ ج ۱ [2] ایضاً [3] المصنف لابن ابی شیبہ ص ۱۴۲ ج ۱ [4] سنن ابی داؤد ص ج ۱ [5] المصنف جلد ۱ ص ۲۴۳

⑦ امامِ مظلوم حضرت عثمان غنیؓ (۳۵ھ) خلیفہ راشد

اسلام میں امت کے اختلاف کے وقت ہدایت کا نشان اور حق کا معیار آپ ہی رہے۔ آپ کے عہد خلافت میں امت میں کچھ اختلافات چلے۔ آنحضرتؐ پہلے سے خبر دے گئے تھے کہ جب امت میں اختلاف چلے تو یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا۔ ھٰذا یومئذ علی الھدیٰ [1]

آپ کو رفیقِ نبوت ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کو قرآن و سنت کے نام پر کھلا اور آزاد نہ رہنا چاہیئے۔ اپنے اسلاف کی پیروی بھی اپنے اوپر لازم کرنی چاہیئے۔ آپ کے انتخاب خلافت کے وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپ سے سیرت شیخین کی پابندی کا عہد لیا اور آپ نے اسے قبول کیا۔ اگر یہ شرط کتاب و سنت کے خلاف ہوتی تو آپ کبھی یہ عہد نہ دیتے۔ اس پر اور صحابہؓ میں سے بھی کسی نے اعتراض نہ کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن و سنت کے بعد صالحینِ امت کے فیصلوں کو بھی ساتھ لے کر چلنا چاہیئے باوجودیکہ آپ خود مجتہد تھے۔ اس کے باوجود آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیروی میں چلے۔

حضرت عثمانؓ کے بعض خاص اجتہادی مسئلے

① آنحضرتؐ اور حضرات شیخین کریمینؓ کے عہد سے دیت میں اونٹ لینے کا طریقہ چلا آ رہا تھا آپ نے دیت میں ان کی قیمت دینی بھی جائز قرار دی کیونکہ یہاں اونٹوں میں سوائے مال کے اور کوئی جہت نہیں پائی جاتی۔ قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ نے بھی اپنے دور میں یہی فتوےٰ دیا۔ [2]

② آپ حج تمتع میں حج اور عمرہ کے لیے ایک نیت کرنے کے قائل رہے ہے حضرت علی المرتضیٰؓ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۶۱ لکھنؤ [2] دیکھیے کتاب الخراج صفحہ ۹۳

آپ کے ساتھ اس مسئلہ میں متفق نہ تھے۔ اس قسم کے اختلافات میں صحابہؓ بڑوں کا ہمیشہ احترام کرتے وہ کسی طرح اسے نصِ صریح کی مخالفت نہ سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ منیٰ میں مسافر کے لیے نماز قصر کرنے کو ضروری سمجھتے تھے مگر حضرت عثمانؓ نے نماز قصر نہ کی۔ پوری چار رکعات پڑھائیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی چار پوری کیں اور فرمایا میں امیرالمومنین کی مخالفت نہ کروں گا حضرت عثمانؓ بہ نیت امامت چار رکعت پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

(۳) حضرت عثمانؓ مطلقہ عورت کو اگر اس کا خاوند دوران عدت مرجائے اس خاوند کا وارث قرار دیتے تھے کہ ابھی وہ عورت دوسرے خاوند کے پاس جانے کی اہل نہیں ہو سکی۔ مگر حضرت علیؓ اسے وارث نہ سمجھتے تھے۔

(۴) اگر کوئی شخص حالتِ عدت میں کسی عورت سے نکاح کرے تو وہ حضرت عثمانؓ کے ہاں مستوجب سزا ہے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک وہ نکاح تو جائز نہیں لیکن آپ اسے مستوجب سزا نہ سمجھتے تھے۔

(۵) قتل کے مسئلہ میں قاتل پر قصاص آتا ہے یا دیت (اگر مقتول کے وارث اسے منظور کرلیں) حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک شخص قتل ہوگیا اس کا کوئی وارث نہ تھا جو دیت کی منظوری دے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت امیرالمومنین اپنے آپ کو اس کا ولی قرار دے لیا اور دیت کی منظوری دے دی۔ پھر دیت میں جتنا مال ملا وہ سب بیت المال میں داخل کرادیا۔ کیوں کہ آپ نے اپنے لیے حق ولایت بحیثیت امیرالمومنین قائم کیا تھا۔ سو اس دیت پر بھی قبضہ قوم کا ہونا چاہیئے تھا۔

اس قسم کے باریک مسائل سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مجتہدانہ نظر کتنی باریک تھی اور کس طرح مسائل میں آپ بال کی کھال اتارتے تھے۔ جو لوگ آپ کے مسائل تک نہ پہنچ سکے وہ آپ پر ان مسائل میں انگلی اُٹھاتے رہے۔ آپ نے ایک ایسے موقعہ پر بڑے دلسوز انداز میں فرمایا :۔

ہم لوگ بخدا حضورؐ کے سفر کے ساتھی بھی رہے ہیں۔ ہم بیمار پڑتے تو حضورؐ ہماری عیادت کے لیے تشریف لاتے۔ ہمارے (صحابہؓ کے) جنازوں کے پیچھے پیچھے چلتے۔ جو کچھ پاس ہوتا زیادہ ہو یا کم اس سے ہماری غمخواری فرماتے اب وہ لوگ ہم کو آپ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنہوں نے شاید آپ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔[1]

حضرت عثمانؓ کے بلند پایہ تقویٰ پر ایک عمری شہادت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے زہد و تقوےٰ اور للّٰہیت سے کون واقف نہیں۔ آپ کی حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ شہادت ملاحظہ ہو۔

ما نعلم عثمان قتل نفساً بغیر نفس ولا جاء من الکبائر شیاءً۔[2]

ترجمہ۔ ہم نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی کی جان بلا وجہ لی ہو اور نہ ہم نے آپ کو کبھی کوئی کبیرہ گناہ کرتے پایا ہے۔

احادیث میں آپ کا نام عام طور پر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ مثلاً حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ سب حضرات الحمد سے قرأت شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا۔

صلیت خلف النبی و ابی بکر و عمر و عثمان فکانوا یستفتحون بالحمد للّٰہ رب العالمین لا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اوّل قرأۃ ولا فی اٰخرھا۔[3]

---

[1] مسند احمد جلد ا صـ۶۹ [2] کتاب التمہید والبیان صـ۱۸۴، صـ۱۸۵ طبع بیروت
[3] صحیح مسلم جلد ا صـ۱۷۲

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہؓ کے ہاں قرأۃ الحمد سے شروع سمجھی جاتی تھی اگلی سورت سے نہیں۔ سو حدیث لا قرأۃ مع الامام فی شیء میں امام کے ساتھ سورت فاتحہ پڑھنے کی نفی ہے ۔ حضرت عثمانؓ کا شمار حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ ہوتا تھا اس کے لیے یہ حدیث سند ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں :۔

کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حی ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم رواہ الترمذی[1]

ترجمہ: ہم حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں یہ نام اسی طرح لیا کرتے تھے۔ ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم۔

حضرت عثمانؓ مجتہد تھے اور لوگ آپ سے مسئلے پوچھتے تھے اور آپ فتوے دیتے تھے زید بن خالد الجہنی کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے جو جواب دیا میں نے اسے حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سب کو بتایا سب نے اس کی تصدیق کی[2]

حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دور میں بھی آپ فتوے دیتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں اکثر آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ حج کے مسائل میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ اس علم میں آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہرت تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خانہ کعبہ میں کھڑے ایک شخص پر بیٹھے کبوتر کو اڑا دیا۔ کبوتر وہاں سے اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا وہاں اسے معاً ایک سانپ نے کاٹا اور وہ وہیں مر گیا۔ حضرت عثمانؓ سے مسئلہ پوچھا گیا آپ نے اس کے مرنے کا ذمہ دار حضرت عمرؓ کو ٹھہرایا۔ کیونکہ وہ کبوتر کو محفوظ مقام سے اڑا کر غیر محفوظ جگہ جانے کا موجب ہوئے۔ آپ نے اُن پر اس کی جزا کا فتویٰ دیا۔ (دیکھیئے مسند امام شافعی ص۲)

علم الفرائض میں بھی آپ اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت زید

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۱۵ [2] مشکوٰۃ ص۵۶۳ [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۴۳ مسند احمد جلد ۱ ص۷

بن ثابتؓ اس فن کے امام ہیں حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے ہی علم الوراثت کو ایک بنیادی علم کی حیثیت دی ہے۔ بعض صحابہؓ کو اندیشہ تھا کہ ان دونوں حضرات کی وفات سے کہیں یہ علم مٹ نہ جائے۔

مگر الحمد للہ ایسا نہ ہوا۔ یہ حضرات اسے ایسی بنیادیں مہیا کر گئے کہ اس پر پھر سراجی اور شریفی جیسی کتابیں لکھی گئیں۔

پہلوں کی پیروی سے ہی قوموں نے عُروج پایا ہے

حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی فکری آزادی کے سخت خلاف تھے آپ نے فرمایا مسلمانوں نے جو بھی عروج پایا ہے وہ پہلوں کے نقشِ قدم پر چلنے سے پایا ہے۔ آپ کے نزدیک نقطۂ وحدتِ ملت یہ رہا ہے کہ امت نئے نئے اجتہادات سے بچے اور پہلوں کی پیروی کو کافی سمجھے۔ آپ نے فرمایا:۔

انما بلغتم ما بلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتنکم الدنیا عن امرکم.[1]

ترجمہ: بیشک تم جس مقام پر پہنچے ہو وہ پہلوں کی اقتداء اور اتباع سے ہی پہنچے ہو۔ دیکھنا دنیا کہیں تمہیں حکم الٰہی سے دوسری طرف نہ کر دے۔

جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کسی حکم کو نہ بدلا۔ اپنی سعادت پہلوں کی پیروی میں ہی سمجھی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اسی طرح حضرت عثمانؓ کی پیروی میں چلے۔ حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ثم ولی علی فما غیر حکماً من احکام ابی بکر وعمر وعثمان ولا ابطل عهداً من عهودهم[2]

ترجمہ: پھر حضرت علیؓ والیٔ حکومت بنائے گئے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ

---

[1] تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۴۳ [2] کتاب الفصل جلد ۴ صفحہ ۹۶

اور حضرت عثمانؓ کے احکام میں سے کسی حکم کو نہ بدلا اور نہ ان کے دیئے گئے عہود میں سے کسی عہد کو توڑا۔

قاضی نور اللہ شوستری نے بھی مجالس المومنین میں اس کی تائید کی ہے۔

تابعین کرام میں سے جن حضرات نے آپ سے حدیث پڑھی ان میں علقمہ بن قیس (۶۲ھ) ابو وائل شقیق بن سلمہ کوفی (۸۲ھ) زید بن وہب (۸۴ھ) حضرت سعید بن المسیب (۹۱ھ) مالک بن اوس (۹۲ھ) ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن (۹۴ھ) ابو عبداللہ قیس بن ابی حازم بجلی (۹۷ھ) اور حسن بن ابی الحسن الیسار (۱۱۰ھ) سرفہرست ہیں

آپ کے فقہی فیصلوں کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت سعید بن المسیب ہیں۔[1]

آپ آنحضرتؐ سے بہت کم حدیث روایت کرتے تھے۔ مبادا کوئی لفظ خلافِ احتیاط زبان سے نکل جائے۔ تاہم مسائل کے بیان میں آپ پیچھے نہ رہتے تھے۔ حافظ ابو یعلیٰ موصلی حمران بن ابان سے بروایت حضرت عثمانؓ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

کان قلیل الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

ترجمہ: آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ آپ کے مقابلہ میں کثیر الحدیث تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا علم حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے کم تھا۔ اس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی امام بیہقی کے مقابلہ میں حدیث کم روایت کرنے والے تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت امام کا علم حدیث امام بیہقی سے کم تھا۔ سنن کبریٰ بیہقی ضخامت میں صحیح بخاری سے بڑی کتاب ہے۔ دس ضخیم جلدوں میں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام بیہقیؒ کا علم حدیث امام بخاریؒ سے زیادہ تھا۔

ملک اموال اور حدود و بیت المال میں آپ کا حضرت ابوذر غفاریؓ سے اختلاف ہوا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص۱۳ [2] مسند ابی یعلیٰ جلد ۱ ص۱۵۴

صحابہؓ نے آپ کا ساتھ دیا۔ جمع قرآن کے وقت نسخ مصاحف کے مسئلے میں آپ کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف ہوا۔ صحابہؓ نے آپ کا ساتھ دیا۔

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں آپ کے سیکرٹری (الامین العام) رہے حضورؐ کی وفات کے بعد خلافت کا فیصلہ بمقابلہ انصار قریش کے حق میں ہوا تھا۔ اس لیے آپ (حضرت عثمانؓ) شروع سے یہ نظریہ رکھتے تھے کہ عام مسلمانوں میں قریش کا اکرام امتیازی درجے میں رہے اور ان کی اہانت کسی درجے میں گوارا نہ کی جانی چاہیئے۔ قریش کی دو شاخیں مکہ میں بہت ممتاز تھیں۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ۔ آپ بنو امیہ میں سے تھے اور قریش کو ہر بات میں مقدم رکھنے کا نظریہ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے عمرو بن عثمانؓ کو نصیحت کی:۔

یا بنیّ ان ولیت من امر الناس شیاءً فاکرم قریشاً فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اھان قریشاً اھانه اللہ [1]

ترجمہ: اے بیٹا اگر تجھے کبھی کوئی پبلک عہدہ ملے تجھے لوگوں پر کچھ بھی حق ولایت ملے تو قریش سے عزت و اکرام سے پیش آنا کیونکہ میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا ہے جو قریش کی اہانت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں میں گرائے گا۔

آپ نے اپنے اس نظریہ کے مطابق قریش کو ہر موقع پر مقدم رکھا۔ اس سے آپ کے خلاف عام پروپیگنڈہ چل نکلا کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو زیادہ آگے لا رہے ہیں اور یہ کنبہ پروری ہے لیکن آپ اسے ایک پالیسی سمجھتے تھے۔ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور سے چلی آرہی تھی۔ شام میں یزید بن ابی سفیانؓ اور ازاں بعد معاویہ بن ابی سفیانؓ کو اس اعلیٰ عہدے پر لانے والے کون تھے؟ حضرت عمرؓ نے ——— اگر حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں ان اعلیٰ عہدوں پر باقی رکھا تو اسے کوئی غیر شرعی اقدام نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو آپ کے مخالفین بھی مانتے ہیں۔ کہ

---

[1] مسند ابی یعلیٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ ورواہ احمد کما فی مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۷

آپ نے جو لوگ جن عہدوں پر لگائے وہ اس کام پر پُورے اُترے اور قلمرو اسلامی ان اقدامات سے مسلسل ترقی پذیر رہی ۔

بدعت سے نفرت

آپ ایک دفعہ ایک شخص کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اس شخص نے فرطِ محبت سے رکنِ یمانی کا بوسہ لے لیا آپ نے اسے کچھ نہ کہا سمجھ لیا کہ یہ مغلوب الحال ہو رہا ہے مگر جب اس نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو استلام کرانا چاہا ۔ آپ نے ہاتھ پیچھے جھٹکا اور کہا کیا کر رہے ہو کیا تم نے کبھی حضورؐ کے ساتھ طواف نہیں کیا ؟ اس نے کہا ہاں ۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے کبھی آپ کو رکنِ یمانی کا بوسہ لیتے دیکھا ؟ اس نے کہا نہیں ۔ پھر آپ نے اُسے کہا ۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا مناسب نہیں ؟ اس نے کہا ہاں بے شک [1]

اس سے آپ کے جذبہ اتباعِ سنّت اور نفرت از بدعت کا پتہ چلتا ہے ۔ روحانیت میں آپ مقامِ فراست پر تھے ۔ یہ وہ مقام ہے جس پر غیب کے دروازے کھلتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ نبوت پا جائے ۔

تاریخِ اسلام میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بمعہ اہل و عیال اللہ کی راہ میں ہجرت کی ۔ آپ کی یہ ہجرت ملک حبشہ کی طرف تھی ۔ پھر دوسری ہجرت ۔ آپ نے مدینہ منورہ کی طرف کی حضرت علی المرتضیٰؓ کو ان کے پہلے نکاح کے وقت آپ نے چار سو درہم بطور ہدیہ دیئے ۔ جس سے انہوں نے حضرت فاطمہؓ کا مہر ادا کیا

خلافت تامہ وہ ہوتی ہے کہ خلیفہ کی وفات خلافت میں ہو ۔ حضرت امام حسنؓ کی خلافت

---

[1] مسند امام احمد جلد ا صفحہ ۲۱

تاآخر سنر رہا۔ اس لیے اسلام میں خلفائے راشدینؓ چار ہی سمجھے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف، کچھ لوگ اُٹھے اور انہوں نے آپ سے خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اس نہایت اذیت ناک صورتِ حال کا مقابلہ کیا مگر خلافت سے دستبردار نہ ہوتے۔ اگر آپ خلافت چھوڑ دیتے تو خلافتِ راشدہ شیخین کریمینؓ تک محدود ہو کر رہ جاتی۔ یہ مغربی جمہوریت ہے جس میں سربراہ چُنے بھی جاتے ہیں اور اُتارے بھی جاتے ہیں۔ اسلام میں کسی سربراہ کو اس وقت تک آتارا نہیں جاسکتا جب تک وہ کھُلے کفر کا ارتکاب نہ کرلے۔ حضرت عثمانؓ اسلامی سیاست کے اس اصُول پر اتنے پختہ عمل تھے کہ آپ نے جان کی قربانی دے کر خلافت کے اس اصول کو باقی رکھا کہ خلیفۂ وقت اور امام المسلمین کو عوامی تحریک سے نہیں آتارا جاسکتا۔

ذ۔ حضرت معاویہؓ کی وفات بے شک خلافت میں ہوئی مگر آپ کی خلافت کا پہلی خلافتوں سے تسلسل نہ رہا تھا۔ آپ کی خلافت کا آغاز شوریٰ و انتخاب سے نہیں حضرت امام حسنؓ کی صلح سے ہوا تھا۔

عراق میں حکومت کی بہت سی زمین غیر آباد پڑی تھی حضرت عثمانؓ نے اسے ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جنہوں نے اسے قابلِ زراعت بنایا۔ آپ نے انہیں اس زمین کا مالک بنا دیا۔ آپ کے پاس حضورؐ کی یہ ہدایت موجود تھی۔

من احیی ارضاً میتۃ فھی لہ[1]

ترجمہ جس نے بے آباد زمین آباد کی وہ اسی کی ہے۔

لیکن یہ وہ زمینیں تھیں جو حکومت کی ملک تھیں اور امیرالمؤمنین کو ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا حق تھا اس سے ان زمینوں کو مزارعین کی ملک میں دینے کا کوئی جواز نہیں نکلتا جن کے باضابطہ مالک موجود ہوں۔

ہمیں اس وقت یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے وقت کے ایک بڑے

---

[1] لے

فقیہ تھے. آپ نے کتاب و سنت پر پوری فقاہت سے عمل کرایا۔ آپ جب خلیفہ نہ تھے اس وقت بھی آپ کی مجتہد اور مفتی ہونے کی حیثیت مسلم تھی. آپ صحابہؓ اور تابعین میں علمی موضوعات پر مرجع خلائق ہوتے تھے

(۸) حضرت ابُوموسےٰ الاشعریؓ (۴۴ھ)

اسم گرامی عبداللہ بن قیس اور کنیت ابوموسےٰ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو حضرت ابوموسےٰ کو بھی یمن کے کسی دوسرے علاقے میں گورنر نامزد فرمایا تھا۔ اس سے انکی علمی اور انتظامی باوقار شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی آپ کوفہ اور بصرہ کے گورنر رہے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی آپ بعض صُوبوں میں گورنر رہے۔ معرکہ صفین کے اختتام پر آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے حکم مقرر کیے گئے۔ آپ کا اس تسلسل سے حکومت میں شریک رہنا اور سیاسی معرکوں میں حصہ لینا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں ہرگز کوئی سیاسی کھچاؤ نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اگر حضرت علیؓ کو نامزد کیا ہوتا تو کیا آپ کے معتمد خاص حضرت ابوموسےٰ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے کسی علاقے کے گورنر رہ سکتے تھے؟ اہلِ فہم حضرات سے غور کی درخواست ہے۔

خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرنے میں آپ بے مثال تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا:۔

یا ابا موسیٰ لقد اعطیت مزماراً من مزامیر اٰل داؤد۔ [۱]

ترجمہ۔ اے ابوموسےٰ! تم آلِ داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا کیے گئے ہو۔

قرآن کریم سے یہ شغف و محبت جو حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کو نصیب ہوا تھا اس کا اثر پُورے اشعریوں میں پایا گیا ہے۔ حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

انی لاعرف اصوات رفقة الاشعریین بالقراٰن حین یدخلون

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ ہذا حدیث غریب حسن صحیح

بالليل اعرف منازلهم من اصواتهم بالقرآن وان كنت لم
ارمنازلهم حين نزلوا بالنهار[1]

ترجمہ۔ اشعری لوگ جب شام کو گھر لوٹتے ہیں تو میں ان کے قرآن پڑھنے سے
ان کی آوازیں پہچانتا ہوں میں ان کے گھروں کو ان کی قرآن پڑھنے کی
آوازوں سے پہچانتا ہوں اگرچہ میں نے ان کے گھر جب وہ دن میں
وہاں ہوتے ہیں دیکھے نہیں ہوتے۔

آنحضرتؐ اشعریوں کو اپنے اتنا قریب سمجھتے تھے جتنا اہل بیت کرام کو۔ آپ نے جس طرح
حضرت حسینؓ کے بارے میں فرمایا:۔

الحسين مني وانا من الحسين۔

اشعریوں کے بارے میں بھی فرمایا:۔

هم مني وانا منهم[2]

اور یہ قرآن پاک کے اسلوب کے عین مطابق ہے۔

من شرب منه فليس مني ومن لم يطعمه فانه مني الا من
اغترف غرفة بيده۔ (پ البقرہ ۲۴۹)

اہل بدعت معتزلہ ہوں یا کرامیہ قدریہ ہوں یا جبریہ روافض ہوں یا خوارج انہوں
نے اپنے عقائد فاسدہ کے لیے جب قرآن کریم کو تختہ مشق بنایا اور اس پر تاویل کے ہاتھ
صاف کیے تو اشعریوں میں سے ہی امام ابوالحسن الاشعریؒ اٹھے جنہوں نے حوزہ اسلام
کے گرد سنت کا پہرہ دیا اور ضروریات دین کو پوری قوت علمی سے محفوظ کیا اشعریوں کی یہ قرآن
کی خدمت قبولیت الٰہی کا نشان ہے۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ روایت کرتے ہیں میں ایک دفعہ حضورؐ کے ساتھ بمقام جعرانہ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۳ [2] ایضاً

پر ٹھہرا ہوا تھا (یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) حضرت بلال بھی وہیں تھے کہ آپ نے پانی منگایا۔ اس میں اپنے دونوں ہاتھ دھوئے، رُخ انور بھی دھویا اور اس میں اپنا لعاب دہن بھی ڈالا اور ہم دونوں کو کہا کہ پی جاؤ۔ اپنے چہروں پر بھی بہاؤ اور سینوں پر بھی چھڑکو۔ حضرت ام سلمہؓ پردے کے پیچھے سے دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے وہیں سے آواز دی اپنی ماں کے لیے بھی کچھ رکھ لینا۔ ہم نے آپ کے لیے بھی اس سے کچھ رکھ لیا۔

ثم دعا رسول الله بقدح فیه ماء فغسل یدیه ووجهه فیه ومج فیه
ثم قال اشربا منه وافرغا علی وجوهکما ونحورکما وابشرا فاخذا القدح
ففعلا ما امرهما به رسول الله فنادتهما ام سلمة من وراء الستر
افضلا لامکما من مافی اناءکما فافضلا لها منه [1]

حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کے دل و دماغ میں فیضِ نبوت کا یہ چشمہ ہمیشہ اچھلتا رہا۔ ابوالبختری کہتے ہیں ہم نے ایک دفعہ حضرت علیؓ سے حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

جس طرح کپڑے کو رنگ میں ڈال کر نکالا جاتا ہے انہیں علم میں ڈبو کر نکالا گیا ہے۔ [2]

عیاض اشعریؓ کہتے ہیں جب یہ آیت اُتری۔

یا ایها الذین امنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یأتی الله بقوم
یحبهم ویحبونه۔ (پ۶ المائدہ ۵۴)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے (تو اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں) ایک ایسی قوم کو کھڑا کر دیں گے جو اللہ کی محبوب ہوگی اللہ ان کا محبوب ہوگا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ [2] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۴

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:۔
اے ابا موسیٰ! اس میں تیری قوم کا ذکر ہے۔[1]
تاریخ گواہ ہے کہ اشعری کس طرح ہر دور میں اہل باطل کے خلاف اُٹھے اور اسلام کی عزت کا سبب بنے۔
حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔
صحیحین میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ کے حق میں دعا فرمائی:۔
اللھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبہ وادخلہ یوم القیامۃ مدخلاً کریما
ترجمہ۔ الہٰی عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف کردے اور اس کو قیامت کے دن عزت والے مقام میں داخل فرما۔[2]
علمی دنیا میں آپ کا تعارف عراق کے بڑے فقیہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں مسلمانوں میں فقہ کو بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ ہر شخص فقیہ کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ رفعت و عظمت کسی کسی کے نصیب میں تھی۔
حطان بن عبداللہ الرقاشی کہتے ہیں میں نے حضرت ابوموسیٰؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے بعد نماز ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور بیان کیا کہ مقتدیوں کو نماز کس طرح پڑھنی چاہیے آپ نے اس کے آداب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے حوالے سے بیان فرمائے آپ نے کہا حضورؐ نے فرمایا ہے:۔
اذا کبر الامام فکبروا واذا قال غیر المغضوب علیھم فقولوا اٰمین۔[3]
ترجمہ۔ جب امام تکبیر (تحریمہ) کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم کہے تو تم آمین کہو۔
یہ حدیث خاص مقتدیوں کو آداب نماز بتلانے کے بارے میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے

---
[1] رواہ الحاکم فی المستدرک جلد ۲ صہ [2] تذکرہ جلد ۱ صہ۲۴ [3] صحیح مسلم جلد ۱ صہ۱۷۴

کہ امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کو پہنچنے تک مقتدیوں کے ذمہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے۔ جب امام ولا الضالین تک پہنچے تو مقتدی آمین کہیں۔ اگر مقتدیوں کے ذمہ سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہوتی تو حضورؐ اس طرح فرماتے ۔

اذا کبر الامام فکبروا و اذا قرأ فاقرؤا و اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا اٰمین ۔

یہ درمیانی جملہ آپ کو حدیث کے اسفار میں کہیں نہ ملے گا نہ کسی سند صحیح سے نہ کسی سند ضعیف سے حالانکہ یہ مقتدیوں کو نماز کی تعلیم دی جارہی تھی اور یہ مقام بیان ہے۔ مقام بیان میں عدم بیان، بیان عدم کا درجہ رکھتا ہے کہ مقتدی کا وظیفہ تکبیر تحریمہ اور آمین کے مابین خاموش رہنا سورۃ فاتحہ پڑھنا مقتدیوں کے ذمہ نہیں — اور حضورؐ نے جو فرمایا تھا۔ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القراٰن تو اس وقت مقتدیوں کی نماز پر بحث نہ تھی — اکابر محدثین نے اس ارشادِ نبوت کو اکیلے پڑھنے والے پر محمول کیا ہے۔[1]

امام مسلم نے اسحٰق بن ابراہیم سے، اس نے جریر سے، اس نے سلیمان تیمی سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے یونس بن جبیر سے، انہوں نے حطان بن عبداللہ الرقاشی سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت کی کہ حضورؐ نے فرمایا :۔

اذا کبر الامام فکبروا و اذا قرء فانصتوا و اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا اٰمین[2]

ترجمہ جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ پڑھنا شروع کرے تم چپ رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم کہے تو تم آمین کہو

دیکھئے جریر عن سلیمان عن قتادہ کی روایت میں حضورؐ کی وہ حدیث اور کھل کر سامنے آگئی کہ امام جب پڑھنا شروع کرے تو تم اس کے پیچھے چپ رہ کر و مقتدی سورۃ فاتحہ نہ پڑھیں

[1] دیکھئے جامع ترمذی جلد ا صہ [2] سنن ابی داؤد جلد ا صہ [3] مسند ابی یعلی جلد صہ صحیح مسلم جلد ا صہ ۱۷۴

امام کے آمین کہنے پر آمین کہیں اور سورۃ فاتحہ پڑھنے والے کی سورۂ فاتحہ بذریعہ آمین اپنی نماز میں جذب کرلیں۔ قتادہ کے شاگرد سلیمان نے حدیث کا یہ حصہ ساتھ روایت کیا ہے۔ امام مسلم سے حدیث کے اس جملہ (واذا قرء فانصتوا) کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام صاحب نے فرمایا:۔

اتُرید احفظ من سلیمان۔

کیا تو سلیمان تیمی سے بھی زیادہ یاد رکھنے والے کی تلاش میں ہے؟

یہ حدیث ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دو صحابیوں سے مروی ہے۔ امام مسلم نے متن میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث نقل کی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی نہیں۔ مگر جب امام مسلم سے حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا:۔

فحدیث ابی ھریرۃ قال ھو صحیح یعنی واذا قرأ فانصتوا[1]

اس سے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کی اس روایت کی اور توثیق ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے مقتدیوں کو ان کی نماز کا طریقہ بتلایا اور سمجھایا کہ ان کے ذمہ امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد ولاالضالین تک کچھ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۴

⑨ حضرت امام عبداللہ بن عمرؓ (۷۴ھ)

آپ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سگے بھائی تھے اور اہل مدینہ کے بڑے مفتی. حضورؐ کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے. حافظ ذہبی لکھتے ہیں ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صحابہؓ کی کوئی بات چھپی ہوئی نہ تھی. سلیمان بن یسار کہتے ہیں میں نے تحصیل علم کے لیے اپنا وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے درمیان برابر تقسیم کر رکھا تھا۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں میں نے صحابہؓ میں حدیث روایت کرنے میں ان سے بڑھ کر کسی کو خدا سے ڈرنے والا نہیں پایا. حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ انہیں مشکر اسلام کہتے تھے. امام زہری کہتے ہیں میں کسی کی رائے کو عبداللہ بن عمرؓ کی رائے کے برابر نہیں سمجھتا. اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل الرائے قدر سے دیکھے جاتے تھے اور اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا. نیکی میں یہ عالم تھا کہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی کے جنتی ہونے کی بشارت دے سکتا ہوں تو وہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں[۱]

آپ قرآن تفسیر حدیث فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کے بحر بے کراں تھے
آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اسی زمرے میں تھا جو علم و عمل کا مجمع البحرین
سمجھے گئے تھے[۲]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی علمی بصیرت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے. حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلافات چلے اور کسی تیسرے فرد کو چننے کی تجویز سامنے آئی تو آپ (حضرت ابوموسیٰؓ) نے فرمایا میں عبداللہ بن عمرؓ کے سوا کسی کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتا. مگر آپ نے انکار فرما دیا. حضرت جابرؓ فرمایا کرتے تھے بجز عبداللہؓ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جسے دنیا نے اپنی طرف مائل کیا ہو اور وہ اس کی طرف مائل نہ ہوا ہو — ایمانی جرأت اس درجے کی تھی

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۵۰ [۲] سیر الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۵۰

کہ حجاج ظالم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی تردید کر دیتے تھے اور اس کو سامنے دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی جنگِ بدر اور احد میں آپ کو صغر سنی کی بنا پر جنگ میں شرکت کی اجازت نہ ملی پھر آپ نے جنگِ خندق میں شرکت کی اور بیعتِ رضوان میں بھی حلفِ وفاداری اٹھایا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :-

بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کی نیکوکاری اور صلاحیت کی شہادت دی ہے۔[۱]

جنگِ خیبر غزوۂ حنین اور محاصرہ طائف میں بھی پیش پیش رہے۔ حجۃ الوداع میں بھی یہ آپ کے ساتھ تھے۔ ۷۳ھ میں ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے چند فقہی مسائل

آپ کے ہاں ماخذِ شریعت یہ تھے :-

(۱) اگر آپ کو کتاب و سنت میں کوئی مسئلہ نہ ملتا تو اجتہاد فرماتے لیکن بتا دیتے کہ یہ میری رائے ہے۔ حافظ ابن قیم کہتے ہیں :-

کبھی پوچھ بھی لیتے کہ اگر کہو تو قیاس سے بتلا دوں۔[۲]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ قیاس اور اجتہاد کے قائل تھے اور قرآن و حدیث کے بعد فقہ کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

(۲) مشہور تابعی امام مجاہد (۱۰۰ھ) آپ کے شاگرد ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں رکوع کرتے رفع یدین نہ کرتے تھے :-

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى من الصلوٰة[۳]

---

[۱] دیکھئے تذکرہ جلد ۱ ص ۳۵ [۲] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۲۲ [۳] طحاوی شریف جلد ۱ ص ۱۱۰ المصنف ص ۲۴۳

بایں ہمہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا مسلک یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے کوئی کام کسی دور میں بھی کیا ہو تو اسے آگے روایت کر دینا چاہیئے۔ سنت اس کے مطابق آ رہی ہو یا نہ۔ مسائل کی تاریخ اسی طرح مرتب ہوئی ہے بلکہ آپ خود بھی رکوع کے وقت کبھی رفعیدین کر لیتے تھے[1]

نوٹ :۔ آپ کی حضورؐ سے رکوع کے وقت رفعیدین کرنے کی روایت صحیح بخاری جلد ا میں موجود ہے۔ اس کے ایک راوی حضرت امام مالک ہیں۔ آپ نے اپنے مؤطا میں اس حدیث کو لکھتے وقت رکوع کے وقت رفعیدین کرنا ذکر نہیں کیا ـــــ اور خود آپ کا مسلک بھی رکوع کے وقت رفعیدین کرنے کا نہ تھا۔ سو امام بخاری کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت رفع الیدین عند الرکوع امت کے لیے دعوتِ عمل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے کئی راویوں کا خود اس پر عمل نہیں رہا ہے یہ آپ کے عمل کی ایک تاریخ ہے جو آپ نے ذکر کر دی۔

۳ فجر کی جماعت کھڑی ہو تو آپ اس وقت صبح کی سنتیں پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور پھر جماعت میں شامل ہو جاتے۔ اس طرح سنتیں پڑھنے کو آپ ناجائز نہ سمجھتے تھے۔ حضرت نافع کہتے ہیں :۔

ایقظت ابن عمر لصلوٰۃ الفجر وقد اقیمت الصلوٰۃ فقام و صلی رکعتین[2]

ترجمہ: میں نے حضرت ابن عمرؓ کو صبح کی نماز کے لیے جگایا اور جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور آپ اٹھے اور دو رکعت سنت پڑھیں۔

۴ آپ قرأت خلف الامام نہ کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا :۔

من صلی وراء الامام کفاہ قرأۃ الامام[3]

ترجمہ: جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے امام کی قرأت کافی ہو جاتی ہے۔

---

[1] دیکھئے فتح الباری جلد ۲ صہ [2] طحاوی جلد ا صہ [3] سنن کبریٰ امام بیہقی جلد ۲ صہ

آپ کے شاگرد امام نافع کہتے ہیں جب آپ سے پوچھا جاتا۔ ھل یقرأ احد خلف الامام (کیا کوئی امام کے پیچھے قرآن پڑھے کیا اس کی اجازت ہے) تو آپ فرماتے ۔

اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءۃ الامام واذا صلی وحدہ فلیقرأ۔[1]

ترجمہ: جب امام کے پیچھے پڑھو تو مقتدی کو امام کا پڑھنا کافی ہے اور جب کوئی اکیلے پڑھے تو خود قرأت کرے۔

حضرت نافع مزید کہتے ہیں آپ خود امام کے پیچھے قرآن (سورۃ فاتحہ اور سورت) نہ پڑھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:۔

اذا ادرکت الامام راکعا فرکعت قبل ان یرفع فقد ادرکت۔[2]

ترجمہ: جب تم امام کو رکوع کی حالت میں پالو اور امام کے اٹھنے سے پہلے رکوع کر چکے تو تم نے رکعت پالی۔

---

[1] موطا امام مالک ص۳۱ موطا امام محمد ص۹۵ [2] المصنف لعبدالرزاق جلد ۲ ص۲۷۹

⑩ حضرت امام عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ)

حضورؐ کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی. آپ نے علم حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے حاصل کیا. علم میں اس اونچے مقام پر پہنچے کہ آپ کو حبرالامۃ کہا جانے لگا.[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ابن عباسؓ قرآن کریم کے بڑے اچھے مفسر ہیں. اگر یہ ہماری عمر کے ہوتے (یعنی خود حضورؐ سے علم حاصل کرتے) تو ہم میں سے کوئی شخص علم میں ان کے پایہ کا نہ ہوتا. آپ نے ہی انہیں ترجمان القرآن کا لقب دیا.[2]

آپ کی والدہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی سگی بہن تھیں. آپ کے والد حضرت عباسؓ انہیں ولادت کے بعد حضورؐ کے پاس لے آئے اور آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور دعا فرمائی. آپ نے اللّٰھم علّمہ الکتاب بھی آپ کے حق میں کہا.[3]

ایک اور موقعہ پر آپ نے اُن کے لیے دعا فرمائی ۔

اللّٰھم فقّھہ فی الدین و علّمہ التاویل.[4]

ترجمہ: اے اللہ انہیں دین میں فقہ عطا فرما اور ان پر مراداتِ قرآن کھول دے ۔

ایک دفعہ یہ بھی فرمایا ۔

اے اللہ! اس سے علم کی روشنی پھیلا.[5]

حضرت عمرؓ باوجودیکہ ان کے اُستاد تھے مگر وہ آپ کا احترام کرتے اور وہ آپ کو بدریوں کے ساتھ بٹھاتے تھے. حضرت عطاء (۱۱۴ھ) فرماتے ہیں میں نے ان سے زیادہ کسی کی مجلس فقہ سے بھرپور نہ دیکھی. آپ فرماتے ہیں ۔

---

[1] اصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۰ [2] ایضاً [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱ [4] مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ [5] اسد الغابہ

ان اصحاب الفقه عنده واصحاب القرآن عنده واصحاب الشعر عنده

یصدرھم کلھم من وادواسع [1]

ترجمہ: فقہ کے لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوتے تفسیر کے لوگ بھی آپ کے ہاں بیٹھا کرتے اہل ادب بھی وہاں آئے ہوتے ہر ایک دور کے علاقوں سے آیا ہوتا تھا۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے پڑھائی اور فرمایا:

واللہ مات الیوم حبر ھذہ الامۃ۔ [2]

ترجمہ: بخدا آج اس امت کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چل بسا۔

آپ کے خصوصی شاگردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد، علامہ ابن سیرین، عطا، مجاہد، نافع، عمرو بن دینار، علامہ شعبی اور سعید بن جبیر سرفہرست ہیں — مکہ میں فقہ کی بنیاد آپ نے ہی رکھی۔ آپ نے اپنے فقہی ذہن سے اتنے فتاوے مرتب فرمائے کہ بقول حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) بیس جلدوں میں لکھے گئے۔ [3] دنیا میں فقہ کی یہ پہلی کتاب تھی۔

حضرت ابن عباسؓ کے چند فقہی مسائل

اگر کوئی مسئلہ آپ کو قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کی پیروی کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید اعلم اس دور میں بھی جاری ہو چکی تھی اگر وہاں انہیں اس کا فیصلہ نہ ملتا تو اپنی رائے قائم فرماتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین میں رائے قائم کرنا عہد صحابہؓ میں ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا اور یہ دینی رائے ہوتی تھی حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

قال برایہ۔ آپ اپنی رائے سے بات کہتے۔ [4]

---

[1] الاصابہ جلد ۲ صـ۳۳۳ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ۳ [3] اعلام الموقعین جلد ۱ صـ۱۳ [4] الاصابہ جلد ۲ صـ۳۳۳

(۱) آپ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین قرار دیتے تھے۔[۱]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک وہ حدیث جس میں ہے کہ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی موول تھی جو اپنے ظاہر پر مبنی نہیں سمجھی گئی امام نسائی نے اس پر اسی لیے یہ باب باندھا ہے۔

باب طلاق الثلٰث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة۔[۲]

ترجمہ۔ وہ تین طلاقیں جو علیحدہ علیحدہ دی جائیں اس عورت کو جو اپنے گھر نہ لائی گئی تھی

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس عورت کے بارے میں ہے جو ابھی گھر نہ لائی گئی ہو اور نہ بسائی گئی ہو۔

(۲) آپ تین وتر کے قائل تھے۔ حافظ ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں۔

وقد روی عن سعید بن جبیر و یحیٰی بن الجزار عن ابن عباس فی وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفردًا ما یدل علی انہ ثلٰث فمن ذٰلک ما حدثنا ابوبکرہ قال حدثنا ابوداؤد ... عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلٰث۔[۳]

بایں ہمہ جب آپ کو خبر دی گئی کہ حضرت معاویہؓ نے وتر ایک رکعت بھی پڑھے ہیں تو آپ نے فرمایا:۔

اصاب انہ فقیہ۔[۴] انہوں نے صحیح کیا وہ بے شک فقیہ ہیں۔

اس میں آپ کہہ گئے کہ ایک وتر مستقل نماز کے طور پر حضورؐ اور دیگر اکابر صحابہؓ سے مروی نہیں ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جو یہ بات کی ہے اپنے استنباط سے کی ہے۔ وہ فقیہ ہیں اور فقیہ کو اجتہاد کا حق ہے گو اس میں وہ خطا کرے وہ اجر کا مستحق ہے۔

(۳) حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ نماز میں صرف شروع کے وقت

---

[۱] [۲] سنن کبریٰ للنسائی جلد ۳ صہ ۱۵۳ [۳] طحاوی جلد ۱ صہ ۱۷۱ [۴] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۵۳۱

رفع یدین کی جائے. نماز میں کسی اور موقعہ پر (رکوع کرتے یا رکوع سے اُٹھتے) رفعیدین نہ کی جائے۔

لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن اذا قام الی الصلوٰۃ .. الحدیث [۱]

(الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون) مخبتون متواضعون لا یلتفتون یمیناً ولا شمالاً ولا یرفعون ایدیھم فی الصلوٰۃ۔

(۴) آپ خطبہ جمعہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔[۲]

گو یا حضرت جابرؓ سے جو یہ حدیث مروی ہے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو بھی تم تحیۃ المسجد پڑھو یہ اپنے ظاہر پر مبنی نہیں سمجھی گئی۔

اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین۔[۳]

ترجمہ. جب تم میں کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے

اس میں والامام یخطب سے مراد والامام اراد ان یخطب ہے کہ امام منبر پر آگیا ہے اور خطبہ دینے کو ہے اس وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھی جا سکے گی۔ مشہور تابعی حضرت امام نخعیؒ کا فتویٰ ہے کہ امام منبر پر آجائے تو اس وقت سے ہی مقتدیوں کے لیے نہ کسی کو بات کرنے کی اجازت ہے نہ کسی کے لیے نماز پڑھنے کا موقع ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف بھی یہی ہے۔

اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام۔[۴]

ترجمہ. جب امام آجائے تو پھر نہ کوئی نماز پڑھے اور نہ بات کرے۔

عن علی وابن عباس وابن عمر کانوا یکرھون الصلوٰۃ والکلام بعد خروج الامام۔[۵]

یہ دو مذہب آپ کے سامنے ہیں. یہ مذہب کسی کا نہیں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو بھی

---

[۱] المصنف جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ [۲] تفسیر ابن عباس صفحہ ۲۸۵ [۳] ایضاً [۴] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۔۔ [۵] عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۲۳۰

مقتدی تحیۃ المسجد پڑھ لے سو حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث آپ کے منبر پر تشریف فرما ہونے سے متعلق ہے آپ نے عملاً خطبہ شروع کر دیا ہو تو آپ اس میں تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دے رہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ان روایات کی رو سے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خطبہ جمعہ شروع کر چکے تھے) اپنے خطبہ سے رُک نہ جاتے اور انتظار نہ فرماتے کہ وہ اپنی نماز تحیۃ المسجد پڑھ لے اور آپ خطبہ پھر سے شروع فرمائیں۔

اس پس منظر میں حضرت سلیک غطفانی کے اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور زیر نظر رکھے جائیں۔

① جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم قاعدٌ اعلى المنبر فقعد سليك۔ [1]

ترجمہ: جمعہ کے دن سلیک غطفانی آئے اور حضور پاکؐ منبر پر بیٹھے تھے سو سلیک بھی بیٹھ گئے۔

② ان النبيّ حيث امره ان يصلي ركعتين امسك عن الخطبة حتى فرغ من ركعتيه ثم عاد الى الخطبة۔ [2]

ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو دو رکعت پڑھنے کے لیے کہا تو خود خطبہ سے رُک گئے یہاں تک کہ وہ اپنی دو رکعتوں سے فارغ ہوا۔ تب آپ اپنے خطبہ کی طرف لوٹے۔

③ امام جب خطبہ شروع کرے تو مقتدیوں پر اس وقت چپ رہنا واجب ہو جاتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

ثم يُنصت اذا تكلم الامام۔ جب امام بولے تو آنے والا نمازی چپ رہے۔ [3]

④ اور یہ بھی فرمایا:۔

اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت۔ [4]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۲۸۷ سنن کبریٰ امام نسائی جلد ۱ صـ ۵۲۵ [2] المصنف جلد ۳ صـ ۲۴۴ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۱۲۱ [4] ایضاً جلد ۱ صـ ۱۲۸

ترجمہ جب تو نے اپنے کسی ساتھی کو خطبہ جمعہ کے وقت کہا چپ رہو تو تو نے بھی لغو کہا (یعنی بولنا ہی نہ چاہیئے تھا)

ان تمام روایات کی روشنی میں جمہور سلف صالحین کا موقف یہ ہے کہ امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت کوئی شخص تحیۃ المسجد نہ پڑھے اور یہی حضرت ابن عباسؓ کا موقف تھا۔

علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں :-

قال مالك والليث وابو حنيفة والثوری وجمهور السلف من الصحابة و التابعين لا يصليهما وهو مروی عن عمر وعثمان وعلی رضی الله عنهم وحجتهم بالانصات ۔[1]

ترجمہ۔ امام مالک، لیث مصری، ابو حنیفہ، سفیان الثوری اور جمہور صحابہؓ اور تابعین کا یہی موقف ہے کہ خطبہ جمعہ کے وقت کوئی شخص دو رکعت تحیۃ المسجد نہ پڑھے

سو حضرت جابرؓ کی حدیث مذکورہ بالا میں والامام یخطب کا مطلب یہی لیا گیا ہے اور والامام اراد ان یخطب جیسے قرآن کی آیت اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوھکم کا یہ معنی نہیں کہ نماز میں کھڑے ہو کر پھر منہ دھوو بلکہ مراد یہ ہے کہ اذا اردتم ان تقوموا الی الصلوٰۃ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو۔ قرآن کے اس محاورے سے اس حدیث کا مطلب سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

(۱۱) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ (۷۴ھ)

آپ مدینہ میں سب سے آخر فوت ہوئے علم کے ایسے شیدائی تھے کہ ایک حدیث کے لیے شام کا سفر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اہل علم طلبہ میں سے تھے۔ امام زین العابدینؒ اور امام باقرؒ نے آپ سے علم کثیر پایا۔ سورۃ فاتحہ مقتدی کے ذمہ نہیں اس کا برملا اظہار فرماتے تھے[3]۔ امام محمدؒ بھی آپ کی پیروی میں چلے

[1] شرح صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۷ [2] جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۴۲ [3] موطا امام مالک صفحہ

ایک ضروری گذارش

صحابہؓ میں جو لوگ علم کے اعلیٰ مراتب تک پہنچے ان میں حضرت ابوذر غفاریؓ نہایت ممتاز ہیں. آپ سابقین اولین میں سے تھے. آپ سے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ نے علم حاصل کیا. تابعین میں سے عبدالرحمٰن بن غنم اور حضرت سعید بن المسیب اور کئی دوسرے بزرگوں نے آپ سے روایت کی. آپ علم و فضل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قریب تھے. سو حق یہ تھا کہ فقہاء صحابہؓ میں جو بارہ امام ہوئے ان میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا نام بھی ہوتا مگر ایک مسئلے میں اختلاف کی وجہ سے آپ جمہور صحابہؓ کے ساتھ نہ رہے تھے. اس لیے حضرت عثمانؓ نے انہیں چار سو دینار ماہانہ وظیفہ دے کر انہیں مدینہ سے باہر ایک بستی ربذہ میں بھیج دیا تھا اور آپ نے اسے تسلیم کر لیا تھا ــــ بعض مورخین یہاں تک نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اتحادِ امت کی خاطر آپ کو فتوے دینے سے منع کر دیا تھا.

ان کے بعد فقہاء صحابہؓ میں حضرت امیر معاویہؓ ایک امتیازی شان سے ابھرتے ہیں. سیاسی اختلاف کے باوجود امت میں کسی نے ان کے علمی مرتبے سے انکار نہیں کیا. آپ کی اسی علمی عظمت کے باعث ہم فقہ کے پہلے بارہ اماموں میں ان کا ذکر کر رہے ہیں. صحابہ کرامؓ میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علم و فضل سے کون واقف نہیں. آپ نے حضرت معاویہؓ کو صحابہؓ کا ایک ممتاز فقیہ مانا ہے (صحیح بخاری جلد اص) جس طرح صحاح ستہ کی چھٹی کتاب میں اختلاف ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ ہے یا مؤطا امام مالک یا سنن دارمی ــــ اس طرح کا اختلاف یہاں بھی سمجھ لیجیے کہ فقہاء صحابہؓ میں فقہ کے بارہویں امام حضرت ابوذر غفاری ہیں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما ــــ عالمی سطح پر اسلام کا جو فیض حضرت معاویہؓ سے پھیلا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اسی کے باعث ہم یہاں آپ کا نام دے رہے ہیں ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا ۔۔۔ کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

(۱۲) حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ)

آپ عبد مناف پر جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جد ہو جاتے ہیں۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں عبد مناف کی اولاد ہیں حضورؐ کے اعلانِ نبوت کے وقت آپ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ آپ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لے آئے تھے لیکن آپ نے اسے اپنے والد سے چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن اپنے ایمان کا اظہار فرمایا۔ ذہنی طور پر آپ حضورؐ کے مقابل نہ آنا چاہتے تھے اس لیے جنگ بدر اور جنگ خندق میں آپ اپنے والد سفیان کے ساتھ جنگ میں نہ نکلے تھے۔ اسلام لانے کے ساتھ ہی آپ نے حضورؐ کی صحبت لازم پکڑی اور آپ کے پاس ہی رہنے لگے۔ یہاں تک کر حضورؐ نے انہیں اپنا کاتب مقرر کر لیا اور پھر آپ کو کاتبِ وحی ہونے کی منزلت بھی دی۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور آپ اب ہمہ تن حضورؐ کی خدمت میں رہتے تھے اور وحی لکھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے آپ کو دُعا دی :-

اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا واھد بہٖ [1]

ترجمہ۔ اے اللہ معاویہؓ کو دوسروں کے لیے بھی ہدایت کا سبب بنا اور خود بھی اسے ہدایت یافتہ بنا اس کے ذریعہ اوروں کو بھی ہدایت ملے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دُعا فرمائی :-

اللّٰھم علّم معاویۃ الکتاب ومکّن لہ فی البلاد وقہ العذاب [2]

ترجمہ اے اللہ معاویہؓ کو علم کتاب دے (حقائق قرآن اس پر کھول دے) اور اسے بلادِ اسلامی میں تمکنت عطا فرما اور اسے عذاب آخرت سے بچا۔

کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکے گا کہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا قبول نہ ہوئی تھی؟ (معاذ اللہ)

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷ [2] مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶ بیروت

عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأوا قال فلما توضأ نظر الیّ فقال یا معاویۃ ان ولیت امرا فاتق اللہ واعدل[1]

ترجمہ حضرت معاویہؓ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب وضو کرو۔ آپ نے جب وضو کیا تو میری طرف نظر کی اور مجھے کہا کہ جب تو والی بنایا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدالتیں قائم کرنا تاکہ انصاف کا بول بالا ہو۔

آپ کے علم و بصیرت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے مشورہ بھی لیتے تھے اور آپ کی قدر کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر فرمایا:۔

ادعوا معاویۃ واحضروہ امرکم فانہ قوی امین[2]

ترجمہ۔ معاویہؓ کو بلاؤ اور اسے اپنی بات کہو وہ امانت دار ہے اور امانت سنبھالنے کی قوت رکھتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں یہ بات بلا تردید کہی جا سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہؓ کے علم ان کی بصیرت اور ان کی دیانت اور امانت پر پورا یقین تھا۔ رہی آپ کی حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف معرکہ آرائی تو یہ ایک غلط فہمی پر مبنی رہی۔ اس کے پیچھے ترک دیانت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کے ان حالات میں بھی آپ کی اور آپ کی پوری جماعت کو فئۃ عظیمۃ من المسلمین فرمایا[3] ہے۔ ان اختلافات کے خاتمہ پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے جو آپ کی بیعت کرلی اور اپنے کل علاقے بھی ان کے زیر پرچم کر دیئے تو اس کے بعد مسلمانوں کے کسی گروہ کو ان سے (حضرت معاویہؓ سے) اختلافات کا کوئی حق نہیں رہ جاتا ہے۔

---

[1] رواہ ابو یعلیٰ فی مسندہ جلد ۶ صفحہ ۳۴۲ والبیہقی فی دلائل النبوۃ کما فی الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۴۳۳ [2] مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶ [3] دیکھئے صحیح مسلم جلد صفحہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۹ رواہ البخاری

حضرت معاویہؓ صحابہؓ کی نظر میں

حضرت معاویہؓ کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے مدبرِ اعظم نے آپ کو صوبہ شام کا والی بنایا اور حضرت عثمانؓ جیسے عظیم فاتح نے آپ کو بدستور گورنر شام رکھا۔ آپ کی دیانت و امانت اگر کسی پہلو سے بھی مجروح ہوتی تو آپ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی اس عظیم بلند نظری کا شرف نہ پاتے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ جنگِ صفین سے واپس لوٹے تو حالات پر نظر کرتے ہوئے فرمایا:

یا ایھا الناس لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فقدتموہ رأیتم الرؤس تندرمن کواھلھا کانھا الحنظل۔ [1]

ترجمہ۔ اے لوگو! معاویہؓ کی امارت کو بُرا نہ جانو تم اگر اسے کھو دو گے تو تم دیکھو گے کہ کس طرح سر کندھوں سے جُدا ہوتے ہیں یہ ایسے ہوگا جیسے تُمّے آمارے جا رہے ہوں۔

اس سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی بلند نظری اور آپ کی حق گوئی کا بھی عجیب شان سے پتہ چلتا ہے۔

حضرت معاویہؓ کے چند فقہی مسائل

① مسلمان کو کافر کی وراثت

کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ خاوند کو بیوی پر جو حقِ ولایت حاصل ہے اس میں یہ مسئلہ شاید کسی سے اوجھل نہ ہو کہ مسلمان مرد تو کتابیہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن کوئی مسلمان لڑکی کسی کتابی مرد کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔ اس مسئلہ

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۸ صلا۱۳

کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہو سکتا ہے لیکن اس کا عکس درست نہیں قرآن کریم میں ہے :۔

لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً۔ (پ النساء ع ۲، آیت ۱۴۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنین پر ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔

حضرت معاویہؓ اپنے اس اجتہاد میں منفرد نہیں ہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کا اجتہاد بھی یہی تھا۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الاسلام یزید ولا ینقص سے یہ استنباط کیا کہ مسلمان کو کسی صورت میں نقصان میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر اسے کافر سے بھی مال آتا ہے تو اسے اس کے پاس آنا چاہیئے۔

ابوالاسود الدئلی روایت کرتے ہیں :۔

کان معاذ بالیمن فارتفعوا الیہ فی یھودی مات وترک اخاہ مسلماً فقال معاذ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الاسلام یزید ولا ینقص فورثہ [1]

ترجمہ۔ حضرت معاذؓ جب یمن میں تھے تو آپ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا ایک یہودی مر گیا اور اس کے وارثوں میں صرف اس کا ایک بھائی تھا اور وہ مسلمان تھا۔ اس پر حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا ہے کہ اسلام زیادہ کرتا ہے کم نہیں کرتا۔ پس آپ نے اسے وارث ٹھہرایا۔

علامہ شعبی عبداللہ بن معقلؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں حضرت معاویہؓ کا فیصلہ بھی یہی رہا ہے۔

ما رأیت قضاءً بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن من قضاء قضٰی بہ معاویۃ فی اھل الکتاب قال نرثھم ولا یرثوننا کما

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ صـ۲۸۳ [2] ایضاً جلد ۲ صـ۲۸۵

يحل لنا النكاح فيهم ولا يحل لهم النكاح فينا[1]

ترجمہ: میں نے اکابر صحابہؓ کے فیصلوں کے بعد اس سے بہتر کسی کو فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جو حضرت معاویہؓ نے اہل کتاب کے بارے میں دیا۔ آپ نے فرمایا ہم ان کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے وارث نہ ہو سکیں گے۔ ان کی عورتیں ہمارے نکاح میں آسکتی ہیں ہماری ان کے نکاح میں نہ جا سکیں گی۔

علامہ عینی کہتے ہیں قیاس کا تقاضا یہی ہے جن فقہاء نے مسلمان کو کافر کا وارث نہیں مانا انہوں نے استحسان سے کام لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

واما المسلم هل يرث من الكافر ام لا فقالت عامة الصحابة لا يرث و به اخذ علماؤنا والشافعى و هذا استحسان والقياس ان يرث وهو قول معاذ بن جبل ومعاوية بن ابى سفيان وبه اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد بن على بن الحسين[2]

واضح ہے کہ امام مسروق حضرت حسن بصری، محمد بن حنفیہ اور امام باقر جیسے حضرات بھی اس مسئلہ میں امیر معاویہؓ کے ساتھ ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت سعید بن المسیب اور امام نخعی جیسے تابعین بھی حضرت معاویہؓ کے موافق بتلائے ہیں۔[3]

حضرت معاذؓ نے اپنے اس اجتہاد کی بناء اس حدیث پر رکھی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

عن معاذ قال يرث المسلم من الكافر من غير عكس واحتج بانه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الاسلام يزيد لا ينقص وهو حديث اخرجه ابوداؤد وصححه الحاكم[4]

اس دور میں جن لوگوں نے حضرت معاویہؓ کے اس فیصلے کو بدعت کہا ہے وہ سمجھ نہیں۔

---

[1] المصنف جلد ۶ ص ۲۸۵ [2] عمدۃ القاری جلد ۲۳ ص ۲۶۰ [3] ایضاً

پائے کہ مجتہد اپنے فیصلے میں خطا بھی کرے تو بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اس کے اجتہاد کو کسی صورت میں بدعت نہیں کہا جاسکتا اور بدعت صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے صحابی کا عمل کیسے بدعت ہوگیا۔ ان هذا الشیء عجاب۔

۲ کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف

ابن شہاب زہری کہتے ہیں جو کافر عہد دے کر مسلم علاقے میں آیا ہے اس کی دیت میں اور مسلمان کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ٹھہرائی ہے اور کافروں کو مسلمانوں کے برابر نہیں آنے دیا۔

یہ حضرت معاویہؓ کا صرف اجتہاد نہیں اس بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ حدیث مروی ہے:

عقل الکافر نصف دیۃ المسلم وفی روایۃ نصف عقل المومن [1]

ترجمہ: کافر کا خونبہا مسلمان کی دیت کا نصف ہے

وفی روایۃ عقل اهل الذمۃ نصف عقل المسلمین [2]

ترجمہ: ذمیوں کا خونبہا مسلمان کے خونبہا کا نصف ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اسی کے قائل تھے اور مالکی فقہ میں اب تک یہ مسئلہ اسی طرح مفتیٰ بہ ہے۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دونوں کے اجتہاد میں یہ فرق ہے کہ امیر معاویہؓ اس کافر کے قاتل سے پوری دیت لینے کے قائل ہیں جس میں سے آدھی مقتول کے وارثوں کو ملے گی اور باقی نصف بیت المال میں جائے گی۔ کیونکہ اس قاتل نے جس طرح اس کافر کو نقصان پہنچایا اس نے سلطنت کے باندے عہد کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس ذمی کی دیت نصف ٹھہرائی اور بیت المال کے لیے قاتل سے کچھ نہ لیا۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔

---

[1] رواہ احمد والنسائی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷ [2] ایضاً

دونوں بزرگوں کے اجتہاد میں جو صلابت اور اصابت حضرت امیر معاویہؓ کے اجتہاد میں ہے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اجتہاد میں نہیں. عام لوگوں پر اس قتل بے جا کی زد برابر پڑنی چاہیئے. قتل کافر کا ہو یا مسلمان کا دیت برابر ہونی چاہیئے. یہ اگلی بات ہے کہ مقتول کے وارثوں کو نصف ملے اور دوسرا نصف بیت المال میں جائے. اس سے قاتلوں اور قانون توڑنے والوں پر کوئی نرمی نہ آئے گی اور لاء اینڈ آرڈر کسی پہلو سے کمزور نہ ہو گا. حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک یہی مطلب اس حدیث کا ہے:

دیۃ ذمی دیۃ مسلم[1] ذمی کی دیت اور مسلمان کی دیت برابر ہے.

اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ساری اس مقتول کے وارثوں کو جانی چاہیئے اور اس جہت سے یہ مسلمانوں کے برابر ہے.

حضرت معاویہؓ کے علم و فہم کی داد دیجیئے. آپ نے کس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق دے دی ہے. اس سنت سے بھی نہیں نکلے جو پہلے سے چلی آ رہی تھی اور کافروں کو مسلمانوں کے برابر بھی نہیں آنے دیا اور عوام پر لاء اینڈ آرڈر کا رعب برابر قائم رکھا.

فقہاء کوفہ گو حضرت معاویہؓ سے اس اجتہاد سے متفق نہیں ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان الثوریؒ کی رائے اور ہے[2] لیکن ہم اجتہاد پر حضرت امیر معاویہؓ کو خراج تحسین دیئے بغیر آگے جانا نہیں چاہتے. اللہ تعالیٰ نے کس شان سے ان پر علم روشن کیا تھا. حضرت امیر معاویہؓ قاتل سے پوری دیت لیتے تھے. اس کی تصریح آپ کو اس روایت میں ملے گی۔ کیا آپ نے دوسرا نصف بیت المال میں نہیں ڈالا؟

فلما کان معاویۃ اعطی اہل المقتول النصف والقی النصف فی بیت المال ثم قضی عمر بن عبد العزیز فی النصف والقی ما کان جعل معاویۃ[3]

---

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ صفحہ ۱۰۲ [2] نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۶۵ [3] السنن الکبریٰ جلد ۸ صفحہ ۱۰۲

ترجمہ: پس جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو آپ نے مقتول کے وارثوں کو نصف دیت دلوائی اور دوسرا نصف بیت المال میں دیا۔ پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت آئی تو آپ نے اسی ذمی کے ذمہ صرف نصف دیت لگائی اور حضرت معاویہؓ نے جو حصہ بیتُ المال میں لیا تھا اسے جانے دیا۔

بقول حضرت ربیعہ الرای حضرت معاویہؓ نے خود یہ تصریح فرمائی جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے دیت نصف نہ ٹھہرائی تھی اس کے مصرف میں سلطنت کو بھی شامل کر دیا تھا

فقال معاویہ ان کان اھلہ اصیبوا بہ فقد اصیب بہ بیت مال المسلمین فاجعلوا لبیت مال المسلمین النصف ولاھلہ النصف۔[1]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کہتے تھے اگر اس مقتول کے گھر والوں پر ایک مصیبت آئی ہے تو مسلمانوں کے بیت المال پر بھی تو ایک زد پڑی ہے۔ سو آدھی دیت بیت المال میں ڈالو اور آدھی اس مقتول کے وارثوں کو دو۔

سو امام زہری کے اس بیان میں کہ امیر معاویہؓ نے دیت کی نصف ثانی اپنے لیے ٹھہرائی اس سے مراد اسے مسلمانوں کے کھاتہ میں ڈالنا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ زہری کی وہ مغالطہ انگیز عبارت یہ ہے:۔

وکان معاویہ اول من قصرھا الی النصف واخذ النصف لنفسہ۔[2]

ترجمہ: معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دیت کو نصف کیا اور دوسرا نصف اپنے لیے لے لیا۔

جب قاتل کے وارثوں سے پوری دیت لی گئی تو اسے نصف کرنے کی بات کہاں رہی رہا صرف اس کے مصرف میں اجتہاد۔ کیا ہر مجتہد کو دلائل کی روشنی میں اجتہاد کرنے کا حق نہیں؟ اور کیا یہ حدیث میں نہیں کہ مجتہد صحیح بات پانے میں خطا بھی کر جائے تو بھی وہ ایک اجر کا مستحق

---

[1] الجوہر النقی للعلامۃ الترکمانی جلد ۸ صفحہ ۱۰۳ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۹

ٹھہرتا ہے۔ نادان ہیں وہ جو اسے اس پر ملامت کرتے ہیں

④ ایک وتر کا اجتہاد

وتر کی کم از کم نماز تین رکعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح روایت میں مستقل طور پر ایک وتر پڑھنا ثابت نہیں جن روایات سے ایسا سمجھا گیا ہے وہ سب ماؤل ہیں۔ آپ نے پہلے کچھ رکعات پڑھیں اور پھر ایک رکعت اور ملا کر اس نماز کو وتر بنا لیا۔ اَوْتَرَ بِرَکْعَۃٍ سے یہی مراد ہے کہ پہلی رکعتوں کو وتر کیا ایک رکعت اور ملا کر — اب یہ کل تین ہوں یا پانچ یا سات۔ لیکن یہ واضح ہے کہ وتر کی کم از کم مقدار تین رکعت ہی ہیں اس سے کم نہیں۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کا یہی عمل نقل کیا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے وتر اس ایک رکعت کو ہی سمجھ لیا اور فتویٰ دیا کہ ایک رکعت علیحدہ پڑھنے سے بھی وتر کی نماز ادا ہو جاتی ہے حالانکہ اس کا علیحدہ پڑھنا کسی روایت میں نہیں ملتا اس ایک رکعت کا کام پہلی نماز کو وتر بنانا ہے۔ اگر پہلے دو رکعت بھی نہ ہوں تو یہ رکعت آخر کس نماز کو وتر بنائے گی؟ حضورؐ ایک رکعت سے کس نماز کو وتر بنایا کرتے تھے؟ انہی دو رکعتوں کو جو آپ نے پہلے پڑھی ہوتی تھیں۔

حضرت معاویہؓ کے اس اجتہاد سے صحابہؓ کو بہت تعجب ہوا مگر آپ چونکہ مجتہد تھے اور مجتہد خطا بھی کرے تو اُسے ایک اجر ملتا ہے۔ اس لیے صحابہؓ نے آپ کو غلط نہ کہا۔ اسے اجتہاد کے سلسلے میں گوارا کر لیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا معاویہؓ پر اعتراض نہ کرو وہ فقیہ ہیں اور فقیہ اجتہاد بھی تو کرتا ہے۔

اس وقت تک تین رکعت وتر پر پوری امت کا اجماع نہ ہوا تھا۔ اس لیے حضرت معاویہؓ کسی اعتبار سے اس اجتہاد میں محل ملامت نہیں بنتے۔ ہاں اب جب اس پر اجماع ہو چکا ہے تو اب کسی کے لیے امت کے اس اجماع سے نکلنا جائز نہیں۔ امت کا عام عمل پہلے بھی تین رکعت ہی تھا۔

یہ ایک وتر کے خلاف سوال کیوں اٹھا؟ اس لیے کہ امت کا عام عمل تین رکعت پر ہی تھا اور اس سے کسی صحابی کو اختلاف نہیں تھا جب اس عام عمل کے خلاف ایک بات سامنے آئی تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں. اس پہ حضرت ابن عباسؓ نے جو اپنے وقت کے بڑے مجتہد اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ترجمان القرآن تھے. انہوں نے فرمایا معاویہؓ نے ٹھیک کہا ہے اور ان کا ایسا کرنا ان کے اجتہاد اور ان کی فقاہت کی وجہ سے ہے. وتر کا ایک ہونا حدیث کی کوئی منصوص بات نہیں ہے معاویہ فقیہ ہیں اور انہوں نے اجتہاد کیا ہے.
یہاں ہماری مسئلہ وتر سے بحث نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ صحابہؓ میں فقیہ سمجھے جاتے تھے. مسئلہ کی پوری تحقیق مطلوب ہو تو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر کا مطالعہ کریں.

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ صحابہؓ میں اول درجے کے جو فقہاء گزرے اور ان کے علم و اجتہاد پر پوری امت کو ناز رہا ہے ان میں حضرت معاویہؓ بھی ہیں اور حضورؐ کی دعا کہ اے اللہ! معاویہؓ کو علم کتاب عطا فرما آپ کے حق میں ہوبہو پوری ہوئی البتہ یزید کی ولی عہدی میں ان کا اجتہاد اصابت نہ پاسکا.

واللہ ولے امرہ وھو یعلم السر وما ظھر.

حضرت امام حسن بصری سے منقول ہے .

عن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی اٰخرھن[1]

ترجمہ. حضرت امام حسنؒ کہتے ہیں مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہی ہیں ان میں سلام صرف آخر میں ہے.

یہاں اجماع سے مراد تین رکعت وتر کی مقدار ہے. یہ بات کہ یہ تین ایک سلام سے ہوں یہ ان کا اپنا مذہب ہے. شافعیوں کے ہاں بھی وتر تین رکعت ہی ہیں ان سے کم نہیں مگر

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲

ان کے ہاں افضل یہ ہے کہ دو سلاموں سے ہوں مالکیوں کے نزدیک ضروری ہے کہ دو سلاموں سے ہوں یہ اختلاف ان کی صورتِ ادا میں ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وتر کی کم از کم رکعات تین ہی ہیں ان سے کم نہیں۔ علامہ بیجوری شافعی شمائل ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں :-

ظاهر اللفظ يقتضي انه صلى الثلاث بسلام واحد وهو جائز بل واجب عند ابي حنيفة ولكن صلوتها بسلامين افضل عندنا معشر الشافعية ومتعين عند المالكية۔[۱]

ترجمہ الفاظ کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ آپ نے تین رکعت ایک سلام سے پڑھے ہیں یہ جائز ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں واجب ہے لیکن ہم شافعیہ کے ہاں تین وتر دو سلاموں سے پڑھنا افضل ہے اور مالکیہ تو کہتے ہیں کہ تین وتر دو سلاموں سے پڑھے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کبھی وتر کی نماز ان دو رکعتوں کو ساتھ ملائے بغیر بھی پڑھی ہوتی تو اہلِ مدینہ کا عام عمل بھی یہی ہوتا کہ صرف ایک وتر بھی کبھی علیحدہ پڑھے ہوتے لیکن مسجد نبوی کے امام حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) لکھتے ہیں ہمارے ہاں اس پہ بالکل عمل نہیں۔ وتر کی کم از کم مقدار تین ہے اس سے کم نہیں :-

وليس على هذه العمل عندنا ولكن ادنى الوتر ثلاث۔[۲]

ترجمہ۔ اس طرح ایک وتر پڑھنے پر ہمارے ہاں بالکل عمل نہیں وتر کی کم از کم مقدار تین رکعات ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

صلوٰة المغرب وتر صلوٰة النهار[۳]

---

[۱] شرح شمائل صفحہ ۱۴۷ [۲] موطا امام مالک صفحہ ۴۲ [۳] ایضاً

ترجمہ: مغرب کی نماز دن کی نمازوں کی وتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں:۔

الوتر ثلث کوتر النہار صلوٰۃ المغرب [1]

ترجمہ: وتر تین رکعات ہی ہیں جیسے دن کے وتر مغرب کی نماز ہیں۔

حضرت ابوالعالیہ (۹۳ھ) کہتے ہیں:۔

علمنا اصحاب محمد او علمونا ان الوتر مثل صلوٰۃ المغرب غیر انا القرأۃ فی الثالثۃ فھذا وتر اللیل وھذا وتر النہار [2]

ترجمہ: پس حضورؐ کے صحابہؓ نے یہ سمجھایا ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے سوائے اس کے کہ ہم تیسری رکعت میں بھی سورت ملاتے ہیں وہ رات کے وتر ہیں اور یہ دن کے۔

④ بیٹے کی جانشینی بوقت ضرورت

جب تک صحابہؓ خاصی تعداد میں رہے مسلم سوسائٹی پر علم اور تقوے کی پوری چھاپ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت ابوبکرؓ کو اپنے علم و تقوے اور ان کی تاریخی خدمات پر چنا گیا تھا حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ کی ان کے علم و تقوے اور خلافت کی صلاحیت پر نظر تھی۔ پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ چنے گئے تو عشرہ مبشرہ کے اعزاز پر پھر حضرت امیر معاویہؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت حسنؓ کے اعتماد پر۔ مگر اس کے بعد مسلم سوسائٹی میں وہ بات نہ رہی۔ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اختلافات نے دوسروں کی پہلی فطرت کھول کر رکھ دی تھی۔ حجاز پر تقوے و دیانت کا غلبہ تھا مگر قلمرو اسلامی کی نئی وسعت کے سامنے یہ آبادی فیصلہ کن نہ ہو سکتی تھی۔ ایران و روم، عراق و شام اور مصر اور

[1] طحاوی شریف صفحہ ۱۴۳ [2] ایضاً

افریقہ کے لوگوں کے اپنے اپنے مزاج تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے نہج البلاغہ کے خطبے عراقیوں کی بے وفائی، اور شامیوں کی عزیمت اور صلابت پہ شاہد ناطق ہیں۔ ایسے ماحول میں خلیفہ کا علم و تقوے پر انتخاب حالات کا سامنا کرنے کے لیے کافی نہ سمجھا گیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علم و تقوے پر کسے شک ہو سکتا ہے۔ مگر کیا یہ صحیح نہیں کہ انہیں عراقیوں نے دھوکہ دیا خطوط بھیج کر انہیں بلایا اور جب وہ آئے تو خود یہ حکومت کے ساتھ مل گئے۔ اہل حجاز کی سادگی اور اہل عراق کا تلون یہ وہ بواعث تھے جن کی وجہ سے نیا خلیفہ شامیوں میں سے چُنا جائے یہ احساس اور بڑھتا گیا تھا۔ اور اسی سے سلطنت اسلامی کی کچھ صلابت اور عزیمت کی توقع رہ گئی تھی۔

امیر معاویہؓ نے شام میں کچھ اس انداز میں حکومت کی تھی کہ لوگ ان پر جان دیتے تھے۔ پھر شیرازہ اسلام کے بکھرنے کے بعد پھر سے اسے باندھنے کا امیر معاویہؓ کا کارنامہ بھی ہر کسی کے سامنے تھا۔ الائمۃ من قریش کی رو سے امیر معاویہؓ قریشی تھے اور عبد مناف کی اولاد میں سے ہونے کے باعث حضور اکرمؐ کے قریبی بھی تھے۔ شامیوں میں اور لوگ ان روایات کے عامل نہ تھے جو بنی امیہ میں پائی جاتی تھیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی رائے تھی کہ جس طرح شامی افواج اور شامی عوام حضرت معاویہؓ پر جان دیتے ہیں اس سطح پر وہ اور کسی کا ساتھ دے سکتے ہیں تو حضرت معاویہؓ کے خاندان کا ہی دے سکیں گے۔ اس لیے انہوں نے حضرت معاویہؓ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ آپ اپنے بیٹے کو ولی عہد کر دیں

حضرت معاویہؓ نے پہلے اس میں کچھ تردد کیا کہ بیٹا باپ کا کیسے جانشین ہو لیکن بالآخر ان حضرات کی بات مان لی کیوں کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہ تھی۔ کیا قرآن کریم میں یہ نہیں دیا گیا کہ ورث سلیمان داوٗد۔ پ ۱۹۔ (حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے) حضرت سلیمان حضرت داؤد کے بیٹے تھے اور ان کے جانشین ہوئے اب اگر حالات کو سلجھانے کے لیے بیٹے کا انتخاب کرنا پڑے کیونکہ شام کے لوگ اس کے

وفادار ہو سکیں گے۔ تو ان حالات میں بیٹے کو جانشین بنانے میں شرعاً کوئی عیب نہ ہوگا اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر اس نیت سے بیٹے کو نامزد کرتے ہیں کہ شامی فوجیں اس کے سوا اور کسی کے گرد وفادارانہ پہرہ نہ دے سکیں گی اور اگر کسی سادہ اور نیک بزرگ کو نامزد کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گرد اتنی حمایت جمع نہ کر سکے۔ تو محض اس لیے ایسا نہ کرنا کہ باپ کے بعد بیٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے اس کے لیے ملک کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

پھر یہ بھی علم الٰہی میں تھا کہ آئندہ مسلم سلطنتیں دنیا میں باپ بیٹے کی حکومت سے چلیں گی ہندوستان کے شاہانِ اسلام خلجی ہوں یا تغلق۔ لودھی خاندان ہو یا مغلیہ خاندان سب اسی نسبت سے رہ چکے ہیں۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب سب باپ بیٹا تھے۔ ہندوستان میں محمد بن قاسم کس حکومت کی طرف سے یہاں آئے تھے؟ کیا عبدالملک کی حکومت باپ بیٹے کی اساس پر نہ چل رہی تھی؟ خلفائے بنی عباس ہارون الرشید اور مامون الرشید کیا باپ بیٹا نہ تھے؟ اور کیا ان کے دور میں شوکت اسلامی قائم نہ تھی؟ پھر جو اموی لوگ سپین چلے گئے تھے کیا انہوں نے خلافت عبدالرحمٰن ثالث کی اولاد میں باقی نہ رکھی تھی؟ پھر سلطنت عثمانیہ جو پوری قلمرو اسلامی کی طاقت کا مرکز تھی کیا باپ بیٹے کی جانشینی پر قائم نہ تھی؟ پوری دنیا میں مسلمان اسی نظام حکومت سے پھیلے اور انہی سے عالمی اسلامی شوکت قائم ہوئی اور گو اس میں خلافتِ راشدہ کا سا علم و تقویٰ اور اللہ کی حاکمیت، کا نظام نہ تھا تاہم تمام کفری نظاموں کے سامنے یہی ایک چراغ تھا جس میں اسلام کا تیل جل رہا تھا ــــ اب دیکھئے اسلامی حدود کس ملک میں قائم ہیں اور کیا وہ بھی باپ کے بعد بیٹوں کی سلطنت سے نہیں چل رہا۔

اسلامی عقیدہ میں صحابہؓ ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ کیا اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے بھی کوئی ستارہ چمکا؟ مجبوری کے حالات میں جب یہ طرزِ حکومت مسلمانوں نے پوری دنیا میں اپنایا تو ضروری تھا کہ اس کی اصل تو صحابہؓ سے ملتی جس سے پتہ چلے کہ مسلمان گو اس

نظامِ حکومت سے آگے بڑھے ہیں اور چلے ہیں تو ان کے پاس اس باب میں بھی ایک فقیہ صحابی کا عمل موجود تھا جس نے بعض دوسرے صحابہؓ کے کہنے سے باپ کے بعد بیٹے کی ولیعہدی پر دستخط کیے اور اگر حضرت معاویہؓ سے اس کی سند نہ ملتی تو مسلمانوں کی پوری دُنیا کی مذکورہ حکومتیں اپنی اساس غیر اسلامی رہتیں اور یہ اسلام کے باقی نہ رہنے کا ایک عملی اقرار تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اسلامی نظامِ حکومت تیس سالوں سے زیادہ آگے نہ چل سکا۔ استغفر اللہ

ایک ضروری بات

یہ علیحدہ بات ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا ان کے تجویز کردہ معیار پر پورا نہ اُترا ہو لیکن یہ اس نامزدگی پر جرح نہیں دوسری جہت ہے۔ یہ نہیں کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی جائز نہیں حضرت معاویہؓ نے اپنے اجتہاد سے مسلمانوں کو اس عملِ حکومت کی ایک سند دی جس پر آئندہ کئی حکمران صدیوں چلتے رہے اور فقہائے اسلام میں سے کسی نے اسے ناجائز نہیں کہا

رہی یہ دوسری جہت جرح تو اس کے جواب میں ہم صرف یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ اُونچے درجے کے ولی اللہ بھی تھے لیکن عالم الغیب نہ تھے انہیں یہ علم نہ تھا کہ ان کے جانشین کا آئندہ کا کیا کردار ہوگا؟ حضرت معاویہؓ کے اس اجتہاد پر ہم فقہائے صحابہؓ کا ذکر ختم کرتے ہیں ــــ یہ تاریخ اسلام کے پہلے بارہ امام ہیں جنہوں نے اپنے فہم و فراست اور ذوقِ فقاہت سے اسلام کو ہر باب زندگی میں جلا بخشی۔

هذا ما سنح لی واللہ ولی امرہ و به تتم الصالحات

حضرت امیر معاویہؓ کی شانِ اجتہاد جاننے کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ کئی جگہ علماء نے ان کے مقابل حضرت عمرؓ کا قول بھی چھوڑ دیا کیونکہ ان کی بات سنت کے بہت قریب پائی گئی۔ حافظ ابن تیمیہؒ انگلیوں کی دیت کی بحث میں لکھتے ہیں :۔

ترکوا قول عمر فی دیۃ الاصابع واخذوا بقول معاویۃ لما کان معہ من السنۃ۔[1]

ترجمہ۔ فقہاء نے انگلیوں کی دیت میں حضرت عمرؓ کا قول چھوڑ کر حضرت معاویہؓ کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ وہ سنت کے زیادہ قریب ہے۔

اب حضرت معاویہؓ کا ایک اور اجتہاد ملاحظہ فرمائیں :۔

حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اس مسئلے میں اور کوئی نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ ابن التین سے نقل کرتے ہیں :۔

ان الفقہاء لم یاخذوا بعمل معاویہ فی ذلك۔[2]

ترجمہ۔ فقہاء اربعہ میں سے کسی نے حضرت معاویہؓ کے اس عمل کو اختیار نہیں کیا۔

ایک سوال : حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تو ایک وتر علیحدہ پڑھنے کے قائل تھے ؟

الجواب : اگر ایسا ہوتا تو آل سعد میں تو یقیناً یہ صورتِ عمل باقی رہتی۔ مگر علامہ شعبی فرماتے ہیں صورت حال یوں نہ تھی وہ سب تین وتر ہی پڑھتے تھے :۔

عن عامر قال کان آل سعد وآل عبد اللہ بن عمر یسلمون فی الرکعتین من الوتر ویوترون برکعۃ رکعۃ فقد بین الشعبی فی ھذا الحدیث مذھب آل سعد فی الوتر وھم المقتدون بسعد المتبعون بفعلہ و ان وترھم الذی کان رکعۃ رکعۃ انما ھو وتر بعد صلوۃ قد

---

[1] فتاوے ابن تیمیہ جلد ۲۰ ص۲۱۵ ۔ [2] فتح الباری جلد ۲ ص۵۵۹

فصلوا بينه وبين التسليم فقد عاد ذٰلك الى قول الذين ذهبوا الى ان الوتر ثلٰث .[1]

ترجمہ. عامر سے روایت ہے کہ آل سعد اور آل عبداللہ بن عمر وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور پھر ایک ایک رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھے علامہ شعبی نے اس حدیث کے بارے میں آل سعد کا وتروں کے بارے میں موقف بیان کیا ہے اور وہ حضرت سعدؓ کے پیرو تھے اور آپ کے پیچھے چلنے والے ہی تھے. ان کا ایک وتر پڑھنا اس نماز کے بعد ہوتا تھا جو وہ اس ایک رکعت سے پہلے پڑھتے تھے وہ اس سلام سے دونوں میں فاصلہ کر لیتے لیکن انجام کار وہ اسی صورت میں آجاتے کہ وتر تین رکعت ہوتے ہیں (گو اس صورت عمل میں معمولی فرق ہے)

حافظ ابن صلاح بھی کہتے ہیں :-

لا نعلم فی روایات الوتر مع کثرتھا انه علیه الصلوٰۃ والسلام اوتر بواحدۃ.[2]

ترجمہ. ہم ذخیرہ روایات میں اتنی کثرت کے باوجود ایک ایسی روایت بھی نہیں پاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی رکعتوں کو ملانے کے بغیر) کبھی ایک وتر پڑھتے ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وتر کی اصل رکعت وہ ہی ایک ہے جس میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے۔ احناف اس موقع پر اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہیں (رفع یدین کرتے ہیں) گویا اب نماز شروع کر رہے ہوں. مگر یہ ہاتھ اٹھانا شروع رکعت میں نہیں ہوتا، درمیان قیام ہوتا ہے. اس میں یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ وتر کی اصل رکعت تو یہی ہے جو رفع یدین سے شروع ہو رہی ہے مگر یہ رکعت مستقل طور پر ایک نہیں. اس سے پہلے دو رکعت کا شفعہ

---

[1] طحاوی شریف جلد ا صفحہ ۱۴۴ [2] تلخیص الجبیر جلد ۲ صفحہ ۱۵

ہے جسے اس تیسری رکعت سے ملا کر وتر کیا گیا ہے۔ پہلے چار رکعت دو دو پر قعدہ کرتے پڑھی گئی ہوں تو اس ایک رکعت کو ملا لے سے وہ بھی وتر ہو جائیں گی گو یہ پانچ رکعت وتر نماز کہلائے گی۔

وتر کی اصل رکعت وہ ایک ہی ہے (دعائے قنوت والی) مگر اس کی ادائیگی کا طریقہ ہے کہ اس ایک رکعت کو مستقل طور پر ادا نہیں کیا جاتا۔ دو رکعت پہلے ساتھ ملائی جاتی ہیں اگر حضورؐ نے وتر کی نماز کبھی ایک رکعت پڑھی ہوتی تو مدینہ منورہ میں تو اس پر عمل ضرور ہوتا حالانکہ مدینہ کے لوگ جیسا کہ امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کبھی ایک رکعت وتر پڑھتے نہیں پائے گئے۔

حضرت امام احمدؒ سے وتر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

دو رکعتوں پر سلام پھیرا جائے اور اگر سلام نہ پھیرے تو مجھے اُمید ہے کوئی حرج نہیں ہو گا لیکن نبی کریمؐ سے سلام پھیرنا ثابت ہے۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ نماز وتر کی ہیئت کذائی یہی ہے کہ آخری دعاء قنوت والی رکعت کو پہلی پڑھی نماز سے جوڑا جائے۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وتر کی ایک رکعت ہے لیکن یہ تنہا نہیں اس سے پہلے آٹھ رکعات تک ہیں۔ پھر ان کے ساتھ وتر پڑھے اور پھر سلام پھیرے۔

وتر کا پہلی دو یا چار یا چھ یا آٹھ رکعتوں سے ملانا ضروری ہے ایک رکعت مستقل طور پر ادا ہو اسلام میں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

واستدل بقوله صلى الله عليه وسلم صل ركعة واحدة على ان فصل الوتر افضل من وصله وتعقب بانه ليس صريحاً فى الفصل

---

[1] زاد المعاد جلد ا ص۲۱۵

فيحتمل ان يريد بقوله صل ركعة واحدة اى مضافة الى ركعتين مما مضى ... بان الصحابة اجمعوا على ان الوتر بثلث موصولة حسن جائز [1]

ترجمہ: جن لوگوں نے حضورؐ کے اس فرمان سے کہ وتر ایک رکعت پڑھو یہ استدلال کیا ہے کہ وتر میں فصل کرنا وصل سے افضل ہے ان پر تعاقب کیا گیا ہے کیونکہ یہ روایت صریح نہیں اس میں احتمال ہے کہ صل رکعۃ واحدۃ کا مطلب یہ ہو کہ یہ ایک رکعت دو رکعت کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے اور وتر حقیقت میں وہی رکعت ہے جو آخر میں آئے ...... یہ تشریح اس پر مبنی ہے کہ صحابہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ وتر تین رکعت ملا کر پڑھنا (ایک سلام سے) ہی اچھا ہے اور یہی اس کے جواز کی صورت ہے۔

تین رکعت وتر کے اتنے قوی دلائل کے ہوتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے ایک وتر پڑھنے کو ان کی فقاہت پر محمول کیا گیا ہے اور ہر مجتہد کو اپنی فقہ پر عمل کرنے کا حق ہے۔ مجتہد کی بات اس وقت تک چلتی ہے کہ اس کے خلاف اجماع نہ ہوا ہو۔ اگر اس پر اجماع ہو جائے تو اس کا خلاف جائز نہیں۔ نہ مجتہد کو نہ اور کسی کو ـــــ اب تین رکعت پر اجماع ہے لہٰذا اب کسی کا مستقل طور پر ایک وتر پڑھنا درست نہیں۔ دو رکعت پہلے ملا کر ایک رکعت وتر پڑھے تو یہی ایک صورت ہے جو سلف میں ایک وتر کہلاتی تھی۔

اس وقت ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں۔ مسئلے کی تفصیل کے لیے آپ کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر (عربی) یا شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی کی کتاب لمعۃ العطر فی ابحاث الوتر (اردو) مطالعہ فرماویں۔

صحابہ کرامؓ میں یہ بارہ چوٹی کے فقہاء کا تذکرہ آپ کے سامنے ہے۔ اب ہم تابعین کرام

---

[1] فتح الباری جلد ۲ ص ۵۵۸

میں بارہ چوٹی کے فقہاء کا کچھ مختصر ذکر کرتے ہیں۔ ان کے بعد تابعین کے دوسرے بارہ فقہاء کی فہرست گذارش کی جائے گی جو اپنے اپنے حلقہ میں درس و افتاء کا مرجع رہے اور عام تابعین میں مدتوں ان کی تقلید جاری رہی اور امت کا ان کے فتووں پر پورا اعتماد اور عمل رہا۔ ان میں کوئی اختلاف بھی ہوا تو اس وقت کے اہل علم نے اسے اسلام کے نظریہ وسعت عمل میں جگہ دی۔

تابعین کے صفِ اوّل کے بارہ امام فقہ

جو اپنے اپنے ہاں مسلمانوں کا مرجع رہے

① امام علقمہ بن قیسؒ (۶۲ھ)

آپ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے شاگرد ہیں۔ ابوظبیان کہتے ہیں میں نے کئی صحابہؓ کو بھی علقمہ سے مسائل پوچھتے اور ان سے فتوے لیتے دیکھا ہے آپ کوفہ کی علمی مسند پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے وارث تھے حضرت ابراہیم نخعیؒ پھر آپ ہی کے مسند علمی کے وارث ہوتے اور بالآخر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بھی یہی مسند علم تھی۔

② امام مسروق بن اجدعؒ (۶۲ھ)

حضرت ام المومنینؓ نے آپ کو اپنا متبنّٰی بنایا ہوا تھا۔ آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بھی موقع ملا۔ آپ نے حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے اکتساب علم کیا۔

③ امام اسود بن یزید نخعیؒ (۷۵ھ)

حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے بہت بڑے فقیہ تھے۔ آپ حضرت علقمہؒ کے بھتیجے تھے اور حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

④ امام عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؒ (۸۷ھ)

آپ اہل شام کے فقیہ تھے۔ شام کے جملہ تابعین فقہ اور حدیث میں ان کے شاگرد ہیں ان کے بعد امام مکحول بن ابی مسلم الہذلی (۱۱۳ھ) اہل شام کے مفتی اور محدث رہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں میں نے شام میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

⑤ امام سعید بن المسیبؒ (۹۲ھ)

اہل مدینہ کا مرجع درس وافتاء اور تمام تابعین کے سرتاج ہیں۔ حضرت عثمانؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے اکتساب علم کیا اور حدیث سنی۔ علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں وسعت علم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوہریرہؓ کے داماد تھے اور حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ چالیس حج کیے

⑥ قاضی شریح بن حارث کندیؒ (۷۸ھ)

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ہیں علامہ شعبی اور علامہ ابراہیم نخعیؒ آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے ادوار میں کوفہ کے قاضی رہے۔ آپ کے بعد یہ عہدہ قضاۃ حضرت ابوبردہ (۱۰۳ھ) کو ملا جو حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کے صاحبزادے تھے۔ قاضی شریحؒ نے ۱۲۰ سال عمر پائی۔

⑦ ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحیؒ (۹۳ھ)

بصرہ کے مشہور فقیہ اور مفتی ہیں بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے اکتساب علم کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ

آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے اور درس دیتے اور فرماتے یہ علم کی شرافت ہے جو ایک غلام کو تخت پر بٹھاتی ہے اور قریش کے کئی لوگ اس وقت فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔

(۸) امام زید بن وہب الجہنی الکوفی (۸۴ھ)

حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے کثیر العلم شاگرد ہیں۔ تمام ارباب صحاح نے آپ سے روایات لی ہیں۔ فسوی کی بے دلیل جرح کا کوئی اعتبار نہیں آپ ثقہ راوی حدیث ہیں۔

(۹) امام عروہ بن الزبیرؒ (۹۴ھ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ کے بیٹے ہیں۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ام المومنینؓ کے نامور شاگرد ہیں۔ زہری کہتے ہیں میں نے آپ کو علم میں ایک ایسا سمندر پایا ہے جو کبھی گدلا نہیں۔ آپ سیرت النبیؐ کے سب سے بڑے حافظ تھے۔

(۱۰) امام ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ (۹۴ھ)

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور مدینہ کے فقہائے سبعہ کے نہایت عالی مقام رکن تھے

(۱۱) امام مطرف بن عبداللہ الشخیرؒ (۹۵ھ)

حضرت ابی بن کعبؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت ام المومنینؓ اور حضرت عمارؓ کے شاگرد تھے بصرہ کے مفتی تھے۔ آپ دیگر تابعین سے رویت ہلال کے مسئلہ میں کچھ منفرد رہے۔ آپ آلات کے ذریعہ چاند معلوم کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں آپ علم و عمل میں بہت بلند مرتبہ پر تھے۔

⑫ امام جابر بن زید بصری ابوالشعثاءؒ (۹۳ھ)

بصرہ کے مرکزی مفتی تھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلمیذ خاص. حضرت ابن عباسؓ نے کئی لوگوں کو کہا تم جابر بن زید کو پاتے ہوئے مجھ سے مسائل پوچھتے ہو. (تذکرہ) عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے جابر بن زید سے بڑھ کر کسی کو فتوے دینے کا اہل نہیں پایا جب آپ کو سپرد خاک کیا گیا تو حضرت قتادہ نے کہا. آج روئے زمین کا علم دفن ہو گیا ہے.

یہ بارہ حضرات اپنے وقت میں اپنے اپنے علاقے میں درس و افتاء کا مرجع رہے. ان دنوں ان کی پیروی امت میں جاری رہی.

تابعینؒ کے دُوسرے طبقہ کے بارہ امام

جنکی اپنے اپنے حلقہ میں تقلید جاری رہی اور امت اُن کے فتووں پر عمل کرتی رہی۔

① امام ابراہیم نخعیؒ (۹۵ھ)

آپ حضرت علقمہ حضرت مسروق اور حضرت اسود کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی وارث ہے حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے (تذکرہ)

اس دور میں جب اکثر اہل علم عجمی النسل یا موالی میں سے تھے یہ عرب ہونے میں نمایاں تھے

اعمش کہتے ہیں ابراہیم علم و حدیث کے نقاد تھے

علامہ شعبی کو جب آپ کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا آپ نے اپنے پیچھے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا امام ابو حنیفہؒ حماد کے واسطہ سے آپ کے علم کے وارث ہوئے۔

② امام زین العابدینؒ (۹۴ھ)

حضرت علی بن الحسین حضرت ام المومنینؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نامور شاگرد تھے۔

زہری کہتے ہیں میں نے ان کے زمانے میں ان سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ علامہ شعبی کے ہمخیال تھے اور حدیث کم روایت کرنا پسند کرتے تھے۔

③ امام سعید بن جبیرؒ (۹۸ھ)

کوفہ کے مشہور فقیہ اور حضرت ابن عباسؓ کے مشہور شاگرد تھے۔ کوفہ کے لوگ جب

حج پر آئے تو آپ سے مسائل پوچھنے لگتے. آپ فرماتے کیا تم میں سعید بن جبیرؒ نہیں ہیں یعنی ان پر اعتماد کیوں نہیں کرتے. اس سے پتہ چلا ان دنوں مسائل زیادہ تر اعتماد پر مانے جاتے تھے اور مسائل معلوم کرنے کے لیے دلائل کا مطالبہ کرنا ضروری نہ سمجھا جاتا تھا

④ امام ربانی امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ)

حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں. فقہ و حدیث میں امامت کے درجہ پر پہنچے شعیب بن حجاب کہتے ہیں مجھے علامہ شعبی نے وصیت کی تھی کہ علم کی طلب ہے تو ابن سیرینؒ کے حلقہ درس کو لازم پکڑنا. خواب کی تعبیر میں آپ نہایت بلند پایہ مقام رکھتے تھے

⑤ علامۃ التابعین ابو عمرو الشعبیؒ (۱۰۳ھ)

حضرت ام المومنینؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہؓ سے علم حاصل کیا. پانچ سو صحابہ کرامؓ کی زیارت کی تھی. ان سے ملاقات بھی رہی اور ان سے روایات بھی لیں.

مکحول شامی (۱۱۳ھ) کہتے ہیں میں نے شعبی سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا. امام ابراہیم نخعیؒ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے. ابو مجلز کہتے ہیں آپ فقہ میں حضرت سعید بن المسیبؒ سے بھی آگے تھے.

امام ابن سیرینؒ کہتے ہیں میں کوفہ آیا تو امام شعبی کا بہت بڑا حلقہ درس دیکھا حالانکہ اس وقت صحابہ کرامؓ بکثرت موجود تھے. علامہ شعبی کہتے ہیں صلحائے امت زیادہ حدیث بیان کرنا پسند نہ کرتے تھے. (تذکرہ)

علامہ شعبی کہتے ہیں میں کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے سوا کسی کو فقیہ نہیں سمجھتا. اس پر قیس ارقب نے کہا آپ حضرت علیؓ کے شاگردوں کو نہیں جانتے؟

آپ نے فرمایا۔ جانتا ہوں۔ علامہ شعبی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے اُستاد تھے۔ گر آپ نے حضرت حماد بن ابی سلیمان کی سند علمی اختیار فرمائی۔

(۶) حضرت خارجہ بن زیدؒ (۹۹ ھ)

مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ہیں۔ آپ حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے تھے۔ جو شخص حضرت زید بن ثابتؓ کے علمی مقام کو جانتا ہے وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت خارجہ کس بلند مرتبہ کے عالم ہوں گے۔ بایں ہمہ قلیل الحدیث تھے زیادہ حدیث روایت کرنا پسند نہ کرتے تھے

(۷) حضرت سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ ھ)

حضرت عمرؓ کے پوتے اور مدینہ منورہ کے نامور فقیہ ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں آپ کا قول حجت سمجھا جاتا تھا۔ لوگ آپ کے فتوے پر بلا طلب دلیل عمل کرتے تھے۔ آپ نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت ام المومنینؓ سے اور حضرت سعید بن المسیبؒ سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت عمرو بن دینار، زہری اور صالح بن کیسان بہت ممتاز ہیں

(۸) حضرت سلیمان بن یسارؒ (۱۰۴ ھ)

مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ام المومنین حضرت میمونہؓ سے اکتساب علم کیا۔ آپ کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے

جب کوئی شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس فتوے لینے جاتا تو آپ فرماتے سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ۔ ان دنوں فتویٰ لیتے وقت دلائل کا مطالبہ نہ ہوتا تھا۔ دین فقہاء کے اعتماد پر حاصل کیا جاتا تھا۔

⑨ حضرت قاسم بن محمدؒ (۱۰۸ھ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور مدینہ کے ممتاز فقیہ تھے اپنی پھوپھی حضرت ام المومنینؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت معاویہؓ سے اکتساب علم کیا یحییٰ بن سعید الانصاری کہتے ہیں مدینہ میں کوئی ایسا عالم نہیں جسے ہم قاسم پر برتری دے سکیں. حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے

⑩ امام مکحول بن ابی القاسم الہذلیؒ (۱۱۳ھ)

اہل شام کے معتمد رفقیہ اور محدث تھے. ابوحاتم کہتے ہیں میں نے شام میں مکحول سے بڑا فقہ وحدیث کا کوئی عالم نہیں دیکھا.

آپ پر انکار تقدیر کی تہمت لگی مگر آپ کا دامن بحمداللہ اس سے پاک اور صاف ہی ثابت ہوا.

⑪ امام عطاء بن ابی رباحؒ (۱۱۴ھ)

اہل مکہ کے مفتی اور محدث اور فقیہ تھے. حضرت ام المومنینؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ سے اکتساب علم کیا. محمد بن عبداللہ الدیناج کہتے ہیں میں نے عطاء سے بہتر کوئی نہیں دیکھا. حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ آئے تو اگر کوئی آپ سے مسئلہ پوچھتا تو فرماتے عطاء تم میں موجود ہیں اور تم مسائل پوچھنے میرے پاس آتے ہو. حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی کہتے اے اہل مکہ! تم عطاء کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسائل پوچھنے آتے ہو.

آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد تھے. امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں میں نے عطاء سے افضل کوئی راوی حدیث نہیں دیکھا.

(۱۲) حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ (۱۲۰ھ)

آپ حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۵ھ) کے علمی جانشین ہیں حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے امام شعبہ (۱۶۰ھ) اور امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) نے بھی آپ سے حدیث روایت کی ہے امام بخاری اور امام مسلم نے بھی آپ سے روایات لی ہیں[1]

امام بخاریؒ کے ہاں حماد بن ابی سلیمان کس صف کے عالم تھے اسے دیکھیے۔

وقال سعید بن المسیب والشعبی ابن جبیر وابراہیم وقتادہ وحماد یقضی یوماً مکانه[2]

ور آپ کتاب الوضوء میں بھی ملکہ آئے ہیں۔

وقال حماد لا بأس بریش المیتة وقال الزهری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناساً من سلف العلماء یمتشطون بها وقال ابن سیرین وابراهیم لا بأس بتجارة العاج[3]

وقال حماد اذا اقر مرة عند الحاکم رجم[4]

پھر آپ نے حماد کو ابراہیم نخعی سے روایت کرتے بھی پیش کیا ہے۔

وقال حماد عن ابراهیم النخعی ان کان علیهم ازار فسلم والا فلا تسلم[5]

حماد اور ابراہیم تک امام بخاری کی سند کیا ہے؟ اس کے لیے امام بخاری کی عبارت دیکھیں۔

وقال النخعی اذا کان المستحلف ظالماً فنیة الحالف وان کان مظلوماً فنیة المستحلف[6]

صحیح بخاری میں اسے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس سے پردہ اٹھایا ہے کہ نخعی سے یہ بات امام محمد بن حسن نے بواسطہ امام ابی حنیفہ نقل کی ہے امام محمد نے اسے موصولاً کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔[7]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاریؒ امام محمدؒ کی کتابوں سے بھی استفادہ فرماتے تھے اور آپ امام محمدؒ کو بطور ایک راوی کے کھلے دل سے قبول کرتے تھے۔

---

[1] الاکمال ص۶۹۲ [2] صحیح بخاری جلد۱ ص۱۵۹ [3] ایضاً ص۳۷ [4] ایضاً جلد۲ ص۱۰۶۲ [5] ایضاً جلد۱ ص۳۰ [6] صحیح بخاری جلد۲ ص۱۰۲۸ [7] فتح الباری جلد ص

دوسری صدی کے بارہ امام ائمہ مجتہدین

جو اپنے اپنے علاقوں میں فتووں کا مرجع بنے اور امت میں انکی پیروی سمٹ آئی

دوسری صدی کے نصف اول تک فقہائے تابعین بڑی تعداد میں موجود رہے اور عامۃ المسلمین اعتماداً ان کے فتووں پر ان سے دلیل مانگے بغیر عمل کرتے رہے۔ لیکن اعتماد کے یہ حلقے پھر سمٹنے لگے اور صرف چار پانچ علمی مراکز ایسے رہے جن کے گرد علماء اچھی خاصی عقیدت میں جمع ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ مستقل مکاتب فکر کے طور پر ان کی شہرت ہوئی۔ پھر ان مکاتب فکر میں جو علماء زیادہ ممتاز ہوئے پوری قلمرو اسلامی میں ان کی پیروی جاری ہوئی۔ اس مطلق تقلید سے کبھی کسی علمی حلقے میں ان دنوں انکار نہیں کیا گیا۔

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثرات چھائے رہے اور دوسری صدی کے نصف ثانی میں وہاں حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) کے حلقہائے اعتماد قائم ہوئے۔ بصرہ میں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے اثرات رہے

مدینہ منورہ جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے زیر اثر مدینہ کے فقہائے سبعہ کی علمی آماجگاہ تھا اب حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی درس گاہ تھا۔

مصر میں حضرت لیث بن سعد (۱۷۵ھ) کی اپنی علمی مسند تھی۔ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زیادہ اثرات تھے اور ان کے شاگردوں کے وسیع حلقے تھے۔ پھر حضرت امام شافعیؒ کا حلقہ عقیدت بھی یہیں بنا۔ گو آپ کچھ عرصہ مصر میں بھی رہے

شام حضرت ابوالدرداءؓ کے بعد امام مکحول (۱۱۲ھ) درس و افتاء کا مرجع بنے۔ اب اس علاقہ میں امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) کی پیروی جاری ہوئی۔ امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ) کے علوم کا سرچشمہ امام جعفر صادقؒ بنے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کے علوم کی یہ لائن اس سے مختلف ہے جس میں ان

کے نام سے غیر مستند خیالات کو فقہ جعفری کی سند دے دی گئی ہے
الغرض پوری قلمرو اسلامی میں جو ائمہ مجتہدین نمایاں ہوئے اور امت میں کثیر تعداد علماء
سمٹ سمٹ کر اب ان کے حلقوں میں جمع ہونے لگے۔ فقہ کے وہ بارہ امام یہ ہیں :۔

① امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ)	② امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)
③ امام اوزاعیؒ (۱۵۳)	④ امام زفرؒ (۱۵۸ھ)
⑤ امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ)	⑥ امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ)
⑦ امام مالکؒ (۱۷۹ھ)	⑧ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)
⑨ امام محمدؒ (۱۸۹ھ)	⑩ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)
⑪ امام اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ)	⑫ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)

ان بارہ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہؒ کی پیروی سب سے زیادہ جاری ہوئی۔
فقہ حنفی کی عالمگیر وسیع مقبولیت تاریخ کا ایک ناقابلِ انکار تسلسل ہے سو ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ
کا ذکر ذرا تفصیل سے کریں گے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی آپ کے ذکر میں لکھتے ہیں :۔

اسلامی دنیا کے اکثر حصے میں آپ ہی کے مقلد و معتقد ہیں اور ان ممالک میں
آپ کا مذہب صدیوں سے رائج ہے۔ براعظم ایشیا کے اکثر ملکوں میں صرف
آپ ہی کے مقلد ہیں اور ان میں اکثر آپ ہی کی فقہ کے مطابق امور شریعت
فیصلہ پاتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے مقلد ان کے مقابلے میں بالکل بہت
تھوڑے ہیں[1]

---

[1] احکام المرام ص۶۵

فقہ حنفی کی وسیع عالمگیر مقبولیت

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وسنت اور آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں جن مسائل کا استنباط کیا، اور آپ کے اصحاب نے بحث و مباحثہ کے بعد جنہیں قبول کیا اسے قلم بند کر لیا جاتا تھا حضرت امامؒ (۱۲۰ھ) میں مسندِ اجتہاد پر بیٹھے اور آخر (۱۵۰ھ) تک یہ خدمت برابر جاری رہی۔

حافظ ابوالمحاسن کے بیان کے مطابق اس مجموعہ فقہ کی ترتیب کچھ اس طرح تھی
باب الطہارت باب الصلوٰۃ باب الصوم پہلے عبادات کے ابواب اس کے بعد
معاملات پھر سب سے آخر میں میراث کے ابواب۔[1]

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عینِ حیات ہی میں اس مجموعہ نے مقبولیت عامہ حاصل کر لی تھی آپ کے دور میں جو حضرات ائمہ موجود تھے وہ بھی اس مجموعہ مسائل سے نقلیں لیتے تھے اور اس مجموعہ فقہ سے بے نیاز نہ تھے حضرت امام مالکؒ آپ کی کتابوں کو دیکھتے اور استفادہ کرتے رہے۔ امام اوزاعیؒ نے بھی اس کے بعض ابواب دیکھے۔ امام سفیان ثوریؒ کے سرہانے کتاب الرہن دیکھی گئی آپ اس کا مطالعہ کرتے رہے۔ غرضیکہ سب اہل اسلام حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس علمی اور فقہی کاوش سے برابر مستفید ہوتے رہے اور مانتے رہے کہ سب لوگ فقہ میں حضرت امام کے عیال (بچے) ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو جو اس وقت قبولیت عطا فرمائی وہ اہل علم پر مخفی نہیں صدیوں تک فقہ حنفی کا سکہ چلتا رہا اور اکثر ممالک اسلامیہ میں ان کے شہروں میں فقہ حنفی پر عمل ہوتا رہا۔ امام سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) اپنے زمانے کی بات کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا ہے (وقد بلغ فی الآفاق)

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) امام ابویوسف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے امام صاحب

---

[1] سیرت النعمان ص

علم زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلا دیا۔ (نشر علم ابی حنیفة فی اقطار الارض)

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر اور عرب کے سب شہروں میں (بلاد العجم کلہا) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے اور آپ ہی کی فقہ کا ہر جگہ غلبہ رہا[1]

صاحب مجمع البحار علامہ طاہر فتنی (۹۸۲ھ) نے المغنی میں فقہ حنفی کا سارے آفاق میں پھیل جانا اور روئے زمین کو ڈھک لینا بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ اگر مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کا سر خفی نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب قریب اہل اسلام اس کی تقلید کے جھنڈے تلے جمع نہ ہو جاتے۔ ملا علی قاری نے دسویں صدی کی بات لکھی ہے کہ اہل اسلام کے دو ثلث فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) بارہویں صدی کا حال لکھتے ہیں :-
بس در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرساں و اکثر عوام حنفی[2]

پھر چودہویں صدی میں مصر کے مشہور محقق شیخ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ :-
یہ مذہب مشرق و مغرب تک پھیل گیا اس کے متبعین کی بڑی کثرت پائی جاتی ہے۔[3]

پھر جن لوگوں کے ہاتھوں میں عنان حکومت رہی وہ بھی فقہ حنفی پر عمل کرتے رہے مؤرخین کے بقول اکثر سلاطین اسلام حنفی تھے اور آج بھی خطہ ارضی پر نظر کی جائے تو احناف اور فقہ حنفی کی مقبولیت کسی سے ڈھکی چھپی نہ رہے گی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی خداداد ذہانت و فراست سے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص۳۴۸ [2] کلمات طیبات ص۱۶۸ [3] حیات امام ابوحنیفہ ص۱۶۲

جن مسائل کا (قرآن و حدیث کی روشنی میں) استنباط کیا۔ اس کی اہمیت و افادیت ہر دور میں برابر تسلیم کی گئی۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رح کے اصول و قواعد کو بعد میں آنے والے مجتہدین نے ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ اسی لیے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے علی الاعلان حضرت امام ابوحنیفہ رح کو تمام فقہاء کا سرتاج اور بعد میں آنے والے تمام فقہاء کو آپ کے عیال قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رح کی فقہ اور آپ کی اس علمی کاوش کی مقبولیت کے اسباب جو بھی ہوں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو جس مقبولیت سے نوازا ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔ جب سے اس فقہ کی تدوین ہوئی اسی وقت سے یہ کائنات میں لمحہ بہ لمحہ ترقی پذیر رہی اور علماء لکھتے ہیں کہ انشاء اللہ اس کی مقبولیت اور بھی ترقی کرتی رہے گی۔

امام شعرانی (۹۷۲ھ) لکھتے ہیں:۔

جس قدر زمانہ دراز ہوتا جائے گا حضرت امام ابوحنیفہ رح کے متبعین اور مقلدین اور بڑھتے جائیں گے اور آپ کے اور آپ کے مقلدین کے اقوال میں عقیدت اور نمایاں ہوتی جائے گی۔ [۱]

مقامِ امامت پر پہنچنے کی سعادت

یہ محض عطاء الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندے کی محبت اور عقیدت عامہ بنی آدم کے دلوں میں اتار دے اور اس میں نسبت بھی اس کے اپنے دین کی ہو جس کی تعمیل میں قومیں اس کی امامت میں چلیں۔ حضرت امام کے مقام امامت پر پہنچنے کی یہ سعادت تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ امام شعرانی لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور بندوں کی امامت کے لیے حضرت امام ابوحنیفہ رح کو پسند فرمایا ہے اور ان کے پیرو ہر زمانہ میں تاقیامت بڑھتے رہیں گے اور

---

[۱] کتاب المیزان جلد ۱ صفحہ ۱۹۳

وہ پیرو ایسے راسخ القدم ہوں گے کہ اگر ان میں سے کسی کو قید کر دیا جائے یا پیٹا جائے اور اس سے کہا جائے کہ امام صاحب کے طریقہ کو چھوڑ دے تو وہ ہرگز اس کے چھوڑنے کو منظور نہ کرے گا خدا تعالیٰ ان سے اور ان کے متبعین سے اور ہر اس شخص سے جو آپ کے ادب کو ملحوظ رکھے اور تمام ائمہ سے راضی رہے۔ [۱]

یہ بارہ ائمہ مجتہدین وہ حضرات ہیں کہ اسلام میں تشریع ان کے دور میں ضابطوں میں ڈھلی۔ یہ اصحاب فن ائمہ مجتہدین ہیں جنہوں نے اصول مدون کیے اور اسلام میں قانون سازی اصولی شکلوں میں سامنے آئی۔ پیشتر اس کے کہ ہم ان کا ترتیب وار تذکرہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی علمی حالت پر ایک مختصر تبصرہ کر دیں۔

فقہاء تابعین کے بعد مسلمانوں کی علمی حالت

صحابہؓ اور تابعین کے دور میں مسلمانوں کی عملی حالت بہت اچھی تھی عمل کی قوت نے ابھی انہیں دین کے علمی قواعد و ضوابط کی ضرورت محسوس نہ ہونے دی تھی۔ جہاں مسلمانوں کو ضرورت ہوتی وقت کے فقہاء اور مفتیوں سے پوچھ کر مسائل پر عمل کر لیتے فقہاء صحابہؓ اپنے وقت میں فتوے دیتے رہے اور فقہاء تابعین اپنے وقت میں مسلمانوں کی عملی راہنمائی کرتے رہے لیکن فقہاء تابعین کے بعد جب مسلمان دنیا کی ایک بڑی طاقت بن گئے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اب مسلمان علماء اپنے علمی قواعد و ضوابط کو اس طرح مرتب کریں کہ ان کے رہوار عمل پر علم کی لگام آ جائے۔ یہاں مسلمان علماء کو اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جس سے ہر دانشور قوم اپنے دنیوی علوم و تجربات سے گزرتی ہے۔

---

[۱] کتاب المیزان جلد ۱ صفحہ ۱۷ اردو

دُنیوی علم کے چار مختلف مدارج

(۱) ہر صنعت کے کچھ لوگ موجد ہوتے ہیں ان کی انسانی تجربات اور مشاہدات پر گہری نظر ہوتی ہے ایسے ماہرین کے فکر و عمل سے دنیا میں ایجادات وجود میں آئیں ایسے لوگ اس فن کے موجد شمار ہوتے ہیں دنیا میں انہیں اس فن کا موجد اور اس علم کا مدون کہا جاتا ہے۔

(۲) پھر وہ لوگ آتے ہیں جو کسی علم و فن کے موجد تو نہیں ہوتے لیکن پہلے جو علم و فن مدون ہوا اس کے پورے ماہر ہوتے ہیں اور اپنی مزید تحقیق سے وہ اس علم و فن کے نوک پلک اور سنوارتے ہیں اور اس لائن میں پیش آنے والے حوادث کا حل وہ اس فن کے اصولوں پر خود معلوم کر لیتے ہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ وہ ہے جو خود نہ اس علم و فن کے مدون ہیں نہ محقق لیکن پہلے دونوں طبقوں سے جو کچھ ملا وہ اس کے حافظ اور علمبردار ہو گئے اور ان کی روشنی میں وہ عام لوگوں اور کارکنوں کی عملی راہنمائی کرنے لگے۔ دنیا میں صنائع اور کاروبار کی جملہ عملی رونقیں انہی سے قائم ہوتی ہیں۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جو اس علم کے ثمرات سے عملاً بہرہ ور ہوتے ہیں۔ حصول علم میں ان کی کوئی خاص محنت نہیں ہوتی لیکن پہلے تینوں طبقوں کا وہ دل و دماغ سے احترام کرتے ہیں اور عملاً ان کے دائرہ تقلید میں چلتے ہیں۔

مسلمانوں کے علوم دینیہ کی تاریخ بھی اس صورت حال سے کچھ زیادہ مختلف نہیں صحابہؓ اور تابعین کے دور میں مسلمانوں کی عملی قوت اس زور پر تھی کہ انہوں نے اپنے علوم و فنون کو مرتب کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس نہ کی تھی لیکن اب جوں جوں ضرورات بڑھتی گئیں اس ضرورت کا احساس اُبھرتا گیا۔ یہاں تک کہ اس دور کے فقہائے اسلام نے علم کی اس وادی میں قدم رکھا اور

دیکھتے دیکھتے اسلام کے علم فقہ کے قواعد وضوابط مرتب ہو گئے۔

پہلے درجہ میں جو مرد آہن اس کے لیے آگے بڑھا وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے۔ آپ نے اپنے ساتھ چالیس فقہائے کرام کو شامل کر کے تیس سال کی محنت سے اسلام کے علم فقہ کی تدوین کی اور آپ کے بعد جو بھی اس میدان میں آیا اسے حضرت امام کی اس امامت کبریٰ کا اقرار کرنا پڑا حتیٰ کہ امام شافعیؒ بھی برملا کہتے تھے سب لوگ علم فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے بچے اور احسان مند ہیں۔

دوسرے درجے میں امام مالک۔ امام ابویوسف۔ امام زفر۔ امام لیث مصری۔ امام محمد۔ امام شافعی۔ امام اسحٰق بن راہویہ۔ امام احمد بن حنبل۔ امام طحاوی اور امام کرخی سرفہرست ہیں۔ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ کے فقہی خاکہ میں اپنی اپنی تحقیقات کا رنگ بھرا اور اسلام کا علم فقہ نکھرتا گیا۔ یہاں تک کہ تمام اختلافات اپنے اندر سمیٹتے ہوئے فقہ کے یہ چار سکول قائم ہو گئے۔ ان چاروں میں یہ اصولی اقرار پایا گیا کہ سب لوگ علم فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔ امام زفر، امام یوسف اور امام محمد تو کھلے طور پر حضرت امام کے اصولوں پر چلے اور امام مالک اور امام شافعی نے گو اپنے اصول بھی قائم کیے لیکن پھر بھی امام ابوحنیفہ کی سربراہی کا کھلے طور پر اقرار کرتے رہے۔

الناس کلهم عیال ابی حنیفة فی الفقه۔

تیسرے درجے کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے پہلے دونوں طبقوں کی محنتوں کو سامنے رکھ کر اس فن پر کتابیں مرتب کیں۔ امام محمد اور امام طحاوی کی پیروی میں علامہ قدوری (۴۲۸ھ) حافظ جصاص رازی (۳۷۰ھ) علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) اور علامہ کاسانی (۵۸۷ھ) زیادہ نمایاں ہوئے۔

امام مالک کی پیروی میں ان کے طریق کے علمبردار ابن القاسم (۱۹۱ھ) اور ابن الوہب (ھ) ہوئے۔ پھر امام ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) قاضی عیاض (۵۴۴ھ) اس لائن میں زیادہ نمایاں ہوئے۔

امام شافعی کی پیروی میں امام مزنی (۲۶۴ھ) امام بخاری (۲۵۶ھ) اور امام بیہقی (۴۵۸ھ)

چلے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی پیروی میں امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) امام ابن قدامہ (۶۲۰ھ) آگے بڑھے۔ امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) امام اوزاعی (۱۵۷ھ) اور اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) اور ان حضرات کے اصحاب بھی اپنے اپنے پیرایہ میں چلتے رہے۔

چوتھے درجہ میں پھر متقلدین ہیں جو ان ائمہ فقہ کی علمی محنتوں سے بہرہ ور ہوئے اور انہوں نے فتاوے مرتب کر کے اپنے اپنے حلقہ میں عوام کی راہنمائی کی۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ایک اسلام کے لیے یہ عمل کی چار راہیں کیوں قائم ہو گئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اسلام کے دائرہ وسعتِ عمل میں مختلف فقہی راہیں قائم تھیں مسالکِ اربعہ نے ان تمام فقہی اختلافات کو سمیٹ کر چار میں بند کر دیا۔ یہ امت پر ان کا بڑا احسان ہے کہ پندرہ بیس راہوں کو وہ چار پر لے آئے۔ پھر عملاً ہر ایک دائرہ میں ایک ہی راہ زیرِ عمل رہی۔ کسی کے لیے چاروں راہیں کھلی لینے کا اصول اختیار نہ کیا گیا سو دیکھا جائے تو عملاً ہر ایک شخص کے لیے ایک راہ عمل ہی قائم رہی۔

اب ہر شخص کے لیے فقہی راہ عمل ایک ہے جس طرح اسلام میں ایک خدا، ایک کتاب، ایک پیغمبر اور ایک قبلہ ہے اسی طرح اپنے طریقے پر عمل کرتے ہوئے فقہی راہ عمل بھی ہر ایک کے لیے ایک ہے۔ یہ جو چار مذاہب کا اقرار ہے یہ ان اختلافات کو برداشت کرنے کے لیے ہے کیونکہ ہر ایک مذہب کے پیچھے کچھ صحابہ کھڑے ہیں۔ سو ضروری ہوا کہ اپنے طریقے پر عمل کرتے ہوئے باقی تین مذاہب کو بھی ممکن الصواب سمجھا جائے۔ گو اپنے مذہب کو بالکل صواب جانو۔ اس صورتِ فکر میں سب صحابہؓ کا احترام بھی قائم رہتا ہے اور ان دوسرے ائمہ کا احترام بھی ——— تاہم عمل کے لیے ہر ایک کے لیے ایک ہی راہ رہی۔ یہ نہیں کہ عام مسلمان کبھی کسی امام کے مقلد ہو جائیں اور کبھی کسی دوسرے امام کے ——— خواہشِ نفس یا سہولتِ عمل کے لیے ایسا کرنا جائز نہ ہو گا۔ اپنے کو تقلیدِ شخصی کے دائرہ میں رکھو نہ یہ کہ ہر ایک کے لیے ایک مسئلے میں اسلام کے چار دروازے

کھلے ہوں یہ ایک دین ہے اور راہِ عمل کے طور پر ہر ایک کا ایک مذہب ہونا چاہیئے نہ کہ چار یا پندرہ ہیں

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں یہ رافضی ہیں جو مسلمانوں کو چار مذاہب کا طعنہ دیتے ہیں. اس سے ان کا مقصد صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنا ہوتا ہے کہ دیکھو وہ آپس میں کس طرح مختلف رہے یہاں تک کہ ائمہ کو ان اختلافات کے سائے میں مختلف مذاہب ترتیب دینے پڑے. سو جو لوگ امت مسلمہ میں ان چار مذاہب کو محل طعن سمجھتے ہیں. امام ابن تیمیہ کے ہاں وہ روافض ہیں غیر مقلدین بھی اگر یہی کریں تو وہ چھوٹے رافضی سمجھے جائیں گے. وہ حافظ ابن تیمیہ کے مسلک پر ہرگز نہیں ہیں. وہ رافضی ہیں جو ائمہ کے اختلافات کو بہانہ بنا کر صحابہ کرامؓ کے اختلافات پر پھر انہیں بدنام کرنا چاہتے ہیں.

صحابہؓ کے فقہی اختلاف کو برداشت کرنے کی علمی تجویز

یاد رکھیے یہ چار فقہی مذاہب کا اقرار مسلمانوں میں فرقوں کی معرکہ آرائی سے بچنے. ایک دوسرے کے اجتہاد کو برداشت کرنے اور اختلافاتِ صحابہؓ میں سب کو حق پر سمجھنے کی ایک علمی تجویز ہے اگر اسے بطور اصول تسلیم نہ کیا گیا تو مسلمانوں میں علمی اور فقہی اختلافات اتنے اُبھریں گے کہ پھر امت میں کسی میں بھی دوسرے کے لیے قوت برداشت نہ رہے گی اور فروعات کے اختلافات کو حق اور باطل کا اختلاف سمجھا جانے لگے گا اور پھر باطل کو برداشت نہ کرنے کی آگ بڑی تیزی سے بھڑکے گی.

ائمہ اربعہ کی محنتیں اس لیے لائق داد ہیں کہ صحابہؓ اور تابعین میں جو فقہی اختلافات پہلے تھے ان ائمہ مجتہدین کے فقہ کے اصولوں کو طے کرنے کے باعث وہ کم ہوتے گئے. اب کسی مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ جو اختلافات دکھائی دیں گے وہ چار سے متجاوز نہ ہوں گے. ان فقہاء نے اختلافات پیدا نہیں کیے انہیں کم کیا ہے اور ان میں جو اختلافات ہیں وہ انہوں نے پہلے دور کے صحابہؓ

اور تابعین سے لیے ہیں اور ان میں یہ اختلافات وسعتِ عمل کے مختلف پیمانے تھے تفریقِ امت اور انتشار کا سامان ہرگز نہ تھے۔

اب ہم ان ائمہ مجتہدین کرام کا ترتیب وار ذکر کرتے ہیں جن کے نام پر آج اجتہاد کی دنیا قائم ہے۔ ان سب میں نمایاں شخصیت امام ابو حنیفہ رح کی ہے لیکن آخرت کی طرف پہلا قدم حضرت امام جعفر صادق رح کا اُٹھا۔ امام جعفر صادق رح (۱۴۸ھ) اور امام ابو حنیفہ رح (۱۵۰ھ) دونوں امام محمد باقر (۱۱۴ھ) کے شاگرد ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق رح کو خاندانِ رسالت سے جو نسبت ہے اس کے پیشِ نظر ہم فقہ کے بارہ مجتہدین کا آغاز ان سے کرتے ہیں۔

للتبرک به لعلو مرتبتهٗ وفور علمه۔

ائمہ اعلام از مجتہدینِ کرام

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اسلام میں جو اکابر دورِ اوّل میں بطور مجتہد معروف ہوئے ان میں یہ بارہ اکابر صفِ اوّل کے مجتہدین ہیں۔ ان کی پیروی کسی نہ کسی شکل میں امت میں جاری ہوئی۔ گو اب صرف چار مذاہب موجود ہیں ہم ذیل میں سن وار ان کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔ واللہ ھو الموفق والمعین۔

(۱) حضرت امام جعفر بن محمدؒ (۱۴۸ھ)

حضرت امام جعفر صادق مدنیؒ فقیہ مدینہ قاسم بن محمدؒ (۱۰۶ھ) کی صاحبزادی (حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پڑپوتی) ام فروہؓ کے صاحبزادے ہیں۔ ام فروہؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پوتی ہیں سو آپ کو حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں کی خاندانی نسبتیں حاصل رہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استاد حضرت امام عطاؒ کے نامور شاگرد ہیں

حفص بن غیاث (۱۹۴ھ) کہتے ہیں میں نے آپ (حضرت امام جعفر صادقؒ) سے سُنا جتنی مجھے حضرت علی المرتضیٰؓ کی شفاعت کی اُمید ہے اتنی ہی مجھے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شفاعت کی امید ہے کیونکہ انہوں نے مجھے دو دفعہ جنا ہے آپ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ دونوں ۸۰ھ میں ایک ہی سال پیدا ہوئے۔ وفات میں حضرت امام جعفر صادقؒ دو سال پہلے عالمِ آخرت کو سدھارے۔ یہ دو سال وہ ہیں جن میں امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے امام ابو حنیفہؒ سے اکتسابِ علم کیا۔ ربّ العزت کو امام محمدؒ کو یہ عزت دینی منظور تھی اس لیے امام ابو حنیفہؒ کی عمر دو سال آگے رہی آپ (امام ابو حنیفہؒ) اور امام جعفر صادقؒ ایک جان دو قالب تھے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کیا واقعی علم میں مرتبہ امامت پر پہنچے ؟ اس کے لیے صرف امام

ابوحنیفہؒ کی شہادت کافی ہے۔ آپ سے زیادہ فقہ کو جاننے والا اور کون ہوگا؟ آپ فرماتے ہیں:

میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا ہے۔[۱]

آپ نے اپنے نانا قاسم بن محمد — اپنے والد امام محمد باقر — حضرت زبیر کے بیٹے عروہ — امام ابوحنیفہ کے استاد امام عطاء — امام مالک کے استاد امام نافع اور کئی دوسرے علماء سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے والد امام محمد باقر نے حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوسعید الخدری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور اپنے والد علی بن الحسین (زین العابدین) سے علم حاصل کیا۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں حضرات پوری طرح علم کے مرتبہ امامت پر فائز تھے اور اہل سنت کے حلقوں میں انہیں امام کہنا خود اہل سنت کا ایک اعزاز ہے۔

یاد رکھیے اہل سنت کے لٹریچر میں ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کسی آسمانی مرتبہ امامت کا داعی نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں آپ کو بدگمان کرنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن جب آپ امام ابوحنیفہ سے بالمشافہ ملے تو ساری بدگمانی دور ہوگئی اور آپ نے اسی مجلس میں اُٹھ کر امام ابوحنیفہ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد آپ ہمیشہ حضرت امام کے علم و فضل کی مدح فرماتے رہے۔

جس طرح امام بخاری نے صحیح میں امام ابوحنیفہ سے روایت نہیں کی اسی طرح امام جعفر صادق سے بھی شاید ہی کوئی روایت ملے لیکن اس سے ان دونوں اماموں کی شان میں کمی نہیں ہوتی امام بخاری نے بہت سی صحیح احادیث بھی تو چھوڑی ہیں۔ یہاں بھی علم کے یہ دو جلیل القدر امام ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

امام جعفر صادقؒ کے بڑے بڑے شاگرد

آپ کے شاگردوں میں امام مالکؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام سفیان بن عیینہؒ، حاتم

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۶۶

بن اسماعیل یحییٰ بن سعید القطان ۔ امام جریج ۔ امام شعبہ ۔ ابوعاصم النبیل ۔ موسیٰ کاظم اور دوسرے کئی حضرات ہیں آپ باوجودیکہ مجتہد تھے مگر آپ کا مذہب اور سلسلہ تقلید آگے نہ چلا ۔ یہ اس لیے کہ شیعوں نے آپ کے نام پر ایک اپنی فقہ مرتب کرلی تھی اور اسے ہی اب فقہ جعفری کے نام سے شہرت دی جارہی ہے ۔

اثنا عشریوں کے ائمہ حدیث نے (جیسے محمد بن یعقوب کلینی ۳۲۸ھ) اپنا یہ اصول بنالیا کہ کسی امام کی حدیث کسی امام کے نام سے بھی روایت کی جائے یہ سب جائز ہے ۔ نیز ان لوگوں نے عمل کے دو میزان قائم کیے تھے ایک کھلا اور ایک چھپا ـــ اور اپنی روایات میں تقیہ کو ایک اساسی جگہ دی تھی اب ان دو پہلوؤں سے یہ یقین کرنا مشکل ہوگیا کہ کون سی بات ان کی ہے اور کون سی ان کی نہیں ؎

کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے   لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

تاہم یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق ایک بہت بڑے فقیہ تھے اور امام مجتہد تھے لیکن جو فقہ ان کے نام سے فقہ جعفری کے طور پر معروف کردی گئی ہے ہماری تحقیق کے مطابق یہ ان کی نہیں ۔ امام جعفر صادق بلاشبہ صادق تھے انہوں نے ہرگز تقیہ کا کوئی دروازہ نہیں کھول رکھا تھا جس سے ہزاروں افراد دائرہ اسلام میں آتے جاتے رہے ہوں ۔

ان لوگوں کی ان غلطیوں کی وجہ سے ان حضرات کے علم کا ایک بہت بڑا خزانہ مشتبہ ہو کر رہ گیا یوں سمجھئے ضائع ہوگیا یہ اسی طرح ہوا جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کے نام پر اس قدر جھوٹ بولا گیا کہ اب ان کی بھی صرف اسی بات کو محدثین قبول کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے ذریعہ پہنچے شیعوں کی اس دو عملی سے دنیائے اسلام کو جو نقصان پہنچا یہ اس داستان غم کو دہرانے کا موقع نہیں ہے

حضرت امام مسلم (۲۶۱ھ) لکھتے ہیں :۔

عن ابی اسحق قال لما احدثوا تلك الاشياء بعد علی قال رجل من

اصحاب علی قاتلهم الله ای علم افسدوا..... سمعت المغیرة یقول لم یکن یصدق علی علیؓ فی الحدیث عنه الامن اصحاب عبدالله بن مسعودؓ[1]

ترجمہ۔ جب ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے بعد نئی نئی باتیں گھڑ لیں تو حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا اللہ انہیں برباد کرے کتنے بڑے علم کو انہوں نے فاسد کر دیا ہے ... میں نے مغیرہ کو کہتے سنا حضرت علیؓ سے روایت شدہ کسی حدیث کو سچا نہ سمجھا جائے جب تک کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے روایت نہ ہو۔

ائمہ اہلبیت اہلسنّت کے حدیثی لٹریچر میں

اہلِ علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اہل السنۃ کے ہاں ائمہ اہلبیت وہ امام زین العابدین ہوں، یا امام محمد باقر، امام جعفر صادق ہوں یا امام موسیٰ کاظم سب کے سب اہل سنّت تھے اور ان کی ان کے ہاں وہی قدر و منزلت ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کی ہے یا امام شافعی اور امام احمد کی ہے۔ ہم اثنا عشری شیعوں کی اس بات کو درست نہیں سمجھتے کہ ان ائمہ اہلبیت کا دیگر اہلسنّت کے بالمقابل کوئی علیحدہ مذہب تھا۔

حضرت امام جعفر صادق کے اس مختصر تذکرہ میں ہم نے ضروری جانا ہے کہ کچھ شواہد عرض کر دیں جن سے ثابت ہو کہ اہلسنّت کے حدیثی لٹریچر میں اہلبیت کا ذکر اور ان کی روایات فراواں موجود ہیں۔

① اہلسنّت کی کتب حدیث میں جہاں اور صحابہؓ کے فضائل و مناقب کے ابواب ہیں وہاں حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے فضائل و مناقب بھی اسی طرح موجود ہیں۔ دیکھئے صحیح بخاری صحیح مسلم۔ جامع ترمذی مستدرک حاکم وغیرھا من کتب الحدیث

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ

② مسند ابی یعلیٰ موصلی میں، مسند امام احمد میں، مسند ابی داؤد طیالسی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی مسندات مستقل طور پر مروی ہیں۔ اور اہل سنت کے ہاں بڑی قدر سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

③ بہت سی اسانید حدیث میں ان حضرات کے نام سے بطور راوی حدیث ملیں گے جن میں یہ حضرات اپنے آباء کرام سے بھی اور دیگر صحابہ کرامؓ اور رواۃ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ مثلاً :

① اخبرنا شعیب عن الزہری قال اخبرنی علی ابن الحسین ان حسین بن علی اخبرہ ان علی ابن ابی طالب اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری جلد ا ص۱۵۲)

② قال قیس بن مسلم عن ابی جعفر۔ (بخاری جلد ا ص۳۱۳)

③ اخبرنی ابن شہاب عن علی بن حسین عن علی بن ابی طالب انہ قال اصبت شارفاً مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ایضاً جلد ا ص۳۱۹)

④ عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن علی بن الحسین عن زینب بنت ام سلمۃ عن ام سلمہ۔ (سنن نسائی جلد ا ص۳۰)

④ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ ایمان ثریا ستاروں پر بھی جا لٹکے تو بھی ابنا رفارس سے ایک شخص اسے پالے گا۔ یہ پیشگوئی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۱۲ میں موجود ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عقیدہ اسلامی کے خلاف جبر و قدر، اعتزال اور رفض و خوارج کے فتنے عراق میں اُٹھے اور اللہ تعالیٰ نے وہیں سے حضرت امام کو عقائد راشدہ کی حفاظت کے لیے لا کھڑا کیا اور آپ نے اسلام کے تمام ضروری عقائد فقہ اکبر کے نام سے ایک رسالہ میں ترتیب دے دیئے اور پوری امت کے ایمان کو بچالیا۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :-

علم و عقائد اور کلام میں لوگ ابو حنیفہ کے عیال اور خوشہ چیں ہیں۔[1]

علم عقائد کی صحت فقہ اکبر ہے اور حضرت امام نے اسی نام سے اپنا عقیدہ مرتب فرمایا۔ اور نقشہ عمل کی صحت فقہ اصغر ہے اب فقہ کا لفظ زیادہ اسی نوع علم پر آتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں کہ علم عقائد کو سب سے پہلے آپ نے ایک ترتیب دی فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء

پھر آپ کے سلسلہ کے امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے اس موضوع کو لیا اور عقیدہ طحاوی مرتب فرمائی سعودی عرب میں عقائد کی یہ کتاب درساً پڑھائی جاتی ہے۔ سو بقول علماء محققینؒ حضرت امام حضورؐ کی اس پیشگوئی کا مصداق ٹھہرے۔ وہ پیشگوئی یہ تھی :

ایمان ثریا پر بھی جا لٹکے تو ابنائے فارس میں سے اسے ایک شخص پالے گا۔ اس کا مصداق حضرت امام ابو حنیفہؒ تھے۔

اس کا اعتراف دوسرے مسالک والوں نے بھی کیا ہے۔ حضرت امام سیوطی (۹۱۱ھ) باوجود شافعی المسلک ہونے کے اس حدیث کا مصداق حضرت امام کو قرار دیتے ہیں۔[2]

---

[1] بغدادی جلد ۱۳ ص ۱۶۱ [2] تبییض الصحیفہ ص۳

خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ شافعی المسلک ہیں مگر انہوں نے بھی حضرت امام کے علوِ مرتبہ اور وفورِ علم کی شہادت دی ہے۔[1]

بشارتِ ثریا کا مصداق

علامہ ابن حجر مکی (۹۷۵ھ) لکھتے ہیں:۔

قال بعض تلامذۃ الجلال وماجزم بہ شیخنا من ان الامام ابا حنیفۃ ھو المراد من ھذا الحدیث ظاھر لا شک فیہ[2]

ترجمہ: امام سیوطی کے بعض شاگردوں نے بتایا کہ آپ بڑے وثوق اور پختہ یقین سے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مراد امام ابو حنیفہ ہی ہیں اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

امام ابو حنیفہؒ دریں حکم داخل است کہ خدا تعالیٰ علم فقہ را بر دست وے شائع ساخت و جمعے از اہلِ اسلام را بآں فقہ مہذب گردانیدہ خصوصاً متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است پس در جمیع بلدان و جمیع اقالیم بادشاہ حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرساں و اکثر عوام حنفی۔[3]

ترجمہ: امام ابو حنیفہ اس بشارت میں داخل ہیں اللہ تعالیٰ نے علمِ فقہ ان کے ہاتھ سے پھیلایا ہے اور اہلِ اسلام کے ایک بڑے طبقہ کو ان کی فقہ سے متمتع کیا ہے خاص طور پر اس دورِ آخر میں کہ سلطنت اسی مذہب کی ہے تمام علاقوں میں اور ولایات میں حکمران اسی طریقے کے ہیں جج صاحبان اور مدرسین (اساتذہ) زیادہ اسی طریقے کے پائے جاتے ہیں۔

---

[1] الاکمال ص۶۲۳ [2] الخیرات الحسان ص [3] کلمات طیبات ص۱۶۸ طبع دہلی تالیف شاہ ولی اللہؒ

امام ابوداؤد صاحب السنن فرماتے ہیں :۔

ان اباحنیفة کان اماماً۔[۱]

ترجمہ۔ بے شک ابو حنیفہؒ مسلّم امام تھے۔

علامہ ذہبی حنبلی ہیں مگر حضرت امام کے بارے میں صاف لکھتے ہیں :۔

کان اماماً ورعاً عالماً عاملاً متعبداً کبیرالشان۔[۲]

آپ نے حضرت امام کو امام اعظم کے لقب سے ذکر کیا ہے

اسلام میں جو لوگ مجتہد تسلیم کیے گئے ہیں اور امت میں ان کی پیروی بالاجماع جاری ہوئی حضرت امام ان میں سے ایک ہیں حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں :۔

الامام فقیہ العراق احد ائمة الاسلام والسادة الاعلام احد ارکان العلماء احد ائمة الاربعة اصحاب المذاھب المتبوعة۔[۳]

ترجمہ۔ عراق کے بڑے فقیہ۔ ائمہ اسلام میں سے ایک۔ اور علم کے بڑے سرداروں میں سے ایک۔ بنیادی علماء میں سے ایک۔ ائمہ اربعہ میں سے ایک۔ اور جن حضرات کی امت میں تقلید جاری ہوئی ان میں سے ایک ہیں۔

سو حضرت امام جعفر صادقؒ کے نام سے جو فقہ شیعہ حضرات نے وضع کر رکھی ہے اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں :

ومن اکاذیبھم وزعمھم ان ھٰذہ الرسائل من کلام جعفر بن محمد الصادق والعلماء یعلمون انھا انما وضعت بعد المائة الثالثة زمان بناء القاھرة۔[۴]

ترجمہ۔ ان لوگوں کا جھوٹ اور گمان ہے کہ یہ رسائل امام جعفر صادقؒ کے ہیں اور علماء جانتے ہیں کہ یہ رسائل تو تیسری صدی میں جب قاہرہ کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، وضع کیے گئے۔

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ [۲] ایضاً صفحہ ۱۶۸ [۳] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۷ [۴] فتاوے ابن تیمیہ جلد ۳۵ صفحہ ۱۳۲

شیعہ کے بارہویں امام کی پیدائش (۲۸۴ھ) ہے۔ سو اس سے پہلے ان کا مذہب اصولی طور پر کہیں طے شدہ نہیں ہو سکتا۔ سو یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ فقہ جعفری کی اساس تیسری صدی میں ہی کہیں رکھی گئی ہوگی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حضرت امامؒ کا تعارف

حضرت امام ابوحنیفہؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ۶۹ سال بعد ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام نعمان اور والد کا نام ثابت تھا۔ فارسی النسل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں حضرت انسؓ (۹۳ھ) کی کئی دفعہ زیارت کی۔ حضرت عامر بن واثلہ الاسقعؓ (۱۰۲ھ) کی وفات کے وقت حضرت امام کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ تابعی تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

مولده سنة ثمانين رای انس بن مالك غير مرة لما قدم عليهم الكوفة [۱]

ترجمہ۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کو کئی دفعہ دیکھا جب وہ آپ کے پاس کوفہ آیا کرتے تھے۔

اگر آپ نے ان سے حدیث روایت نہیں کی تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ آپ نے ان سے کوئی حدیث سنی نہیں یا یہ کہ آپؒ نے آپؓ کو کبھی نماز پڑھتے نہ دیکھا ہوگا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کوفہ کی منفرد عادت رہی کہ وہ بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث روایت نہ کرتے تھے روایت نہ سننے سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ان اهل الكوفة لم يكن الواحد منهم يسمع الحديث الا بعد استكماله عشرين سنة۔ [۲]

ترجمہ۔ بے شک اہل کوفہ میں سے کوئی شخص حدیث کا باقاعدہ سماع نہ کرتا تھا جب تک کہ زندگی کے بیس سال پورے نہ کرلے۔

اگر آپ نے کہیں ان سے کوئی حدیث روایت کی تو وہ بطور تبرک کی ہے۔ کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صغر سنی میں سنی روایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں کیں؟ آپ نے

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ ص ۱۵۸ تہذیب جلد ۱۰ ص ۴۴۹ [۲] الکفایہ ص ۵۴

حضرت انسؓ کو کئی دفعہ دیکھا تو ظاہر ہے کہ آپ پر یہ بات مخفی نہ رہی ہوگی کہ آپ رکوع کے وقت رفعیدین کرتے تھے یا نہ ؟ اور آمین آہستہ کہتے تھے یا بالجہر ؟ — اور جب حضرت انسؓ کوفہ میں آئے تو کیا ان پر یہ بات مخفی رہی ہوگی کہ اہل کوفہ سب کے سب رفعیدین عندالرکوع کے قائل نہیں. وہ امام حماد ہوں یا ان کے شاگرد امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری ہوں یا کوئی اور صاحب — یقیناً حضرت انسؓ سے یہ بات مخفی نہ رہی ہوگی کہ اہل کوفہ رکوع کے وقت رفعیدین نہ کرتے تھے.

حضرت امامؒ کی تابعیت

ائمہ اربعہ میں تابعی ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے. حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) نے حنبلی ہونے کے باوجود آپ کو امام اعظم کے اعزاز سے ذکر کیا ہے مولانا محمد ابراہیم میر صاحب بھی آپ کو الملقب بالامام الاعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کہہ کر ذکر کرتے ہیں. اور آپ کے تذکرہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ :.

> آپ کے شاگرد امامت کے بلند رُتبوں پر پہنچے. چنانچہ ان میں امام ابویوسف قاضی القضاۃ اور امام محمد اور امام عبداللہ بن مبارک اور امام زفر وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے ہیں [1]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بھی الحطہ میں آپ کو امام اعظم لکھتے ہیں :.

> وابوحنیفہ النعمان بن ثابت الامام الاعظم [2]

نواب صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں :.

> امام اعظم ابوحنیفہ کوفی ؒ وے چنانکہ در علم دین منصب امامت دارد [3]

ترجمہ. امام اعظم ابوحنیفہ کوفی ؒ وہ شخصیت ہیں جو علم دین میں منصب امامت رکھتے ہیں

---

[1] احکام المرام باحیاء ماثر علماء الاسلام ص۵۵ [2] الحطہ ص۱۳۴ [3] تقصار فی جیود الاحرار ص۱۲

جب آپ علم دین میں امامت کے مقام پر پہنچے تو کیا علم حدیث علوم دینیہ میں سے نہیں؟ سواس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ علم حدیث میں بھی مقام امامت پر تھے

حضرت امام اور علم حدیث

ناقدین رجال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں دیگر حفاظ حدیث کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حافظ الحدیث بھی تھے۔ علامہ ذہبی نے آپ کا تعارف محدثین کے طریقے پر اس طرح کرایا ہے:۔

حدث عن عطاء ونافع وعبدالرحمن بن هرمز الاعرج وسلمة بن كهيل وابی جعفر محمد بن علی وقتادہ وعمرو بن دینار وابی اسحٰق وخلق كثير. وحدث عنه وكيع ويزيد بن هارون وسعد بن الصلت وابو عاصم وعبد الرزاق وعبد الله بن موسیٰ وابو نعيم وابو عبد الرحمن المقرئ وبشر كثير وكان اماماً ورعاً [1]

اس سے پہلے حافظ ابن عبد البر مالکی لکھ چکے ہیں:۔

قد قال الامام علی بن المدینی ابو حنیفه روی عنه الثوری وابن المبارك وحماد بن زيد وهشام ووكيع وعباد بن العوام وجعفر بن عون وهو ثقة لا بأس به وكان شعبه حسن الرای فيه

ترجمہ: امام علی بن المدینی نے کہا ہے امام ابو حنیفہ سے امام سفیان الثوری حضرت عبداللہ بن مبارک. حماد بن زید. ہشام بن عروہ امام وکیع. عباد بن العوام جعفر بن عون نے حدیث روایت کی ہے اور آپ ثقہ ہیں۔ امام شعبہ کی رائے بھی آپ کے بارے میں بہت اچھی تھی۔

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص۱۶۸ عہ اصطلاح محدثین میں حافظ الحدیث وہ ہوتا ہے جسے کم از کم ایک لاکھ حدیث یاد ہو

خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ (۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:

روی عنہ عبد اللہ بن مبارک و وکیع بن الجراح و یزید بن ہارون و القاضی ابو یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی[1]

ترجمہ: حضرت امام عبد المبارک، وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن الشیبانی نے آپ سے حدیث کی روایت لی ہے۔

صدر الائمہ لکھتے ہیں:

وعبد اللہ بن یزید ھو ابو عبد الرحمٰن المقری من حفاظ اصحاب الحدیث وکبار ائمتھم اکثر من ابی حنیفۃ الروایۃ فی الحدیث[2]

ترجمہ: ابو عبد الرحمٰن المقری عبد اللہ بن یزید اصحاب الحدیث میں سے اور بڑے محدثین میں سے ہیں انہوں نے امام ابو حنیفہ سے بہت احادیث روایت کی ہیں

کیا اب بھی کوئی کہہ سکے گا کہ حضرت امام قلیل الحدیث تھے؟ ——— ہرگز نہیں صرف یہی نہیں کہ بے شمار حفاظ حدیث نے آپ سے روایتیں لیں بلکہ محدثین عظام رواۃ حدیث پر آپ کے قول سے سند لیتے تھے جرح و تعدیل کے معاملے میں آپ کا قول معتبر مانا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر زید بن عیاش کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

قال ابو حنیفہ انہ مجھول[3]

جابر جعفی کے بارے میں حضرت امام کا قول نقل کیا ہے کہ:

ما لقیت فیمن لقیت اکذب من جعفر الجعفی[4]

ناقد فن رجال علامہ ذہبی نے بھی آپ کے قول سے سند لی ہے۔ امام عطاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال ابو حنیفہ ما رأیت احداً افضل من عطاء[5]

---

[1] الاکمال ص ۶۲۴ [2] مناقب موفق جلد ۱ ص ۲۰۲ [3] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۲۳ [4] ایضاً ص ۴۸ ج ۲ [5] تذکرہ ص ۹۲ ج ۱

علامہ ذہبی نے ربیعہ اور ابو الزناد کے بارے میں امام صاحب کی یہ رائے نقل کی ہے۔

رأيت الربيعة واباالزناد - وابوالزناد افقه الرجلين [1]

حضرت امام بیہقی نے بھی اس معاملے میں آپ سے سند لی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا سفیان ثوریؒ روایت میں کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا:-

أكتب عنه ماخلاء حديث ابى اسحٰق عن الحارث عن على وحديث جابر الجعفى۔ [2]

سفیان ثوری جیسے محدث کے بارے میں آپ سے پوچھنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ رواتِ حدیث کے بارے میں بھی کس قدر بالغ النظر سمجھے جاتے تھے اور حضراتِ محدثین کے ہاں آپ کا قول ہمیشہ لائق اعتماد اور جرح و تعدیل میں قابل اعتبار سمجھا جاتا تھا جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کی کتابوں میں حضرت امام ابوحنیفہ رہ کے بہت سے اقوال مختلف راویوں کے بارے میں ملتے ہیں۔

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص۱۴۷ [2] کتاب القراءۃ للبیہقی ص۱۳۲

حضرت امامؒ کی روایتِ حدیث

یہ درست ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کم روایت کی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا علمِ حدیث کسی دوسرے سے کم تھا کثرتِ روایت والے حامل فقہ تو ہو سکتے ہیں لیکن حاملِ فقہ ضروری نہیں کہ فقیہ بھی ہو۔ فقیہ کی علمی ذمہ داری بہت اُونچی ہے وہ اگر روایتِ حدیث پر وقت نہ لگائے تو یہ اس کے حق میں کوئی عیب نہیں یہ کوئی کمی شمار نہ ہوگا۔ جس طرح ڈاکٹر کے پاس زیادہ دوائیں نہ رکھی ہوں تو اس کا علم کمپاؤنڈر سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ فقہِ حدیث فقیہ کا موضوع ہوتا ہے۔ اسے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ یہ حدیث کتنے طرق سے مروی ہے۔ جب اسے اس کی صحت یا تواتر پر یقین ہو جاتے تو وہ اس پر اپنا فیصلہ مرتب کر لیتا ہے۔ حدیث ضعیف ہو تو بھی اس سے اس درجے کا کام لے لیتا ہے جس درجے کا کام ضعیف حدیث دے سکتی ہے۔ طرق کی دیگر بحثوں میں صرف محدثین ہی اُلجھتے ہیں۔

حضرت الامامؒ کی شروطِ روایت اتنی کڑی تھیں کہ آپ کو حدیث روایت کرنے کی بہت کم ضرورت پڑی۔ بایں ہمہ آپ محدثین میں کثیر الحدیث سمجھے گئے۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ :

روی حماد بن زید عن ابی حنیفۃ احادیث کثیرۃ [1]

ترجمہ۔ حماد بن زید نے امام ابوحنیفہ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں

امام اسد بن عمرو (۱۹۰ھ) جن کے پاس علامہ ابن سعد کے پاس بہت حدیثیں تھیں۔
وکان عندہ حدیث کثیر [2]

حضرت امام ابوحنیفہؒ ان سے آگے بلند درجے کے امام الحدیث تھے۔ ابن عدی (۳۶۵ھ)

---

[1] الانتقار ص۱۳۰ [2] بغدادی جلد ۷ ص۱۶

امام اسد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :۔

ولیس فی اصحاب الرای بعد ابی حنیفۃ اکثر حدیثاً منہ[1]

ترجمہ: اصحاب الرای میں امام ابوحنیفہ کے بعد اسد بن عمر سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہ تھا۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت امام اہل علم میں کثیر الحدیث سمجھے جاتے تھے قلیل الحدیث نہیں اور اگر کہیں کسی کے ہاں یہ لفظ بھی ملے تو اس کا معنی علم کم رکھنے والا نہیں صرف آپ کا اشتغال بالروایۃ کم سمجھا جائے گا تاہم امام دارقطنی نے اپنی سنن میں ۳۳ جگہ حضرت امام کی روایت سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کس پائے کے محدث ہیں اس سے کون ناواقف ہو گا وہ خود کہتے ہیں :۔

اول من صیرنی محدثاً ابوحنیفہ[2]

ترجمہ: مجھے جس شخص نے محدث بنایا اور اس مقام تک پہنچایا وہ ابوحنیفہ ہیں

یحیٰی بن زکریا کی جلالتِ شان سے کون واقف نہیں آپ حضرت امام کے ان اصحاب میں سے ہیں جو تدوینِ علم میں آپ کے سامنے بیٹھتے تھے امام مسعر بن کدام (۱۵۵ھ) کو کون نہیں جانتا آپ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ حضرت امام کے ہم سبق تھے آپ فرماتے ہیں :۔

طلبت مع ابی حنیفۃ الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزھد فبرع علینا وطلبنا معہ الفقہ فجاء منہ ما ترون[3]

ترجمہ: میں طلب حدیث میں ابوحنیفہ کے ساتھ رہا وہ اس فن میں (حدیث میں) ہم سب سے بڑھ گئے ہم زہد و تقوےٰ میں لگے تو اس میں بھی وہ ہم سے آگے نکل گئے ہم فقہ میں اکٹھے تھے آپ جس مقام پر پہنچے اسے تم سب دیکھ رہے ہو۔

---

[1] لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۳۸۳ [2] ابن خلکان [3] الانتقاء صفحہ ۱۲۶

اجلہ محدثین کی یہ شہادتیں بتلا رہی ہیں کہ آپ کس علم حدیث کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔
آپ نے اپنے بیٹے حماد کو وصیت میں جن پانچ احادیث کی طرف توجہ دلائی ان کے بارے میں فرمایا:۔

جمعتها من خمس مائة الف حديث۔[1]

ترجمہ: میں نے یہ پانچ حدیثیں پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چُنی ہیں۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نظر کم از کم پانچ لاکھ احادیث پر ضرور تھی۔
اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس دور میں کسی امام کا مجتہد تسلیم کیا جانا بدوں اس درجہ کے علم حدیث کے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ حضرت امام احمدؒ سے پوچھا گیا۔

اذا حفظ الرجل مائة الف حديث يكون فقيهاً؟ قال لا قال مائتي الف؟ قال لا قال فثلاث مائة الف؟ قال لا قال فاربع مائة الف؟ قال الامام بيده هكذا وحركها انه لعله يصلح ان يكون فقيهاً مجتهداً يفتي الناس۔[2]

ترجمہ: جب کوئی شخص لاکھ حدیثیں یاد کر لے تو کیا وہ فقیہ ہو سکے گا؟ آپ نے کہا نہیں۔ تو پھر دو لاکھ پر (کیا اسے فقیہ مان سکیں گے؟) آپ نے کہا نہیں۔ تو پھر تین لاکھ پر؟ فرمایا نہیں۔ تو پھر چار لاکھ پر؟ اس پر امام نے ہاتھ سے اشارہ کیا ہاں! ہو سکتا ہے کہ وہ فقیہ اور مجتہد ہو ہو جائے۔

سو آپ کا مجتہد ہونا ہمیں اس سے مستغنی کر دیتا ہے کہ ہم آپ کے علم حدیث میں کوئی شک کریں۔ مولانا فضل حسین بہاری آپ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔
آپ کا مجتہد متبع سنت متقی اور پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔[3]

---

[1] الوصیۃ صفحہ ۱۶ [2] اعلام الموقعین جلد ا صفحہ ۴۴ [3] الحیات صفحہ ۵۹۳

امام محمد بن سماعہ کہتے ہیں کہ :-

ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا وسبعین الف حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث۔[۱]

ترجمہ: حضرت امام نے اپنی تصانیف میں اٹھہتر ہزار حدیثیں روایت کی ہیں اور چالیس ہزار کے قریب آثار صحابہ نقل کیئے گئے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کریں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کریں۔ پھر بھی آپ کے علم حدیث کو نشانہ طنز وتشنیع بنایا جائے تو اس کے سوا اور کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ ستر ہزار کو سترہ کہنے والے امام محمد کی کتاب الآثار ہی کو دیکھ لیں کہ اس میں کتنی حدیثیں حضرت امام نے روایت کی ہیں۔ اللّٰھم احفظنا من سوء الفھم وسوء الظن ولان بعض الظن اثم۔

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں وکیع کو آپ کی کل احادیث یاد تھیں اور انہوں نے حضرت امام سے بہت ذخیرہ احادیث لیا۔ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں :-

کان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفۃ حدیثا کثیرا۔[۲]

ترجمہ: یحییٰ بن معینؒ کو تمام احادیث یاد تھیں اور انہوں نے بہت سا ذخیرہ احادیث امام ابوحنیفہؒ سے لیا۔

کیا اس میں حضرت امام کے کثیر الحدیث ہونے کی شہادت نہیں ہے؟ — سو یہ کہنا کہ حضرت امام کو شاید فلاں فلاں حدیثیں نہ پہنچی ہوں وہ سوء ظنی ہے۔ جسے قرآن کریم نے گناہ قرار دیا ہے۔ ان بعض الظن اثم

مجدد مائۃ دہم ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :-

---

[۱] مناقب علی ن القاری بذیل الجواہر جلد ۲ صفحہ ۴۷۴ ومناقب موفق جلد ۱ صفحہ ۹۶

[۲] کتاب الانتقاء صفحہ ۱۵۰ جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۹

فالظن با بي حنيفة ان هذه الاحاديث لم تبلغه ولو بلغته لقال بها هذا من بعض الظن فان حسن الظن بالي حنيفه انه احاط بالاحاديث الشريفه من الصحيحة والضعيفه ولكنه رجح الحديث الدال على الحرمة او حمله على الكراهة جمعا بين الاحاديث وعملاً بالروايه والدراية[1]

ترجمہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ بدگمانی کہ یہ احادیث آپ کو نہ پہنچی تھیں اگر پہنچی ہوتیں تو آپ ضرور ان کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ یہ گمان وہ بدگمانی ہے جسے قرآن نے گناہ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ سے نیک گمان یہ ہے کہ آپ تمام احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کو جاننے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے اس حدیث کو ترجیح دی ہے جو اس کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے یا آپ نے اسے کراہت (تحریمی) پر محمول کیا ہے۔ اس طریق سے سب حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں اور روایت اور درایت دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔

حضرت امام قرونِ وسطیٰ تک صحابہ اور تابعین کے علم کے اسی طرح وارث شمار ہوتے ہیں جس طرح حضرت سفیان ثوری۔ امام اوزاعی اور امام مالک اور امام شعبہ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک امام وکیع اور امام ابو یوسف اور عبدالرحمٰن بن المہدی یہ سب حضرات ایک ہی صف کے محدث اور فقیہ ہیں۔ علامہ ذہبی علم منطق، جدول اور حکمت پر نفرت کی نگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

لم تكن والله من علم الصحابة والتابعين ولا من علم الاوزاعي والثوري ومالك وابي حنيفه وابن ابي ذئب وشعبه ولا والله عرفها ابن المبارك ولا ابو يوسف ولا وكيع ولا ابن المهدي بل كانت علومهم القرآن والحديث والفقه والنحو وشبه ذلك[2]

---

[1] مسند الامام ص۲۸ [2] تذکرہ جلد ا ص۱۹۲

ترجمہ۔ یہ معقولات بخدا صحابہ اور تابعین کا علم نہ تھا۔ یہ امام اوزاعی۔ امام ثوری امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا علم تھا نہ امام ابن ابی ذئب، اور نہ امام الجرح و التعدیل امام شعبہ کا۔ بخدا نہ انہیں امام عبداللہ بن مبارک نے مانا نہ امام ابویوسف نے نہ وکیع نے نہ عبدالرحمٰن بن المہدی نے۔ ان حضرات کے علوم تو قرآن و حدیث اور فقہ اور نحو وغیرہ تھے۔

اس سے پہلے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی ائمہ حدیث میں امام ابوحنیفہ کو امام سفیان الثوری، وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) اور یحییٰ بن سعید القطان کی صف میں اس طرح ذکر کر گئے ہیں:

وھؤلاء کلھم یعظمون السنۃ والحدیث ومنھم من یمیل الی مذھب العراقیین کابی حنیفۃ والثوری ونحوھما کوکیع و یحییٰ بن سعید ومنھم من یمیل الی مذھب المدنیین مالک و نحوہ کعبد الرحمٰن بن مھدی۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ حضرات سب سنت اور حدیث دونوں کی عظمت کا عقیدہ رکھتے تھے پھر ان میں وہ بھی تھے جو عراقی مکتب فکر کے تھے جیسے ابوحنیفہ، سفیان الثوری اور حضرت وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) اور یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) اور وہ بھی تھے جو حجازی فکر رکھتے تھے جیسے امام مالک (۱۷۹ھ) اور عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ)۔

دیکھیئے حافظ ابن تیمیہ امام ابوحنیفہ کو کس صف کے علماء میں ذکر کرتے ہیں وہی جو حدیث میں چوٹی کے امام سمجھے گئے ہیں۔

اس سے بھی پہلے حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کتاب التمہید میں امام ابوحنیفہؒ کو اس صف میں ذکر کر گئے ہیں۔

---

[1] فتاویٰ حافظ ابن تیمیہ جلد ۲۰ صفحہ ۳۴۲

وكان الثوری والاوزاعی والشافعی وابو حنیفة وابو یوسف ومحمد
واحمد بن حنبل واسحٰق بن راھویه۔[1]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :۔

وعلی ھذا اکثر اھل العلم بالحجاز والعراق من اھل الفقه والحدیث
وممن قال بھذا الثوری والاوزاعی وعبد الله بن الحسن العنبری و
الحسن بن حی وابو حنیفة والشافعی۔[2]

ترجمہ۔ اس پر حجاز اور عراق کے فقہ و حدیث کے اکثر عالم جمع ہیں۔ امام سفیان ثوری۔ اوزاعی
عبد اللہ بن حسن حسن بن حی اور ابو حنیفہ اور شافعی نے یہی بات کہی ہے۔

ومن ظن بابی حنیفة وغیرہ من ائمة المسلمین انھم یتعمدون مخالفة
الحدیث الصحیح لقیاس او غیرہ فقد اخطأ منھم تکلم اما بظن و اما بھوی۔[3]

ترجمہ۔ اور جس نے ابو حنیفہ اور ان جیسے دوسرے ائمۃ المسلمین کے بارے
میں یہ گمان کیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر صحیح حدیث کی مخالفت کرتے ہیں قیاس
یا کسی اور سبب سے سو اس نے غلطی کی ہے اور اس کا یہ کلام سوء ظن
(بدگمانی) کے باعث ہے یا وہ نفسانی خواہشات میں پکڑا ہوا ہے۔

اس صف میں امام ابو یوسف اور امام محمد کا ذکر بھی قابل غور ہے اس کی تفصیل ان
کے اپنے تذکرہ میں آئے گی۔

غور کیجئے امام ابو حنیفہ کو کن کے پائے کا عالم مانا جا رہا ہے ؟ اور کن کے ساتھ شمار کیا جا
رہا ہے ؟ کیا امام ابو یوسف اور امام وکیع بن الجراح برابر کے کفہ میزان پر نہیں رکھے گئے پھر آگے
امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی کو بھی انہی علوم کا ترجمان بتلایا ہے جن کا اُوپر ذکر ہوا۔ اب امام
نسائی کی ایک سند ملاحظہ کیجئے :

---

[1] کتاب التمہید جلد ۳ صہ ۲۱ [2] ایضاً صہ ۱۴۲ [3] جلد ۲۰ صہ ۳۰۳

اخبرنا علی بن حجر قال اخبرنا عیسٰی بن یونس عن النعمان بن ثابت ابو حنیفہ[1]

اس وقت ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کہ سنن نسائی المجتبیٰ سے اس روایت کو کیوں نکال دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب اور تہذیب میں نشان دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح سے ترمذی اور نسائی نے بھی تخریج روایت کی ہے۔ اسی طرح مسند ابو داؤد الطیالسی اور معجم صغیر طبرانی میں بھی اور مستدرک حاکم میں بھی حضرت امام کی روایات ملتی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت امام سے ایک حدیث مروی نہیں۔ بایں ہمہ صاحب مشکوٰۃ علامہ خطیب تبریزی نے الاکمال میں حضرت امام کے وفور علم (اچھلتے علم) کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے:۔

فانہ کان عالماً عاملاً ورعاً زاہداً عابداً اماماً فی علوم الشریعۃ والغرض بایراد ذکرہ فی ہذا الکتاب وان لم نروعنہ حدیثاً فی المشکوٰۃ للتبرک بہ لعلو مرتبتہ ووفور علمہ[2]

ترجمہ کیونکہ وہ عالم باعمل، نہایت محتاط، دنیا سے بے رغبت، عبادت گزار اور علوم شریعت کے امام تھے اور اگرچہ ہم مشکوٰۃ میں ان سے کوئی حدیث نہیں لائے مگر ان کے بلند مرتبہ اور وفور علم کی وجہ سے اور برکت حاصل کرنے کے لیے ہم نے ان کا یہاں تذکرہ کیا ہے

اب آپ ہی بتائیں علوم شریعت جن میں آپ علی الاطلاق امام ٹھہرے کیا علم حدیث ان میں داخل نہیں؟ اور کیا آپ نے نہیں سوچا کہ ان دنوں علم کسے کہا جاتا تھا؟ آپ جس علم کا سمندر موجزن تھے اس کے لیے وفور علم سے بڑھ کر اور کون سی تعبیر ہے جو یہاں اس سے

---

[1] سنن کبریٰ للنسائی جلد ۳ صفحہ ۳۲۳ [2] الاکمال صفحہ ۶۲۵

آگے ذکر کی جا سکتی تھی ے

ذٰلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشآء ولو كره الأعداء من كل حاسد

حضرت عبدالرحمٰن المقری (۲۱۳ھ) جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے کہ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے بیان کی ہے جو فنِ حدیث میں بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :۔

كان اذا حدث عن ابي حنيفة قال حدثنا شاهنشاه.[1]

آپ جب ابو حنیفہ سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے ہمیں یہ حدیث اس شخص نے سنائی جو (اس فن میں) بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔

آپ امام شافعی رح کو دیگر مسائل میں حضرت امام سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن وہ بھی بر ملا کہتے ہیں کہ سب علماء فقہ میں حضرت امام کے عیال ہی ہیں :۔

من اراد الفقه فهو عيال ابي حنيفه.[2]

من اراد ان يعرف الفقه فليلزم ابا حنيفه واصحابه فان الناس كلهم عيال عليه في الفقه.[3]

ترجمہ: جو علمِ فقہ جاننا چاہے اسے امام ابو حنیفہ اور اس کے شاگردوں کی مجلس لازم پکڑنا ہوگی کیونکہ سب لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔

علامہ محمد بن ابراہیم الیمانی (۸۴۰ھ) کس دلسوز پیرائے میں ان علمائے اعلام کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے حضرت امام کی عبقریت کے آگے اپنے علم کے بادو خم کیے ہیں :۔

لو كان الامام ابو حنيفة جاهلاً من حلية العلم عاطلاً ما انطابقت جبال العلم من الحنفية على الاشتغال بمذاهبه كالقاضي ابي يوسف ومحمد بن الحسن الشيباني والطحاوي والكرخي واشالهم اضعافهم

---

[1] بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۵ [2] الانتقاء صفحہ ۱۳۶ لابن عبدالبر [3] بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۶

فعلماء الطائفة الحنفيه فی الهند والشام ومصر واليمن والجزيرة و
الحرمين والعراقين منذ مائة وخمسين من الهجرة الی هذا التاريخ
يزيد علی ست مائة سنة فهم الوف لا ينحصرون وهوالم لا يحصون
من اهل العلم والفتویٰ والورع والتقویٰ۔ [۱]

ترجمہ اگر امام ابوحنیفہ واقعی علم سے خالی ہوتے تو بڑے بڑے علم کے پہاڑ جیسے قاضی ابو یوسف امام محمد امام طحاوی امام کرخی اوران کے مرتبے کے اور علماء اوران سے کئی گنا زیادہ امام ابوحنیفہ کے مذہب پر کیسے لگ جاتے علماء احناف ہند شام مصر یمن جزیرہ حرمین اور عراقین میں ۱۵۰ھ سے آج تک کہ چھ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے لاکھوں ہیں کہ گنے نہیں جاسکتے

حضرات اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) کا اقرار

مشہور اہلحدیث عالم مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں :۔

آپ کا دماغ فقہی مسائل کے استخراج اور اصول متقرر کرلے کے لیے بہت مناسب تھا اور آپ کی قوتِ استدلال نہایت زبردست تھی۔ [۲]

مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی (گوجرانوالہ) عراق سے اُٹھنے والے فتنوں کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

جس قدر یہ زمین سنگلاخ تھی اس قدر یہاں اعتقادی اور عملی اصلاح کے لیے ایک آہنی مرد کی ضرورت تھی جس کے علم و عقل کی پہنایاں اس سرزمین کے مفاسد کو سمیٹ لیں میری ناقص رائے میں یہ آہنی شخص حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ تھے جن کی فقہی موشگافیوں نے اعتزال و تجہم کے ساتھ رفض و تشیع کو بھی ورطۂ حیرت

---

[۱] الروض الباسم صہ [۲] احکام المرام صہ۵۵

میں ڈال دیا۔ اللھم ارحمہ واجعل الجنۃ الفردوس مأواہ۔[1]

پھر ایک دوسری جگہ پر لکھتے ہیں :۔

حضرت امام کے مخالف بلکہ دشمن بھی ان کی ان خوبیوں سے ناواقف نہیں تھے اگر اس دورِ پُرفتن میں یہ مقدس شخصیت سرزمینِ کوفہ میں موجود نہ ہوتی تو شاید اس سرزمین کا حشر بھی عاد و ثمود یا قومِ لوط جیسا ہوتا۔[2]

رہا یہ وہم کہ آپ پر فقہ کا غلبہ تھا اس لیے آپ زیادہ رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔ سو اس کے جواب میں ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ اس سوءظن سے پہلے کم از کم ایک دفعہ آپ کے نظریۂ حدیث پر ضرور غور کریں اسے ہم مستقل عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

حضرت امام کا نظریۂ حدیث

حافظ ذہبی نے آپ کا نظریۂ حدیث آپ کے اپنے الفاظ میں اس طرح نقل کیا ہے :۔

(۱) آخذ بکتاب اللہ فما لم اجد فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والآثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابہ آخذ بقول من شئت واما اذا انتھی الامر الی ابراھیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتھد کما اجتھدوا۔[3]

ترجمہ: میں فیصلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں اس سے نہ ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، اور ان آثار سے لیتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ راویوں کے ذریعہ عام پھیل چکے ہوں۔ ان میں بھی نہ ملے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے جو مجھے پسند آئے اسے لے لیتا ہوں ... لیکن جب معاملہ دوسرے مجتہدین امام ابراہیم نخعی علامہ شعبی حسن بصری اور عطا بن ابی رباح کی تک آئے

---

[1] فتاویٰ سلفیہ صلا ۱۴۱ [2] ایضاً

تر میں اجتہاد کرتا ہوں جیسے انہوں نے اپنے وقتوں میں اجتہاد کیا۔

جو لوگ حضرت امام شعبی اور امام ابراہیم نخعی کے علمی مرتبہ سے واقف ہیں انہیں علم ہونا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ اپنے آپ کو اسی صف کا عالم سمجھتے تھے۔ یہ حضرات بے شک آپ کے اساتذہ بھی تھے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کئی دفعہ شاگرد اساتذہ پر علم میں سبقت بھی لے گئے ہیں۔

(۲) آپ رواۃ حدیث کو اس موضوع کی دوسری احادیث اور قرآنی مطالب سے ملا کر دیکھتے جو روایت اس اجماعی موقف سے علیحدہ رہتی آپ اسے عمل کے لیے قبول نہ فرماتے اور اس کا نام شاذ رکھتے یہ آپ کی اپنی اصطلاح تھی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

انه كان يذهب فى ذلك الى عرضها على ما اجتمع عليه من الاحاديث ومعانى القرآن فما شذ من ذلك رده وسماه شاذا۔[1]

ترجمہ آپ ہر روایت کو کتاب و سنت کے اس مجموعی موقف پر پیش کرتے جو آپ کے ہاں قائم تھا اور جو بات اس کے خلاف ہو اسے رد فرماتے اور اس کا نام شاذ رکھتے۔

(۳) حدیث آپ کے ہاں ان تمام مراحل سے گزر کر سنت کے درجہ کو پہنچتی تھی۔ آپ حدیث کے اس قدر گرویدہ تھے کہ حدیث ضعیف بھی ہو تو اس کے مقابلے میں قیاس کو جگہ نہ دیتے تھے حدیث کو آگے کرتے اور اسے قیاس پر مقدم کرتے تھے حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

فتقديم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس والرائ قوله وقول احمد۔[2]

ترجمہ۔ حدیث ضعیف بھی ہو تو اسے اور آثار صحابہ کو رائے اور قیاس پر مقدم کرنا یہ امام ابوحنیفہ کا فیصلہ تھا اور یہی مذہب امام احمد کا ہے۔

(۴) ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) احناف کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں:۔

---

[1] الموافقات جلد ۲ صفحہ ۲۶ [2] اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۸۸

ان مذهبهم القوی تقدیم الحدیث الضعیف علی القیاس المجرد
الذی یحتمل التزییف۔[1]

ترجمہ علماء حنفیہ کا قوی مذہب ضعیف حدیث کو ترجیح دینا ہے محض قیاس کے مقابلہ میں
جو خطاء کا احتمال رکھتا ہے۔

حضرت امام فرماتے ہیں ۔

لم تزل الناس فی صلاح مادام فیهم من یطلب الحدیث فاذا طلبوا العلم
بلا حدیث فسدوا۔[2]

ترجمہ جب تک لوگوں میں حدیث کے طالب رہے اس وقت تک لوگ درست رہے
اور جب انہوں نے حدیث کو چھوڑ کر علم حاصل کرنا شروع کیا تو خراب ہو گئے

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ابن حزم کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث اولی عنده من الرای
والقیاس۔[3]

ترجمہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث رائے
اور قیاس سے بہتر ہے۔

قیاس (کسی منصوص مسئلے پر غیر منصوص مسائل کو قیاس کرنا) تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک
حجت ہے اور اس پر اجماع ہے ضعیف حدیث کو اس پر مقدم کرنا بتلاتا ہے کہ ضعیف حدیث
میں حجت ہونے کی قیاس سے زیادہ اہلیت ہے گو اس کا درجہ اپنا ہو حسن اور صحیح اس پر ترجیح پائیں
یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں سنن اربعہ میں ضعیف احادیث بھی حسن اور صحیح کے ساتھ روایت
کی گئی ہیں گو اب شیخ البانی نے انہیں علیحدہ کر دیا ہے اور وہ علیحدہ چھپی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

---

[1] مرقات جلد اص ۳ [2] میزان کبریٰ للشعرانی جلد اص ۵۱ [3] دلیل الطالب ص ۸۸۷

③ امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ (۱۵۷ھ)

امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی اپنے زمانہ کے مشہور محدث، فقیہ اور مجتہد تھے۔ علامہ ذہبی آپ کو شیخ الاسلام اور الحافظ لکھتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ آپ اس قابل تھے کہ آپ کو خلیفہ وقت بنایا جائے۔[1]

حافظ ابن کثیر آپ کو الامام الجلیل علامۃ الوقت اور فقیہ امام اہل الشام لکھتے ہیں[2]

حافظ ابن حجر آپ کو الفقیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں[3]

امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی سے دین اور فقہ کا بڑا ذخیرہ منقول ہے۔ آپ اہل شام کا مرجع اور مفتی اعظم تھے۔ مدتوں اہل شام میں آپ کی تقلید اور پیروی کی جاتی رہی ہے

امام عبیداللہ بن عبدالکریم فرماتے ہیں کہ میں نے اوزاعی سے بڑا عاقل، متقی، عالم، فصیح باوقار، حلیم اور خاموش طبع دوسرا کوئی نہیں دیکھا۔ سفیان بن عیینہ آپ کو امام اہل زمانہ کہتے تھے ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ کثیر الحدیث والعلم والفقہ تھے۔[4]

ابن مہدی کا بیان ہے کہ حدیث کے مرکزی امام چار ہیں جن میں امام اوزاعی بھی شامل ہیں اور فرماتے ہیں کہ اہل شام میں ان سے بڑا سنّت کا کوئی عالم نہ تھا

ما کان اھل الشام اعلم بالسنۃ منہ۔[5]

امام ابواسحٰق فزاری کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کے لیے خلیفہ انتخاب کرنے کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعی کا انتخاب کروں گا[6]

اہل شام کے ساتھ ساتھ اہل اندلس میں بھی ایک عرصہ تک آپ کی تقلید جاری رہی ہے۔[7]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۵ ۲ البدایہ جلد ۱۰ ص ۱۱۵ ۳ تہذیب جلد ۶ ص ۲۳۸ ۴ ایضاً جلد ۶ ص ۲۴۰
۵ ایضاً ۶ ایضاً تذکرہ جلد ۱ ص ۱۵۵ ۷ البدایہ جلد ۱۰ ص ۱۱۵

ابوعبدالملک القرطبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حکم بن ہشام (۲۵۶ھ) کے زمانہ میں اندلس میں آپ کی رائے پر فتوے دیا جاتا تھا۔[۱]

آپ بھی ائمہ اربعہ کی طرح اس وقت کے امام متبوع رہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ کا اصل فن کتاب و سنّت اور اس سے استنباط کردہ فقہ تھا۔[۲]

آپ کو حضرت امام ابوحنیفہ رح کا تعارف حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) سے ہوا آپ فنِ حدیث کی تکمیل کے لیے شام گئے تو امام اوزاعی نے ان سے پوچھا۔ یہ ابوحنیفہ کون ہیں جو دین میں نئی باتیں پیدا کرتے ہیں؟ کچھ دن بعد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ان کے پاس گئے تو کچھ اجزاء و اوراق ساتھ لیتے گئے۔ سرنامہ پر لکھا تھا:-

قال نعمان بن ثابت۔

آپ نے پُوچھا یہ نعمان کون بزرگ ہیں؟ آپ نے کہا:-

عراق کے ایک شیخ ہیں جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا۔ بڑے پایہ کا شخص ہے حضرت عبداللہ ابن المبارک نے عرض کی یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتاتے تھے۔[۳]

امام اوزاعی نے اپنی غلطی پر ندامت و افسوس کا اظہار فرمایا۔ پھر ایسا ہوا کہ حج کے موقعہ پر امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہو گئی۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی کے سامنے مسائل کی اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد امام اوزاعی نے عبداللہ بن مبارک سے کہا:-

اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے۔ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں بلاشبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا میں افسوس کرتا ہوں۔[۴]

کاش کہ زبان دراز اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) حضرات اس سے عبرت پکڑیں۔ اور

---

[۱] تہذیب جلد ۶ صد ۲۴۲ [۲] تذکرہ جلد ا صد ۱۵۵ [۳] مختصر تاریخ بغداد سیرۃ النعمان صد ۴۳ [۴] ایضاً

حضرت امام کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سے بچیں۔

امام اوزاعیؒ باوجودیکہ امام ابوحنیفہؒ سے چھوٹے تھے آپ نے ان سے روایۃ الاکابر عن الاصاغر کے طور پر روایت بھی لی ہے۔ حضرت امام نے اس طرح امام مالک سے بھی روایت لی ہے۔ حضرت امام بخاری نے اس طرح اپنے شاگرد امام ترمذی سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔

امام اوزاعی امام ابوحنیفہ کے علم وفضل اور عمق فقہ کے بہت معترف تھے آپ حضرت امام کے بارے میں فرماتے ہیں :-

هو من اعلم الناس بمعضلات المسائل۔ [۱]

ترجمہ۔ پیچیدہ مسائل کے جاننے والوں میں سے وہ ایک تھے

آپ چاہیں گے کہ امام اوزاعی کے ایک مسئلے پر آپ کی نظر بھی ہو جائے۔ تاکہ آپ اس میں ان کے ساتھ چل سکیں تو لیجئے مثال کے طور پر ایک مسئلہ پیش خدمت ہے۔

(۱) قرأت خلف الامام کے مسئلے میں امام اوزاعی کی یہ تحقیق تھی کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب نہیں۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ ھ) لکھتے ہیں :-

وهذا مالك فی اهل الحجاز وهذا الثوری فی اهل العراق وهذا الاوزاعی فی اهل الشام ... ماقالوا الرجل صلی وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلاته باطلة ولانها قرأة لا تجب علی المسبوق فلم تجب علی غيره كالمورة فاما حديث عبادة بن الصامت فهو محمول علی غير الماموم ..... الخ [۲]

ترجمہ۔ یہ اہل حجاز میں امام مالک ہیں اہل عراق میں امام ثوری ہیں اہل شام میں اوزاعی ہیں ان میں سے کوئی نہیں کہتا کہ کسی شخص نے نماز پڑھی اور

---

[۱] مناقب کردری جلد ا صفحہ ۹ تبییض الصحیفہ للسیوطی صفحہ ۲۸

اس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس کی یہ نماز باطل ہے (استغفراللہ) اور یہ اس لیے بھی کہ قرأت مسبوق پر واجب نہیں تو کسی دوسرے پر یہ کیسے واجب کی جا سکتی ہے۔ ہاں حضرت عبادہ بن الصامت کی جو حدیث ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب غیر ماموم پر محمول ہے مقتدی کے لیے نہیں ہے یعنی جو منفرد ہو اس کی نماز سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر درست نہیں ہوتی۔

⑦ حضرت امام زفر بن الہذیل العنبریؒ (۱۵۸ھ)

حضرت امام زفر بن الہذیلؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بلند پایہ شاگرد تھے بیس سال کے قریب حضرت الامام کے ساتھ رہے جس طرح حضرت الامام کے کمالات میں ان کا سب سے بڑا کمال آپ کی زبردست قوتِ استدلال اور ملکۂ استنباط و استخراج ہے آپ کے شاگردوں میں سے کسی میں یہ شانِ تفقہ اور صحت قیاس منتقل ہوئی تو وہ امام زفر ہیں۔ امام ابویوسفؒ حدیث میں آگے تھے، امام محمدؒ علوم قرآن اور عربیت میں۔ اور امام زفرؒ فقہ میں سب پر سبقت لے گئے۔ حضرت الامام کی وفات کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا اور آپ کی تالیفات دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں، ورنہ حضرت الامام کا مذہب انہی کے نام سے آگے چلتا۔

حضرت علامہ ذہبی حضرت امام کے حلقہ درس کے کبار علماء کا ذکر کرتے سب سے پہلے امام زفر کا نام لیتے ہیں پھر امام ابویوسفؒ کا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

تفقہ به جماعة من الکبار منهم زفر بن الهذیل وابو یوسف القاضی الخ[1]

ترجمہ: حضرت الامام سے کبار علماء کی جماعت نے فقہ حاصل کی ان میں سے زفر بن ہذیلؒ اور ابو یوسف قاضی ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حکومت کی طرف سے عہدۂ قضا کی پیش کش قبول نہ کی تو دوسرے نمبر پر امام زفر کو یہ پیش کش کی گئی تھی، تاہم آپ نے بھی اس کو مسترد کر دیا اور اس کے نتیجے میں آپ کو روپوش ہونا پڑا۔ تیسرے نمبر پر یہ پیشکش امام ابویوسف کو ہوئی۔ آپ وسیع مجتہدانہ شان رکھتے تھے، آپ نے یہ پیش کش قبول فرمالی۔ اس سے بھی حضرت امام زفرؒ کے علمی مقام کی زبردست قوی شہادت ملتی ہے۔ تاہم امام زفر امام ابویوسف کی بڑی قدر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابویوسف اس وقت کے سب سے بڑے فقیہ ہیں حضرت امام محمدؒ

---

[1] مناقب للذہبی صـ۱۲

جامع کبیر میں جہاں جہاں حضرت امام کے اقوال لاتے ہیں وہاں امام زفر اور امام ابو یوسف کے اقوال بھی لائے ہیں اور ان پر بحث کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ امام زفر کو اپنے سے آگے کا درجہ دیتے تھے۔ جزاھم اللہ کلھم احسن الجزاء

حضرت امام زفر عربی النسل تھے۔ اصفہان میں پیدا ہوئے شروع میں آپ پر حدیث کا غلبہ تھا۔ علامہ نووی نقل کرتے ہیں۔

کان من اصحاب الحدیث۔[1]

ترجمہ۔ آپ محدثین میں سے تھے۔

امام یحییٰ بن معین آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

صاحب الرای ثقۃ مامون۔[2]

ترجمہ۔ مجتہد ثقہ اور فن حدیث میں مامون تھے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ ابن حبان نے آپ کو ثقات میں شمار کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ آپ متقن حافظ حدیث تھے۔[3]

حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں۔

آپ صاحب عقل صاحب دین اور صاحب ورع تھے اور رواۃ حدیث میں ثقہ تھے۔[4]

حضرت امام زفر نے امام اعمش (۱۴۸ھ) امام یحییٰ بن سعید الانصاری (۱۴۳ھ) امام سعید بن ابی عروبہ (۱۵۶ھ) اور ایوب سختیانی (۱۳۱ھ) سے حدیث پڑھی۔ امام وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) حضرت امام زفر کے آخری دنوں میں صبح شام آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

حضرت امام زفر کی روایت حدیث اور امام سفیان ثوری کی روایت حدیث میں عجیب توارد ملتا ہے۔ آپ نے تو حدیث کی کوئی بڑی کتاب مرتب نہ کی لیکن امام سفیان ثوری نے

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات ص [2] مفتاح السعادۃ طاش کبری ص۱۱۲ [3] لسان المیزان ص۴۷۶ ج۲ [4] الانتقاء ص

حدیث پر جامع سفیان مرتب کی۔ اسے امام زفر نے بصرہ میں دیکھا تو انہیں یہ سب اپنی مرویات نظر آئیں اور اس توارد سے بہت حیران ہوئے۔ آپ نے فرمایا:۔

هذا کلامنا ینسب الی غیرنا ؎۱

ترجمہ۔ یہ باتیں تو ہماری ہیں لیکن نسبت ان کی اور طرف ہے۔

حضرت امام زفر نے امام ابوحنیفہ سے صرف فقہ نہیں حدیث بھی روایت کی ہے حضرت امام کی کتاب الآثار جس طرح دوسرے تلامذہ نے آپ سے روایت کی ہے آپ نے بھی حضرت امام صاحب سے وہ روایات نقل کی ہیں۔ حافظ سمعانی کتاب الانساب میں ایک جگہ احمد بن بکر بن یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

یروی عن ابی وهب محمد بن مزاحم المروزی عن زفر عن ابی حنیفة کتاب الآثار۔ ؎۲

امام طبرانی المعجم الصغیر میں ایک سند اس طرح لائے ہیں:۔

حدثنا احمد بن رسته بن عمر الاصفهانی حدثنا المغیرة الحکم بن ایوب عن زفر بن الهذیل عن ابی حنیفة ؎۳

ناسخ و منسوخ کے ابواب میں آپ اپنے زمانے کے امام سمجھے جاتے تھے۔ حافظ ابو نعیم کہتے ہیں میں حدیثیں امام زفر کے سامنے پیش کیا کرتا تھا اور آپ ان میں سے ناسخ و منسوخ کی نشاندہی کرتے جاتے۔ حدیث کی یہ بالغ نظری بہت کم محدثین کو حاصل ہوتی ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

کنت اعرض الاحادیث علی زفر فیقول هذا ناسخ و هذا منسوخ و هذا یؤخذ به و هذا یرفض ؎۴

اس سے پہلے آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں:۔

؎۱ الجواہر المضیئہ جلد ۱ صـ ؎۲ ایضاً صـ ۶۲ ؎۳ المعجم الصغیر للطبرانی صـ ۳۳ ؎۴ سیر اعلام النبلاء صـ ۳۸/۸

هومن بحور العلم واذكياء الوقت تفقه بابي حنيفة وهواكبر

تلامذته . كان يدرى الحديث ويتقنه.[1]

ترجمہ۔ آپ علم کا سمندر اور وقت کے نہایت ذہین تھے۔ آپ نے فقہ امام ابو حنیفہ رح سے حاصل کی۔ آپ حدیث کو جانتے تھے اور اس میں پختگی رکھتے تھے۔

ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے

محمد بن وہب کہتے ہیں کہ آپ اصلاً تو اصحاب الحدیث میں سے تھے لیکن ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے حضرت امام کے پاس آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ حضرت امام نے آپ کے ذوقِ قیاس اور عمق استدلال کو ایسا چمکایا کہ پھر آپ اس حلقے کے بھی سردار بن گئے۔ آپ کے دس چوٹی کے شاگردوں میں جو تدوینِ فقہ میں آپ کے ساتھ رہے آپ کا نام بھی آتا ہے۔ بلکہ کتاب السیر کا املاء کرنے والے بھی آپ ہی تھے۔

کان اصحاب ابي حنيفة الذين دونوا الكتب اربعين رجلاً كان في العشرة المتقدمين ابو يوسف و زفر.[2]

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہ رح کے جن شاگردوں نے کتب فقہ کی تدوین کی وہ چالیس تھے ان میں سے دس چوٹی کے شاگردوں میں امام ابو یوسف رح اور امام زفر رح تھے۔

حضرت امام آپ کو امام من ائمۃ المسلمین کہتے تھے۔ آپ کو دین کے نشانوں میں سے ایک نشان سمجھتے۔ فضل بن دکین (۲۱۹ ھ) نے آپ کے اعلیٰ فقہی مقام کا اعتراف فرمایا ہے۔ امام ابو بکر محمد بن جعفر الہندلی (۱۹۳ ھ) کی علمی شخصیت سے کون واقف نہیں۔ آپ بیس سال

---

[1] سیر اعلام النبلاء ص ۳۸ [2] الجواہر المضیئہ جلد ۲ ص ۲۱۱

امام شعبہ کی مجلس میں رہے۔ امام سفیان ثوری اور امام سفیان بن عیینہ سے بھی حدیث روایت کی اور آپ سے امام احمد۔ امام یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور اسحٰق بن راہویہ جیسے اکابر محدثین نے روایت لی ہے۔ امام وکیع آپ کے مجموعہ کتب کو الصحیح الکتاب کہتے تھے۔ حافظ ابن حجر آپ کی علمی منزلت بیان کرتے ہوئے آپ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

کان فقیہ البدن وکان ینظر فی فقہ زفر[1]

ترجمہ۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر سراپا فقہ تھے اور امام زفر کی فقہ کی کتابیں دیکھتے رہتے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ان دنوں ائمہ اعلام امام ابوحنیفہ کی فقہ کے طالب ہوتے تھے اس انداز میں کوئی دوسری فقہ جو ان دنوں مرجع خلائق تھی وہ فقہ امام زفر تھی اور بڑے بڑے ائمہ فن اور رجال علم امام زفر کی کتابوں سے علم کی راہیں دیکھتے رہتے۔

مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی بھی آپ سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ آپ زفر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں کو پہنچے۔ چنانچہ ان میں امام ابویوسف قاضی القضاۃ اور امام محمد اور امام عبداللہ بن مبارک اور امام زفر وغیرہم جلیل الشان امام اور آپ کے علمی کمالات کے نمونے ہیں[2]

حضرت علامہ کوثری نے حضرت زفر کے حالات پر ایک جامع کتاب لمعات النظر فی سیرت الامام زفر تالیف کی ہے جو قابل دید ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۹۵ [2] احکام المرام باحیاء مآثر علماء اسلام ص۵۸

⑤ امام سفیان بن سعید الثوریؒ (۱۶۱ھ)

حضرت امام سفیان الثوری کوفہ کے رہنے والے تھے خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ ائمہ مسلمین میں سے تھے اور بہت بڑے امام تھے اور اعلام دین کے بہت بڑے علم تھے ان کی امامت پر سب کا اتفاق ہے۔[1]

علامہ ذہبی نے آپ کو الامام شیخ الاسلام سید الحفاظ الفقیہ لکھا ہے[2]

امام شعبہ، امام یحییٰ بن معین، حافظ ابن حجر اور محدثین کی ایک کثیر جماعت آپ کو فن حدیث میں امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں۔[3]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سفیان احد ائمۃ الاسلام اور عابد و متقدیٰ اور احد التابعین تھے۔[4]

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث سنی ہیں جن میں سے سفیان سے افضل کسی کو نہ پایا امام اوزاعی کا کہنا ہے کہ سفیان الثوری کے سوا اس سرزمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس پر تمام امت متفق ہو۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ آپ کے مقلد پانچویں صدی کے بعد تک پائے جاتے رہے[5]

نواب صدیق حسن خاں بھی لکھتے ہیں:۔

امام سفیان الثوری از اصحاب مذاہب متبوعہ بود محدث جلیل و عارف نبیل علم را با سلوک یکجا داشت۔[6]

امام نسائی فرماتے ہیں کہ ان کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ ان کو ثقہ کہا جائے آپ تو ان ائمہ میں سے ایک تھے جن کے بارے میں اُمید کرتا ہوں کہ خدا نے ان کو متقین کا امام بنایا ہے

---

[1] تہذیب جلد ۴ صـ۱۱۱ [2] تذکرہ جلد ۱ صـ۱۹۰ [3] تہذیب جلد ۴ صـ۱۱۱ [4] البدایہ جلد ۱۰ صـ۱۳۴
[5] تدریب الراوی صـ۳۶ [6] تقصار صـ۱۷

وقال النسائی ھو اجل من ان یقال فیه ثقة وھو احد الائمة الذین
ارجوا ان یکون ممن جعله اللہ للمتقین اماما[1]

کوفہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کی آمد کے باعث علم کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ گو کہ حضرت امام ابو حنیفہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جانشین ہوئے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اختلاف ائمہ میں اہل کوفہ کے الفاظ ان کو بھی شامل سمجھے جاتے ہیں۔
خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں :۔

سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنة والاوزاعی امام
فی السنة ولیس بامام فی الحدیث ومالک بن انس امام فی جمیعھما[2]

آپ نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا تھا جس کا نام جامع سفیان الثوری تھا۔ یہ مجموعہ آپ نے کوفہ میں تحریر کیا تھا فتح الباری وغیرہ میں جامع سفیان الثوری کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے[3]

عن ثابت الزاھد قال کان اذا اشکل علی الثوری مسئلة قال ما یحسن
جوابھا الا من حسدناہ ثم یسال عن اصحابه ویقول ما قال فیه
صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی به[4]

ثابت زاہد جو کہ امام سفیان الثوری کے تلامذہ اور امام بخاری اور امام ترمذی کے اساتذہ میں ہیں کہتے ہیں کہ جب امام سفیان الثوری کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے کہ اس کا جواب بہتر طور پر وہی دے سکتا ہے جس پر ہم لوگ (یعنی تم لوگ) حسد کرتے ہیں یعنی امام ابوحنیفہ پھر امام ابوحنیفہ کے تلامذہ سے پوچھتے کہ بتلاؤ تمہارے استاد اس بارے میں کیا فرماتے ہیں اور پھر اس کو یاد رکھتے اور اسی کے مطابق فتوے دیتے تھے

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حدیث کا عالم فقط وہی نہیں جسے کہ حدیث کے الفاظ زیادہ یاد ہوں بلکہ حدیث کا اصل عالم اور امام وہی ہے جو حدیث کے معانی اور اس کے حقائق و دقائق

---

[1] تہذیب جلد ۴ ص۱۱۴ [2] الاکمال ص۶۲۸ [3] دیکھئے فتح الباری کتاب الجہاد ص۵۲ [4] کتاب المناقب ص۲۴۳

کو بخوبی سمجھتا ہو اور حدیث کی حفاظت و خدمت کا جذبہ رکھتا ہو۔ امام ابو حنیفہ حدیث کے اس قدر قائل تھے کہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے۔ آپ فرماتے ہیں۔

الحدیث الضعیف احب الی من رای الرجال۔

ان کا مشہور قول ہے کوفہ کے محدثین حدیث کے بغیر فقیہ بننا جرم سمجھتے تھے۔

وکان سفیان الثوری وابن عیینۃ وعبداللہ بن سنان یقولون لوکان احدنا قاضیاً لضربنا بالجرید فقیھاً لا یتعلم الحدیث ومحدثاً لا یتعلم الفقہ۔[1]

ترجمہ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن سنان کہا کرتے تھے کہ اگر ہم میں سے کوئی قاضی ہو جائے تو دو شخصوں کو ضرور کوڑے لگائیں ایک وہ کہ جو فقہ سیکھتا ہو اور حدیث کا علم نہ حاصل کرتا ہو اور ایک وہ جو حدیث پڑھتا ہو مگر فقہ حاصل نہ کرتا ہو۔

ابتداء میں آپ کو حضرت امام ابو حنیفہ سے کچھ غلط فہمی تھی مگر پھر آپ حضرت امام کے بجید مداح ہو گئے تھے اور اپنی سابقہ باتوں پر افسوس کرتے تھے۔ بلکہ آپ اس پر بھی نادم تھے۔ اور استغفار کیا کرتے تھے کہ آپ سے دوسرے بے انصاف معاندین امام صاحب کے مقابلہ میں امام صاحب کی جانب سے جس قدر مدافعت کا حق تھا وہ ادا نہ ہو سکا۔[2]

آپ حضرت امام ابو حنیفہ کے علم و فضل کے معترف تھے۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے سنا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

کان ابوحنیفۃ شدید الاخذ للعلم ذاباً عن حرم اللہ ان تستحل یاخذ بما صح من الاحادیث التی کانت یحملھا الثقات وبالاٰخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم وبما ادرک علیہ علماء الکوفۃ ثم شنع علیہ قوم یغفر اللہ لنا ولھم۔[3]

---

[1] لواقح الانوار ص۳۶ [2] تذکرۃ المحدثین جلد اص۲۱ [3] الانتقاء ص۱۴۲ لابن عبدالبر مالکی

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہ علم کے سخت اخاذ تھے۔ اللہ کی حرمتوں کو توڑا جائے اس کے اسے بچانے والے تھے۔ ان احادیث کو لیتے جنہیں ثقہ راوی روایت کرتے آئے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کے لینے والے تھے اور اس موقف کے پابند رہے جس پر آپ نے علماء کوفہ کو مجتمع دیکھا پھر ایسے لوگ بھی اُٹھے ہیں جو اُن کی بُرائیاں کرتے ہیں۔ اللہم سب کو معاف فرمائے

آپ اُوپر پڑھ آئے ہیں کہ حضرت امام ابوسفیان حدیث کے بہت بڑے امام تھے مگر اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ کوفی ہونے کے سلسلہ میں آپ حتی الوسع حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مکتب فکر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ قرأت خلف الامام اور مسئلہ رفع الیدین میں آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ساتھ ہی رہے۔

○ حافظ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ ھ) لکھتے ہیں :-

وجملة ذلك ان القرأة غير واجبة على المأموم فيما جهر به الامام و لا فيما اسر به نص عليه احمد فى رواية الجماعة و بذلك قال الزهرى والثورى وابن عيينه ومالك وابوحنيفه الخ [1]

ترجمہ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت (فاتحہ اور ما زاد علی الفاتحہ) واجب نہیں جب امام جہر کر رہا ہو اور نہ اس وقت جب نماز سری ہو اس پر امام احمد نے اور محدثین کی ایک جماعت نے نص فرمائی ہے۔ زہری، ثوری، سفیان بن عیینہ، مالک اور ابوحنیفہ سب یہی کہتے ہیں۔

امام شمس الدین ابن قدامہ (۶۸۲ ھ) لکھتے ہیں :-

ولا تجب القرأة على المأموم هذا قول اكثر اهل العلم وممن كان لا يرى القرأة خلف الامام علىؓ وابن عباسؓ وابن مسعودؓ و ابى سعيدؓ

---

[1] المغنی لابن قدامہ جلد ۱ ص ۵۶۸

زیدبن ثابت وعقبۃ بن عامر وجابر وابن عمر وحذیفۃ بن الیمان وبہ یقول الثوری۔ الخ[1]

ترجمہ مقتدی پر امام کے پیچھے قرأت واجب نہیں اکثر اہل العلم کا یہی فیصلہ ہے اور جو حضرات قرأت خلف الامام کو جائز نہ سمجھتے رہے ان میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، عقبہ بن عامرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ معروف ہیں اور امام سفیان ثوریؒ کا فیصلہ بھی یہی تھا۔

(۲) امام کے پیچھے آمین کس طرح کہی جائے اس میں بھی آپ اور حضرت امام ابوحنیفہ ایک ہیں۔ علامہ ابن حزم شرح مؤطا میں لکھتے ہیں:۔

ان سفیان الثوری وابا حنیفۃ یقولان ان الامام یقولہا سرًّا وذھبوا الی تقلید عمر بن الخطاب وابن مسعود۔[2]

ترجمہ۔ امام سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ دونوں کہتے ہیں کہ امام آمین بالجہر نہ کہے سرًّا کہے اور اس میں ان حضرات نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی تقلید کی ہے۔

(۳) مسئلہ رفع الیدین عند الرکوع کو بھی لیجئے آپ اس کے بھی قائل نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی روایت کو آپ نے اس لیے عمل کے لیے نہ اپنایا کہ اس کے راوی حضرت ابن عمرؓ کا خود اس پر عمل نہ تھا۔ حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ترک رفع الیدین عند الرکوع کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفۃ۔[3]

---

[1] شرح مقنع جلد ۲ صلا مصری [2] المحلی جلد ۳ ص۲۶۴ [3] جامع ترمذی جلد ۱ ص۳۵

ترجمہ۔ یہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنا یہ ایک صحابی کا نہیں غیر واحد من اہل العلم صحابہ و تابعین کا فیصلہ ہے یہی امام سفیان الثوری کی رائے ہے اور یہی اہل کوفہ کا پورے علاقہ کا فیصلہ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ سفیان الثوری اپنے اجتہاد میں مجھ سے زیادہ امام ابو حنیفہ کی متابعت کرتے ہیں مگر چونکہ ان کی درسگاہ دوسری تھی اس لیے ان کے مسائل فقہ حنفی میں نہ آسکے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے مسائل حضرت امام کے بہت قریب تھے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں:۔

سفیان الثوری اکثر متابعة لابی حنیفة منی۔[1]

ترجمہ۔ سفیان الثوری مجھ سے زیادہ امام ابو حنیفہ کی متابعت میں چلتے ہیں

حضرت امام کے شاگرد علی بن المسہر (۱۸۹ھ) موصل کے قاضی تھے۔ حضرت امام کی کتابوں کو یہ لے جا کر امام سفیان الثوری کو دکھاتے تھے۔

چنانچہ حضرت امام زفر (۱۵۸ھ) نے جب جامع سفیان ثوری کو دیکھا تو فرمایا یہ ہمارا علم ہے جو اوروں کے ناموں سے شہرت پا رہا ہے۔

---

[1] الجواہر المضیئہ جلد ۲ صہ

⑥ امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ)

حضرت امام لیث بن سعد مصری اصلاً اصفہان کے باشندے تھے مگر پھر مصر کو اپنا وطن بنالیا اور وہاں کے بلند پایہ عالم اور محدث کے طور پر شہرت پائی۔ آپ حضرت عطا بن ابی رباح (۱۱۴ھ) امام نافع (۱۱۷ھ) امام زہری (۱۲۴ھ) وغیرہ سے حدیث پڑھی۔ آپ کے اساتذہ حدیث میں سعید مقبری۔ ابوزبیر مکی۔ ابن ابی ملیکہ۔ جعفر بن ربیعہ اور یزید بن حبیب بھی معروف محدثین ہیں۔ مصری حکومت پر آپ کے زبردست اثرات تھے

حضرت امام احمد آپ کو کثیر العلم اور صحیح الحدیث کہتے ہیں۔[1]

علامہ ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے مفتی تھے اور کثیر الحدیث ہیں۔

کان قد اشتغل بالفتویٰ فی زمانہ وکان ثقۃ کثیر الحدیث۔[2]

ابن وہب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے لیث سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔[3]

حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ لیث امام مالک سے زیادہ احادیث و آثار کا اتباع کرتے تھے۔

قال حرملۃ سمعت الشافعی یقول اللیث اتبع للاثر من مالک۔[4]

ابو یعلیٰ خلیلی آپ کو اپنے وقت کے مسلّم امام کہتے ہیں۔

کان امام وقتہ بلا مدافعۃ۔[5]

امام نووی امام لیث کی مہارت فقہ پر علماء کا اجماع نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کمال تفقہ کی وجہ سے آپ اپنے زمانہ میں مصر میں مفتی اعظم کے مرتبہ پر فائز تھے۔[6]

علامہ ذہبی آپ کو الامام الحافظ اور علماء مصر کے شیخ و رئیس کہتے ہیں۔[7]

حافظ ابن کثیر آپ کو امام فی الفقہ والحدیث والعربیہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔[8]

---

[1] تہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۶۱ [2] ایضاً [3] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۳۸ [4] تہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۶۳ [5] ایضاً صفحہ ۴۶۵
[6] تہذیب الاسماء للنووی جلد ۱ صفحہ ۷۳ [7] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۷ [8] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۶

یحییٰ بن بکیر آپ کو سراپا فقیہ کہتے ہیں۔ کان فقیہ البدن۔ [1]

حضرت امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ امام لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے مگر افسوس کہ ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کردیا۔

حافظ ابن حجر نے الرحمۃ الغیثیہ فی الترجمۃ اللیثیہ میں اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ ان کے شاگردوں نے مدون کی، امام لیث کے تلامذہ نے آپ کے مذہب کی نشر و اشاعت نہیں کی۔ یحییٰ بن بکیر بھی یہی کہتے ہیں:

اللیث افقہ من مالک ولکن کانت الحظوۃ لمالک [2]

آپ علم کے اس اونچے مقام پر تھے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک کے ستر مسائل ایسے شمار کیے جنہیں خلاف سنت پایا، چنانچہ میں نے امام مالک کو ان کے بارے میں لکھ کر بھیج دیا۔ [3]
آپ کے مسائل فقہ حنفی کے بہت قریب ہیں اور یہ فقہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر (شخصی قیود کی شکل میں نہیں بلکہ شورائی سطح پر) مرتب ہو رہی تھی۔ اس لیے ممکن ہے کہ آپ نے اس وجہ سے اپنے مذہب کی علیحدہ ترتیب پسند نہ فرمائی ہو یا آپ کے شاگردوں نے اس طرف توجہ نہ دی ہو۔ قاضی ابن خلکان نے آپ کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ آپ عملاً حنفی المذہب تھے۔ [4]
اسی طرح اکثر عالم آپ کو حنفی ہی لکھتے ہیں۔ شارح بخاری شیخ الاسلام قاضی زکریا انصاری نے شرح بخاری میں اس پر جزم کیا ہے اور حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ امام اعظم کے عملاً تلمیذ ہیں۔ آپ اکثر حضرت امام کی خبر سنتے کہ حج کے لیے آرہے ہیں تو یہ بھی حج کے لیے مکہ مکرمہ پہنچتے اور حضرت امام سے مختلف ابواب کے مسائل دریافت فرماتے اور حضرت امام کی اصابت رائے اور سرعت جواب پر حیرت کیا کرتے تھے۔ [5]

---

[1] تہذیب جلد ۸ صـ۴۶۳ [2] ایضاً [3] جامع بیان العلم جلد ۲ صـ۱۴۸ [4] الجواہر المضیئہ جلد ۱ صـ۴۱۶
[5] دیکھیے تذکرہ محدثین جلد ۱ صـ۲۱۲

شارح بخاری حضرت علامہ شہاب الدین قسطلانی (۹۲۳ھ) آپ کو حنفی لکھتے ہیں۔
آپ کے حنفی المذہب ہونے کی نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے بھی شہادت دی ہے۔
وے حنفی مذہب بود و قضائے مصر داشت [۱]
ترجمہ: آپ (عملاً) حنفی طریق پر تھے اور مصر کے بڑے قاضی تھے۔
آپ کا امام ابوحنیفہ سے فکر و نظر کا توارد بتلا رہا ہے کہ باوجودیکہ آپ خود امام مجتہد تھے (جیساکہ امام شافعی کی شہادت سے پتہ چلتا ہے۔ دنیائے علم نے آپ کو حنفی سمجھا۔ یہ فقہ حنفی کی مقبولیت اور اس کی ایک اور جہت تصویب ہے۔
امام لیث جب عراق آئے تو خلیفہ بغداد نے اپنے وزیر یعقوب سے کہا کہ اس شیخ کی مجلس لازم پکڑلو۔ میرے علم کے مطابق یہی اس وقت کا سب سے بڑا عالم ہے۔
حضرت امام لیث قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ حافظ ابن قدامہ لکھتے ہیں آپ کا مسلک ترک القرأۃ خلف الامام کا تھا۔

وھذا اللیث فی اھل مصر [۲]

علامہ ابن عبدالبر مالکی نے استذکار میں بھی آپ کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔[۳]
شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ بھی کہتے ہیں کہ آپ قرأت خلف الامام کو واجب نہ جانتے تھے[۴]

---

[۱] اتحاف النبلاء المتقین ص۲۳۷ [۲] المغنی جلد۱ ص۵۶۳ [۳] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۲ ص۱۴۲

⑦ حضرت امام مالک بن انسؒ (۱۷۹ھ)

حضرت امام مالک امام دار الہجرۃ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ میں انہی کا فتوے چلتا تھا اور لوگ ان کی بات پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ آپ تبع تابعین سے ہیں آپ کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد نو سو کے قریب بتلائی جاتی ہے جن میں سے تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے۔[۱]

علامہ ذہبی آپ کو امام دار الہجرہ۔ شیخ الاسلام۔ بلند پایہ حافظ حدیث اور امامت مسلمہ کے مامور فقیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں[۲]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں فقہ کا لفظ کس عظمت کا حامل تھا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام مالک احد الائمۃ الاربعۃ اصحاب المذاہب المتبوعہ ہیں[۳]

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امت میں کسی فقہی مکتب فکر کا قیام اور پھر اس کی تقلید کا جاری ہونا اور ان مکاتب فکر کا مذاہب متبوعہ کہلانا ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا

حافظ ابن حجر آپ کو الفقیہ احد اعلام الاسلام اور امام دار الہجرۃ لکھتے ہیں[۴]

حضرت امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا اور اچھی پرکھ کرنے والا نہیں دیکھا۔[۵]

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک خدا کی مخلوق پر تابعین کے بعد حجت تھے[۶]

حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ امام مالک احادیث میں ستارے کی طرح ہیں۔

اذا جاء الاثر فمالك النجم[۷]

امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اگر حدیث کے ایک ٹکڑے پر بھی شک پڑ جاتا تو

---

[۱] تہذیب الاسماء ص [۲] تذکرہ جلد ۱ ص ۱۷۵ [۳] البدایہ جلد ۱۰ ص ۱۷۴ [۴] تہذیب جلد ۱۰ ص ۵
[۵] تذکرہ محدثین جلد ۱ ص ۱۲۶ [۶] تہذیب [۷] ایضاً

ثوری کی بندی کی روایت ترک کر دیتے تھے حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ہم تو امام مالک کے آثار کا اتباع کرتے ہیں۔

انما کما نتبع آثار مالك۔[1]

امام احمد اسحٰق بن ابراہیم سے نقل کرتے ہیں کہ اگر امام مالک، امام اوزاعی اور امام ثوری کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہوگا اگرچہ اس میں نص موجود نہ ہو۔[2]

اتنے بڑے بڑے لوگوں کا اپنے بڑوں کی پیروی میں چلنا بتلاتا ہے کہ سلف کی اتباع ہرگز کوئی عیب نہیں۔ یہ ہمیشہ سے اس امت کا سرمایۂ افتخار رہا ہے۔

حضرت امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ایک انسان ہوں میرے قول میں صواب و خطاء دونوں کا احتمال ہے۔ اس لیے میرے اس قول کو جو سنت کے موافق ہو لے لو جو نہ ہو اسے رہنے دو۔ آپ نے فرمایا۔

انما أنا بشر اخطئ واصیب فانظروا فی رایی فما وافق السنة فخذوا به۔[3]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک اپنے شاگردوں کو احادیث کا اتباع کرنے کی بجائے سنت کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے اور آپ نے انہیں ہمیشہ سنت تلاش کرنے کی تاکید کی تھی۔ آپ نے فما وافق السنة کہہ کر بتلا دیا کہ احادیث کی طرف رجوع کرنے کی بجائے سنت کی تلاش کرو۔ حدیث محض ایک ذخیرہ علم ہے اس میں صرف وہ راہ اختیار کرو جو سنت کے درجہ میں آ چکی ہو۔

حضرات محدثین کے ہاں اصح الاسانید میں بحث مشہور رہی ہے۔ امام بخاری سے جب یہ سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

مالك عن نافع عن ابن عمر قال البخاری اصح الاسانید مالك عن نافع عن ابن عمر۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱ صلا [2] تذکرہ جلد ۱ ص۱۹۵ [3] تہذیب ص۹ [4] ایضاً جلد ۱ صلا

حافظ ذہبی نے امام مالک کا تعارف یوں کرایا ہے کہ آپ کی ذات میں وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو کسی دوسرے میں ہرگز جمع نہیں ہوئیں:۔

(۱) اولاً درازی عمر اور علو روایت

(۲) روشن دماغی، فہم و فراست، اور وسعت علم

(۳) آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر محدثین کا اتفاق

(۴) آپ کی دیانت عدالت، اور اتباع سنت پر سب کا اجماع

(۵) فقہ حدیث، فتوے نویسی اور صحت قواعد میں برتری۔[۱]

حضرت امام مالکؒ کے تلامذہ میں امام لیث امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام محمد جیسی ہستیاں اور دوسرے کئی نامور محدثین و فقہاء ہیں۔ آپ کا مسلک اندلس اور مغرب میں بھی پہنچا۔ افریقی ممالک بالخصوص مغربی افریقہ میں زیادہ تر انہیں کے مقلد ہیں[۲]

یہ نہ سمجھئے کہ امام مالک اتنی ہی احادیث کے حافظ تھے جتنی موطا میں لکھی ہیں۔ نہیں آپ خود فرماتے ہیں:۔

کتبت بیدی مائۃ الف حدیث۔[۳]

ترجمہ میں نے اپنے ہاتھ سے لاکھ حدیثیں لکھی ہیں

عن ابن الھیاب ان الامام مالکا روی مائۃ الف حدیث[۴]

ترجمہ۔ بے شک امام مالکؒ نے ایک لاکھ احادیث روایت کی ہیں

حضرت امام مالک اس جلالت علم کے باوجود حضرت امام ابوحنیفہ کے بے حد معتقد تھے امام شافعی نے امام داوردی سے نقل کیا ہے:۔

نظر مالک فی کتب ابی حنیفۃ وانتفاعہ بہا۔[۵]

ترجمہ۔ امام مالک کا امام ابوحنیفہ کی تحریرات میں نظر کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ثابت ہے۔

---

[۱] تذکرہ جلد اص۱۹۷ [۲] بستان المحدثین ص۲۶ [۳] ترتیب المدارک ص۱۲۱ [۴] شرح موطا للزرقانی ص۲ [۵] انتقاء ص۱۴

مذکورہ بالا روایت ابوالعباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی العوام کی کتاب اضافاتِ اخبار ابی حنیفہ سے لی گئی ہے جو مکتبہ ظاہریہ دمشق میں ۱۳۳ میں موجود ہے۔

(۲) امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے داوردی سے دریافت کیا کہ کیا مدینہ میں اس کا کوئی قائل تھا کہ مہر ربع دینار سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ کہا نہیں واللہ مجھے معلوم نہیں کہ امام مالک سے قبل کوئی اس کا قائل ہوا ہو اور میرا خیال ہے امام مالک نے اس کو امام ابوحنیفہ سے لیا ہو گا [۱]

(۳) امام داوردی کہتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا کہ میرے پاس امام ابوحنیفہ کے فقہ کے ستر ہزار مسائل ہیں۔[۲]

یہ روایت علامہ مسعود بن شیبہ نے امام طحاوی کی کتاب اخبار اصحاب الامام سے بھی نقل کی ہے۔

(۴) علامہ قاضی عیاض اوائل مدارک میں امام لیث کی زبانی امام مالک کا یہ جملہ نقل فرماتے ہیں: اے مصری! میں نے اس طرح ابوحنیفہ کی موجودگی میں پسینہ پونچھا تھا انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا ان کا اس پر سکوت میرے لیے سند ہے وہ بڑے فقیہ ہیں اور بہت بڑے امام ہیں۔[۳]

(۵) اسماعیل بن اسحٰق بن محمد کہتے ہیں کہ امام مالک کئی مسائل میں امام ابوحنیفہ کا قول معتبر سمجھتے تھے۔[۴]

(۶) امام مالک کی فقہ اکثر اوقات، امام ابوحنیفہ کی فقہ سے متفق ہو جاتی ہے۔[۵]

(۷) علامہ ضمیری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امام مالک سے پوچھا کہ جس کے پاس دو کپڑے ہوں جن میں ایک بغیر تعیین کے پاک اور دوسرا ناپاک ہو تو نماز

---

[۱] کتاب الامام مند، ص۳۴ [۲] مناقب موفق جلد ۱ ص۱۶ [۳] فتح الملہم جلد ۱ ص۱۷ [۴] مناقب موفق جلد ۲ ص۳۳ بسند صحیح [۵] ایضاً جلد ۲ ص۳۳ من محمد بن عمر

کس میں پڑھے۔ فرمایا کہ تحری کرکے ایک میں پڑھ لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کی رائے تو یہ ہے کہ ہر ایک میں نماز پڑھے۔ تو امام مالک نے فوراً اس سائل کو واپس بلایا اور وہ مسئلہ بتلایا جو امام صاحبؒ کی رائے تھی۔ [1]

حدیث کی خدمت

حدیث کی خدمت میں آپ نے حدیث کی مشہور کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد ستر علماء کے سامنے پیش کیا گیا تو سب نے مؤاطات (موافقت) ظاہر کی۔ اسی لیے اس کا نام مؤطا رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے قول کے مطابق موطا میں ۱۷۰۰ کے قریب روایات ہیں جن میں سے ۶۰۰ مسند اور ۲۰۰ مرسل ہیں۔ بقایا فتاوے صحابہؓ اور اقوال تابعین ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے مؤطا پڑھنے والے حضرات میں امام شافعی، یحییٰ اندلسی اور امام محمد کے اسماء سرفہرست ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ المؤطا۔ مگر یہ بات اس وقت کی ہے جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف نہ ہوئی تھیں۔

ان میں سے کسی کتاب کو اصح الکتب کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان میں کوئی غلطیات نہیں ہے۔ یہ صرف کتاب اللہ کی شان ہے کہ اس میں کوئی غلطیات نہیں۔ اس سے پہلے کوئی کتاب قرآن کی ثانی نہیں۔ امام دارقطنی نے صحیح بخاری کی کئی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور اس پر ایک کتاب تعقبات علی البخاری کے نام سے لکھی ہے۔

موطا امام مالک میں بھی اس طرح کئی فروگذاشتیں موجود ہیں۔ امام مالکؒ نے محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کی روایت میں جو احدی عشرہ کے الفاظ روایت کیے

---

[1] تذکرہ محدثین جلد ا صفحہ ۱۲۸

وہ عبدالرزاق عن داؤد بن قیس عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کی روایت
میں احدی وعشرین ہیں۔[۱]

تاہم مجموعی طور پر موطا واقعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

محدث نے الفاظِ حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام حافظِ حدیث ہوا اور مجتہد نے معانی حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام عالمِ حدیث اور فقیہ ہوا۔ امام مالک میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو نوں خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں کہ احادیث کا ذخیرہ بھی جمع کیا اور فقہ کے امام بھی ٹھہرے۔

اخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک بن انسؓ عن ربیعۃ قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ انزل الیکم الکتاب مفصلا وترک فیہ موضعاً للسنۃ وسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک فیھا موضعاً للرأی[۲]

ترجمہ امام مالک امام ربیعہ سے نقل کرتے ہیں کہ ربیعہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مفصل کتاب نازل فرمائی اور اس میں حدیث کے لیے جگہ چھوڑی اور آنحضرتؐ نے بہت سی باتیں حدیث میں بیان فرمائیں اور قیاس کے لیے جگہ باقی رکھی۔

نقل روایت میں الفاظ مقصود بالذات نہیں مقصود اطاعت اور اتباع شریعت ہے اور یہ مقصد معانی کے سمجھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے مقصود بالذات معنی ہیں الفاظ نہیں الفاظ بالعرض ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ نہ سمجھا جائے کہ امام مالک کو بس یہی احادیث یاد تھیں جو موطا میں ہیں۔ ایسا نہیں۔ شارح موطا زرقانی لکھتے ہیں:۔

جلس للدرس وھو ابن سبعہ عشر عاما وکتب بیدہ الشریفۃ مأۃ الف حدیث ولما دفن اخرج من بیتہ صنادیق من الاحادیث۔[۳]

---

[۱] دیکھیے المصنف لعبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۲۶۰

[۳] مقدمہ اوجز المسالک صفحہ ۱۳

امام ابُوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی اصُولِ حدیث میں موافقت

(۱) دونوں حضرات روایتِ حدیث کے دورِ اول سے تعلق رکھتے ہیں جب حدیث کو اعتماد پر قبول کیا جاتا تھا ہم اُسے دورِ اعتماد سے یاد کرتے ہیں

(۲) دونوں حضرات کے نزدیک مرسل روایت حجت سمجھی گئی ہے اور تابعی کبیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔

(۳) دونوں حضرات کے ہاں زور اعتماد پر ہے اسناد پر نہیں۔ بڑا عالم روایت منقطع بھی نقل کرے تو اس میں ایک وزن ہوتا ہے۔

موطا امام مالک۔ کتاب الآثار للامام محمد، المصنف لعبد الرزاق اور اس دور کی دوسری کتابوں میں آپ کو متصل اسانید بہت کم ملیں گی کیونکہ یہ دورِ اعتماد تھا۔ القائل سند کے بجائے شخصیت دیکھی جاتی تھی کہ کون اسے بیان کر رہا ہے اور اس پر اعتماد کر لیا جاتا تھا۔ حضرت امام مسلم فرماتے ہیں کہ جب اعتقادی فتنوں نے جنم لیا تو پھر اسناد کو اہمیت دی گئی جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسناد نقل روایات کا دوسرا دور ہے۔ پہلا دور وہی تھا جو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا دور تھا۔ دوسرا دور امام شافعی اور امام احمد کا ہے۔ امام مسلم لکھتے ہیں :-

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموالنا رجالکم فینظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم[1]

حضرت امام مالکؒ کے بعض مسائل

(۱) حضرت امام مالک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں :-

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صلا

واما المامو م فالامام يحمل عنه القرأة لاجماعهم على انه اذا ادركه

راكعاً انه يكبر ويركع ولا يقرأ شياءً.[1]

ترجمہ رہا مقتدی تو اس کے پڑھنے کا بوجھ امام نے اٹھالیا ہے کیونکہ فقہاء کا اجماع ہے کہ مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا تو وہ تکبیر کہے اور رکوع میں چلا جائے اور کچھ نہ پڑھے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ آگے چل کر لکھتے ہیں:

وتسقط عن الماموم مع امامه قرأة ام القرآن اذا ادركه راكعاً فركع قبل ان يرفع الامام راسه.[2]

ترجمہ امام کے پیچھے ہونے سے مقتدی سے سورۃ فاتحہ پڑھنی ساقط ہو جاتی ہے جب وہ اسے رکوع میں پالے بشرطیکہ مقتدی نے رکوع اس وقت کیا ہو کہ ابھی امام نے سر نہ اٹھایا ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے سری نمازوں میں بھی آپ سورۂ فاتحہ پڑھنے کو واجب نہ جانتے۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں:۔

امام مالک، سری نمازوں میں بھی وجوب قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔[3]

② مسئلہ آمین میں حضرت امام مالکؒ کا موقف

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنی چاہیئے:۔

قال مالك ويخفى من خلف الامام امين الخ[4]

ترجمہ امام مالک نے کہا وہ لوگ جو امام کے پیچھے ہوں وہ آمین آہستہ کہیں۔

---

[1] کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ [3] دیکھیے تحفۃ الاحوذی جلد ۱ صفحہ ۲۵۴ [4] مدونہ کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۷۱

حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں :۔

فلذا فرغ منها قال اٰمین سرًّا او اسمع نفسه[1]

جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو تو آمین آہستہ کہے یا اس طرح کہے کہ خود سُن پائے اور بس.

③ رفع الیدین عند الرکوع میں امام مالکؒ کا مذہب

حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں رفع الیدین عند الرکوع کی روایت تو درج نہیں کی لیکن رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کی روایت درج کی ہے تاہم آپ کا اپنا عمل اس پر بھی نہ تھا. آپ نہ رکوع جاتے رفع یدین کرتے اور نہ رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے. آپ کے شاگرد ابن القاسم اور ابن وہب دونوں امام مالک کا مذہب ترک رفع الیدین کرتے ہیں.

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) کہتے ہیں :۔

اعتمادهم فی الاحکام والفتوٰی علی ما رواه ابن القاسم عن مالك سواء وافق ما فی الموطا ام لا وقد جمع بعض المغاربة كتابا فيما خالف فيه المالكية نصوص الموطا كالرفع عند الركوع والاعتدال[2]

ترجمہ. مالکیہ کا فقہ اور فتاوے میں اعتماد ان روایات پر ہے جو آپ سے ابن القاسم نے روایت کی ہیں. وہ مؤطا امام مالک کی روایات کے موافق ہوں یا نہ ـــ مراکش کے بعض علماء نے ان روایات کو یکجا بھی کیا ہے جن میں فقہ مالکی نے بعض نصوص مؤطا کی مخالفت کی ہے جیسے مسئلہ رفع یدین وقت رکوع.

آپ کے شاگرد ابن القاسم مدونہ کبریٰ میں لکھتے ہیں :۔

قال مالك لا اعرف رفع اليدين فی شیء من تكبير الصلوٰة لا فی خفض

---

[1] کتاب الکافی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ [2] تعجیل المنفعہ صفحہ ۴

ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلاۃ قال ابن القاسم وکان رفع الیدین عند مالک ضعیفاً [1]

ترجمہ. امام مالک کہتے ہیں نماز میں کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں نہ رکوع کو جاتے نہ اٹھتے سوائے شروع کے رفعیدین کے رفع الیدین کی روایات امام مالک کے نزدیک ضعیف تھیں

سو جس طرح موطا امام محمد میں رفع الیدین عند الرکوع کی روایت کا ہونا امام محمد کے اپنے عمل کی دلیل نہیں موطا امام مالک میں رفع یدین کی روایت کا ہونا امام مالک کے مذہب کی دلیل نہیں یہ روایات ان حضرات نے بطور محدثین روایت کی ہیں بطور مجتہد ان کے فیصلے وہ ہیں جو ان کی کتب فقہ میں ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کے شاگرد ابن القاسم آپ سے رفع الیدین عند الرکوع کو ضعیف بتلاتے ہیں سو حضرت امام مالک کا اپنا عمل ابن عمرؓ کی اس روایت پر نہیں تھا جو موطا میں موجود ہے۔ ابن القاسم کو مالکی فقہ میں وہی مقام حاصل ہے جو حضرت امام محمد کو حنفی مذہب میں ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی نے بھی امام مالک کا یہی مذہب نقل کیا ہے کہ رفع یدین صرف شروع نماز میں کیا جائے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کی رفع یدین نہ کرنے کی احادیث کو ترجیح دی جائے آپ لکھتے ہیں :۔

فمنھم من اقتصر بہ علی الاحرام فقط ترجیحاً لحدیث عبداللہ بن مسعودؓ وحدیث براء بن عازبؓ وھو مذھب مالک لموافقۃ العمل بہ [2]

ترجمہ. فقہاء ایسے بھی ہوئے ہیں جو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے پر اقتصار کرتے ہیں یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازب کی روایت کو ترجیح دینا ہے امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے یہ اس حدیث کے موافق ہے

---

[1] مدونہ کبرٰی جلد ۱ ص ۶۸ [2] بدایۃ المجتہد جلد ۱ ص ۱۴۳

جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازبؓ سے ثابت ہے۔

علامہ ابن رشد کے بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حضرت ابن عمرؓ کی روایت سنت قائمہ کے درجہ میں نہیں کہ اس پر عمل کرتے رفع یدین عندالرکوع شروع کر لیا جائے، اور اس کا وہ وزن نہیں جو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیان کردہ روایت کا ہے۔ امام مالکؒ مؤطا میں ابن عمرؓ کی روایت کو نقل کرنے کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے حضورؐ کا آخری عمل سمجھتے تھے آپ کا مذہب ترکِ رفع کا ہی تھا۔

حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس پر لکھتے ہیں:۔

وھو اشھر الروایات عن مالک۔ [1]

ترجمہ۔ امام مالکؒ کے اپنے مذہب کے بارے جو روایات ہیں ان میں سب سے اشہر رکوع کے وقت اور اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا ہی ہے۔

علامہ ابن دقیق العیدؒ (۷۰۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وھو ابوحنیفۃ لا یریٰ الرفع فی غیر الافتتاح وھو المشھور عند اصحاب مالک والمعمول بہ عند المتاخرین منھم۔ [2]

ترجمہ۔ اور امام ابوحنیفہؒ شروع نماز کے سوا اور کہیں رفع یدین کے قائل نہیں امام مالکؒ کے شاگردوں میں یہی بات زیادہ شہرت رکھتی ہے اور مالکیہ کے تمام متاخرین کے ہاں عمل اسی پر ہے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ قلمرو اسلامی کے دو سب سے معروف صوبے حجاز اور عراق ان دونوں ترکِ رفع یدین پر عمل پیرا تھے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام اہل مدینہ تو نمازوں میں رکوع کے وقت رفع یدین کریں اور آمین بھی زور سے کہیں اور امام دارالہجرۃ نہ یہ رفع کرے اور نہ آمین بالجہر کہے۔

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ [2] احکام الاحکام جلد ۱ صفحہ ۲۲۰

ایک شبہ کا ازالہ

جب امام مالکؒ کا نظریۂ حدیث ہی یہ تھا کہ عمل اہل مدینہ کو سنّتِ قائمہ مانا جائے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ کے دور میں مدینہ شریف میں مسجد نبوی میں رفعیدین عام ہوتا ہو. اس وقت جس طرح تمام اہل کوفہ ترکِ رفع یدین پر متفق تھے. تمام اہلِ مدینہ بھی ترکِ رفعیدین پر جمع تھے اور یہی امام مالکؒ کی اپنی تحقیق تھی.

حافظ ابن حجر شافعیؒ ہونے کے ناطے لکھتے ہیں:-

قال ابن عبد البر لم یرو احد عن مالك ترك الرفع فیهما الا ابن القاسم الذی ناخذ به الرفع لحدیث ابن عمر[1]

ترجمہ. ابن عبدالبر کہتے ہیں امام مالکؒ سے ترک رفع صرف ابن القاسم روایت کرتے ہیں اور کوئی نہیں کرتا ہم رفع کے حامی ہیں کیونکہ حدیث ابن عمرؓ یہی بتلاتی ہے.

حافظ ابن حجرؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ چونکہ مالکی مذہب کی بنا ابن القاسم کی روایت پر ہے اس لیے مالکیوں نے ترکِ رفع اختیار کر رکھا ہے ورنہ امام مالکؒ کے دوسرے شاگرد ترکِ رفعیدین پر متفق نہ تھے.

جواب

حافظ ابن حجرؒ کا حافظ ابن البرؒ سے یہ نقل کرنا درست نہیں کہ امام مالکؒ سے سوائے ابن القاسم کے اور کوئی ترک رفع الیدین کو نقل نہیں کرتا یہ بھی صحیح نہیں کہ ابن عبدالبر خود رفع کے قائل تھے. ابن عبدالبرؒ نے کتاب التمہید میں کھلے طور پر اپنا مذہب ترکِ رفع یدین بیان کیا ہے. حافظ ابن حجرؒ سے ابن عبدالبرؒ کا مذہب نقل کرتے میں یہاں غلطی ہوئی ہے.

علامہ ابن رشدؒ نہایت صراحت کے ساتھ امام مالکؒ کا عمل ترکِ رفع بتلاتے ہیں اور

---

[1] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۸۲

حدیث عبداللہ بن مسعودؓ اور حدیث براء بن عازبؓ کو حدیث ابن عمرؓ پر ترجیح دیتے ہیں۔ پھر علامہ ابن دقیق العید اصحاب مالک اور جملہ متاخرین سے بھی امام مالک کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں امام نووی اس ترک رفع کو امام مالکؒ کی مشہور روایت بتلاتے ہیں مجتہدین کا مذہب ان کی کتب فقہ سے جانا جاتا ہے محض روایات سے نہیں۔ فافہم و تدبر۔ امام وہب بھی امام مالک سے ترک رفع الیدین نقل کرتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ حدیث پر عمل کے بجائے سنت پر عمل کے داعی رہے ہیں اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت تھی۔ ترکت فیکم امرین میں امر ثانی سنت ہے حدیث نہیں۔ امام مالکؒ عمل اہل مدینہ کے ترجمان بھی تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوامًا رکوع کے وقت رفع یدین کیا ہوتا تو مدینہ منورہ میں اس پر عام عمل ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صدی کے اندر اندر علمائے اسلام اتنے عام عمل کو چھوڑ دیں۔ لامحالہ اس کے مقابل کوئی دوسری روایت ہوگی جس نے اہل مدینہ کو اس عمل پر ڈال رکھا تھا۔ حافظ ابن قیم حنبلیؒ کی یہ شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

من اصول مالك اتباع عمل المدینة وان خالف الحدیث۔ [1]

ترجمہ۔ امام مالک کا نظریہ حدیث یہ ہے کہ اہل مدینہ کی سنت قائمہ کو دیکھیں گو وہ ظاہر حدیث کے خلاف ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محض حدیث سے راہ عمل اختیار کرنا درست نہیں۔ ایک حدیث کے مقابل دوسری حدیث ہو سکتی ہے اس لیے لازمًا ایک کو چھوڑنا جائے گا لیکن سنت کی مخالفت کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ یہ اب صرف حدیث نہیں سنت کا درجہ پا چکی اور اصحاب رسول کے عمل نے اس کی توثیق و تصدیق کر دی ہے اب اس کی مخالفت کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔

---

[1] بدائع الفوائد جلد ۴ صفحہ ۳۲

④ طلاق ثلٰثہ میں امام مالکؒ کا مذہب

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی ایک نہیں۔ آپ کی یہ رائے مؤطا امام مالک میں موجود ہے[1]

حضرت امام ترمذیؒ آپ کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ :۔

قال مالک بن انسؓ فی البتۃ ان کان قد دخل بہا فھی ثلاث تطلیقات[2]

ترجمہ۔ امام مالک کہتے ہیں زن مدخولہ بہا کو طلاق بتہ دی جائے تو تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک لفظ البتہ کو بھی تین پر ہی محمول سمجھا جائے گا۔

مشہور مالکی مجتہد علامہ محمد بن احمد المعروف بابن رشد المالکی (۵۶۵ ھ) کہتے ہیں کہ :۔

اکناف و اطراف اور شہروں کے مشہور فقہاء کہتے ہیں کہ ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس کے بعد عورت اس مرد کے لیے حرام ہو جائے گی جیسی تیسری طلاق کے بعد حرام ہو جاتی ہے۔ اہل ظاہر اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔[3]

یہ گروہ کون سا ہے جو بغیر کسی امام کے گروہ ہے اغلب ہے کہ اس سے شیعہ مراد ہیں۔

علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں :۔

والجمہور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبدالبر الاجماع قائلا ان خلافہ شاذ لایلتفت الیہ[4]

ترجمہ۔ جمہور مالکیہ کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی بلکہ ابن عبدالبر نے اس پر اجماع کیا ہے اس کے الٹ کرنا ایک شاذ عمل کو اپنانا ہے۔ اس کی طرف

---

[1] دیکھیے مؤطا ص۲۰۹ [2] جامع ترمذی جلد ا ص۱۴۲ [3] بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص۶۱ [4] زرقانی شرح المؤطا ج۳ ص۱۶۷

دھیان نہ کرنا چاہیئے۔

امام نووی (۶۷۶ھ) نے شرح مسلم میں امام مالک کا یہی مذہب بتایا ہے۔[1]

علامہ عینی (۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری میں امام مالک کا مسلک یہی بیان کیا ہے۔[2]

امام سیوطی (۹۱۱ھ) نے بھی ائمہ اربعہ کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔ (دیکھئے مسالک الحنفاء صہ ۵۶

وبہ قال العلامہ امیر یمانی (۱۱۸۲ھ) فی سبل السلام جلد ۳ صہ ۲۱۵)

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار جلد ۶ صہ ۲۴۴ میں مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق صاحب نے

عون المعبود جلد صہ ۲۲۹ پر ائمہ اربعہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق امام مالک کے نزدیک تین ہی

ہیں۔ ایک نہیں۔

حجاز کا مسلکی تعارف

امام مالک کا تعارف مدینہ منورہ اور خطہ حجاز کا تعارف ہے۔ آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ
ان دونوں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے فقہی مواقف میں چنداں اختلاف نہ تھا بسائل مشہورہ میں حضرت
امام مالک کا مذہب آپ پڑھ چکے ہیں حضرت امام مالک اور حضرت امام محمد بطور محدث بہت سی
روایات ایسی بھی نقل کرتے ہیں جو ان حضرات کا اپنا مسلک مختار نہیں ہوتا اور آپ کے لاتعداد شاگرد
آپ سے ان احادیث کی روایت کرتے ہیں لیکن آپ کا اپنا فقہی مذہب محض حدیث پر نہیں عمل اہل
مدینہ اور ان کی سنت قائمہ پر مبنی ہوتا ہے۔ آپ کے شاگرد ابن القاسم آپ کے مذہب کو تفصیلاً نقل
کرتے ہیں اور فقہ مالکی میں آپ سے (امام مالک) انہی کی روایت زیادہ معتبر ٹھہرائی گئی ہے
یہ بات ضرور پیش نظر رہنی چاہیئے کہ حضرت امام مالک کے فقہی مذہب کو سمجھنے کے لیے محض مؤطا
کافی نہیں اور نہ ہی مؤطا سے آپ کا مذہب نکھرتا ہے۔ آپ کا فقہی مذہب فقہ مالکی میں دیکھا جائے گا۔

---

[1] نووی جلد ا صہ ۴۷۸ [2] عمدۃ القاری جلد ۹ صہ ۵۳۷

عالمِ اسلام کے پہلے چیف جسٹس

⑧ امام ابُویوسف یعقوب بن ابراہیمؒ (۱۸۲ھ)

حضرت امام ابو یوسفؒ خاندان انصار سے تعلق رکھتے ہیں. آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے چوٹی کے شاگرد ہیں.

کان اکبر اصحاب ابی حنیفة. [1]

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں سترہ سال (اور ایک روایت کے مطابق ۲۹ سال) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں رہا ہوں بجز حالتِ مرض کے میں کبھی آپ سے جدا نہیں ہوا. عیدالفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی ان سے جدا نہیں ہوتا تھا. [2]

آپ نے امام اعمشؒ، ہشام بن عروہؒ، محمد بن اسحٰقؒ، یحییٰ بن سعیدؒ وغیرہم سے بھی حدیث کا سماع کیا ہے.

علامہ ذہبیؒ آپ کو الامام العلامة اور فقیہ العراقین کہتے ہیں. [3]

امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی آپ کو صدوق کہتے ہیں. [4]

امام یحییٰ بن معین آپ کو ثقہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابو یوسفؒ سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا اور اس فن میں ان سے زیادہ پختہ کوئی نہیں پایا گیا. آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو یوسفؒ حدیث کے عالم اور متبع سنّت تھے. [5]

امام مزنیؒ (۲۶۴ھ) کہتے ہیں:

کان ابو یوسف اتبعهم للحدیث. [6]

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابو یوسفؒ حدیث کے معاملہ میں منصف تھے. [7]

---

[1] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰ [2] حسن التقاضی للعلامة الکوثری ص [3] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹ [4] البدایہ صفحہ ۱۸۰ [5] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ [6] البدایہ لابن کثیر صفحہ ۱۸۰ [7] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۰

محمد بن جعفرؒ کا قول ہے کہ امام ابو یوسفؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔[1]

ہلال بن یحییٰ بصریؒ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف تفسیر مغازی اور ایام العرب کے حافظ تھے اور ان کے علوم متعارفہ میں سے ایک فقہ بھی تھا۔

عبدالرحمٰن داؤد حربی کا کہنا ہے کہ امام ابو یوسفؒ تمام فقہی علمی مسائل پر ایسا عبور رکھتے تھے کہ وہ سب ان کے سامنے کف دست پر ہوں۔

داؤد بن رشید کہتے ہیں کہ اگر امام اعظمؒ کا کوئی شاگرد بھی امام ابو یوسفؒ کے سوا نہ ہوتا تو یہی فخر ان کے لیے کافی تھا۔ میں جب کبھی ان کو کسی علمی موضوع پر بحث کرتے ہوئے دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی بڑے سمندر میں سے نکال نکال کر علم کے دریا بہا رہے ہیں۔ علم حدیث علم فقہ اور علم کلام سب ان کے زور بر رو تھا۔[2]

علامہ مدائنی کہتے ہیں کہ جب آپ بصرہ میں آئے تو ہم نے آپ سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ درس میں حدیث بیان کرتے اور فقہی آراء بھی ان کے ساتھ ساتھ بیان فرماتے تھے۔[3]

حضرت امام ابو یوسفؒ نے احکام قضاۃ میں زیادہ استفادہ قاضی ابن ابی لیلیٰ سے کیا تھا اور فقہ و حدیث میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے استفادہ فرمایا۔

امام ابو یوسفؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا کی کوئی مجلس امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلیؒ کی مجلس علمی سے زیادہ محبوب نہ تھی۔ خود فرماتے ہیں۔

ما رأیت فقیہا افقہ من ابی حنیفۃ ولا قاضیا خیرا من ابن ابی لیلیٰ[4]

ترجمہ: تو میں نے امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ فقیہ دیکھا ہے اور نہ ابن ابی لیلیٰ سے بہتر کسی کو قاضی پایا ہے۔

امام ابو یوسفؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر جاننے والا اور فقہی نکات پر رکھنے والا کوئی نہیں۔ میں بسا اوقات کسی حدیث کی طرف مائل ہو جاتا لیکن جب حضرت

---

[1] شذرات الذہب لابن عماد الحنبلی [2] تذکرہ محدثین جلد اصد۱۷۲ [3] جزء الذہبی صد۴۲ [4] مناقب کردری صد

امام تنبیہ فرماتے تو مجھے پتہ چلتا کہ) امام ابو حنیفہؒ اس صحیح حدیث پر مجھ سے زیادہ نگاہ رکھتے ہیں۔

وکنت ربما ملت الی الحدیث وکان ھو ابصر بالحدیث الصحیح منی۔[1]

حضرت امام ابو یوسفؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی علمی مجالس اتنی محبوب تھیں کہ آپ اپنے بیٹے کے انتقال پر اس کے جنازہ اور تدفین میں اس لیے شریک نہ ہوئے کہ کہیں امام ابو حنیفہؒ کے علمی اور فقہی جواہر پاروں سے محرومی نہ ہو جائے اور اس کی ہمیشہ کے لیے دل میں حسرت رہ جائے۔

مخافۃ ان یفوتنی من ابی حنیفۃ شی ء ولا تذھب حسرتہ عنی۔[2]

حضرت امام ابو یوسفؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

انی لا دعوا لابی حنیفۃ قبل ابوی۔[3]

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کو غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا کسی مجلس میں ساٹھ سے زیادہ احادیث بھی سنتے تو اسی وقت آپ کو یاد ہو جاتی تھیں۔ علامہ ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے

ابن جوزیؒ کا بیان ہے کہ امام ابو یوسفؒ امت کے ان قوی الحفظ بزرگوں میں سے ہیں جن کا حافظہ عالمی سطح پر ضرب المثل رہا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید آپ کے ہم سبق تھے وہ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ ان کو سب حدیثیں زبانی یاد ہو جایا کرتی تھیں اور درس لکھنے کے بعد لکھنے والے ان کے حفظ سے اپنی لکھی ہوئی احادیث کی تصحیح کیا کرتے تھے۔[4]

مرض الموت میں بھی آپ علمی گفتگو میں مشغول رہتے۔ اور ہمیشہ آپ کے علم میں تیقظ ہی رہا آخر تک علم فقہ پر آپ کا غلبہ تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ علم فقہ کے سوا جو دوسرے علوم میرے پاس تھے ان کی بنیاد قوت حافظہ پر تھی اور وہ شدت مرض کی وجہ سے جاتی رہی اور علم فقہ تو میری ذات ہے۔ شروع سے آج تک اس کے ساتھ تلبس رہا علم فقہ میں میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی

---

[1] مقدمہ اعلاء السنن جلد ۱ صـ [2] مناقب موفق جلد ۲ صـ ۲۲۵ [3] عقود الجمان صـ ۱۹۸ [4] حسن التقاضی صـ ۵ بغدادی جـ ۱۴

شخص کئی سال تک اپنے وطن سے غیر حاضر رہے پھر واپس آئے تو کیا وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جائیگا۔[1]

حضرت امام ابو یوسفؒ نے علم اصولِ فقہ کی تدوین فرمائی۔ اس لیے آپ کو اس علم کا مدوّنِ اوّل کہا جاتا ہے۔ محمد بن جعفر کا بیان ہے۔

و اول من وضع الکتاب فی اصول الفقه علی مذهب ابی حنیفة ابو یوسف۔[2]

حضرت امام ابو یوسفؒ کی چھوٹی بڑی بہت تالیفات ہیں جن میں کتاب الآثار، کتاب الخراج زیادہ مشہور ہیں مسجد حرام میں منصب وعظ کے حامل شیخ یحییٰ الغزی ۹۰۰ھ میں جب شہر زبید پہنچے تو کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے تین سو مجلدات میں امالی ابو یوسف شہر غزہ کے ایک کتب خانے میں دیکھی۔ وہ جگہ صرف امام ابو یوسف کی تالیفات کے لیے مخصوص تھی۔[3]

صاحب کشف الظنون نے بھی لکھا ہے امام ابو یوسف کے امالی تین سو مجلدات میں تھے۔[4]

امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا لقب سب سے پہلے خلیفہ ہادی نے دیا تھا۔ اور آپ کو قاضی قضاۃ الدنیا بھی کہا جاتا رہا ہے۔ آپ کا فتوے اور علمی دبدبہ ان تمام جگہوں پر حاوی تھا جہاں جہاں خلیفہ کی حکمرانی تھی۔[5]

علامہ ذہبی نے آپ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے۔[6] جو مناقب الامام ابی یوسفؒ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مصر کے محدث کبیر اور عالم شہیر علامہ زاہد الکوثری نے حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابو یوسف قاضی میں امام ابو یوسف کے حالات پر گرانقدر مواد جمع فرمایا ہے۔ فجزاهم اللہ فی الدارین احسن الجزاء۔

---

[1] مفتاح السعادۃ ص ۔ مناقب کردری [2] حسن التقاضی ص ۵۲ [3] حسن التقاضی للعلامۃ الکوثری ص ۔

[4] تذکرۃ محدثین ص ۔ [5] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰ [6] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۳

امام ابو یوسفؒ اپنے استاد کی نظر میں

حضرت امام ابو یوسفؒ اپنے شیخ و استاد حضرت امام ابو حنیفہؒ کی نگاہ میں کیا تھے، اسے خود حضرت امام کی زبان فیض ترجمان سے سُنیں۔ ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے، حضرت امامؒ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے امام ابو یوسفؒ سے فرمایا:۔

مجھ کو تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں اور تم اہل اسلام کے لیے بڑے مفید ثابت ہو سکتے ہو اور میں اپنے بعد تم ہی کو چھوڑ کر جاؤں گا۔[1]

ایک دفعہ حضرت امام ابو یوسف کی بیماری پر آپ کو لوگوں نے بڑا متفکر پایا کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو ارشاد فرمایا:۔

اگر یہ جوان انتقال کر گیا تو اس زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا۔[2]

حضرت الامام کے پوتے اسماعیل فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے خاص دس اصحاب تھے لیکن ان میں امام ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔[3]

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:۔

انه اعلم اصحابه۔ کہ آپ ان کے شاگردوں میں سب سے بڑے عالم ہیں۔[4]

امام ابو یوسفؒ کے اہم تلامذہ

امام ابو یوسفؒ کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ کے شیخ احمد بن منیعؒ اور علی بن المدینیؒ، مذہب امام مالک کے مدون اسد بن فرات، امام محمد بن الحسنؒ، بشر بن الولیدؒ، یحییٰ ابن معینؒ اور امام وکیعؒ جیسے جلیل القدر اکابر ہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کس پائے کے فقیہ تھے اسے

---

[1] مناقب کردری ص تذکرہ امام ابو یوسف [2] حسن التقاضی ص۲۸ مناقب موفق جلد ۲ ص [3] سیر الصحابہ جلد ۸ ص ۹۱ اسماعیل کی غالباً امام زفر سے ملاقات نہ ہوئی ہوگی [4] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰

علامہ مرجانی (۱۳۰۲ھ) سے سُنیے :۔

وحالهم فی الفقه ان لم یکن لرفع من مالك والشافعی وامثالهما فلیسوا بدونهما[1]

امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کا مرتبہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے بلند نہیں ہے تو ان سے کمتر بھی نہیں ہے۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

مسائل مشہورہ میں امام ابویوسفؒ کا مذہب

حضرت امام ابویوسفؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب خاص اور تلمیذ رشید تھے۔ لیکن خود بھی حدیث اور فقہ میں بلند مجتہد تھے۔ انہیں بعض مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف بھی رہا لیکن مسائل مشہورہ میں آپ کی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوری موافقت رہی۔ آپ کا مذہب حضرت امام کا مذہب ہی رہا۔ قرأت فاتحہ خلف الامام۔ رفع الیدین عند الرکوع۔ آمین بالجہر۔ طلاق ثلاثہ اور تراویح بیس رکعت وغیرہ کے باب میں آپ نے حضرت امام کے فیصلے کی پوری تائید و تصویب فرمائی۔

فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں آپ کا کیا مذہب تھا حضرت امام طحاویؒ ترک قرأت کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

فلما کانت القرأة مخالفة لذلك وساقطة فی حال الضرورة کانت من غیر جنس ذلك .... وهذا قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد۔[2]

ترجمہ: پس جب امام کے پیچھے پڑھنا اس کے مخالف ہے اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں تو اس کی جنس میں سے نہیں۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں آپ امام ابوحنیفہؒ کے پوری طرح ہمنوا تھے۔

---

[1] بحوالہ سیر الصحابہ جلد ۸ صلا [2] طحاوی جلد ۱ ص۱۰۱

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) قرأت خلف الامام کی بحث میں امام محمدؒ کا مسلک بھی بیان کرتے ہیں:

والحق ان قول محمد كقولهما۔[1]

صاف اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت امام محمد کا مسلک ترکِ قرأت ہی کا ہے اور ان کا فیصلہ وہی ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا ہے۔ دونوں (شیخین) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کو منع کرتے ہیں۔

⑨ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ)

حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نہایت قابلِ اعتماد شاگرد ہیں بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علوم و معارف زیادہ تر آپ ہی کے ذریعہ دنیا میں پھیلے ہیں تاریخ کی حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ کتب مشہورہ مؤلفہ مذاہب ائمہ متبوعین المدونہ ہو یا کتاب الأم سب کی سب حضرت امام محمدؒ کی کتابوں کی روشنی میں ہی تالیف ہوئیں اور زمانۂ دراز تک ان کی تالیفات تمام مذاہب کے فقہاء کے ہاتھوں متداول رہیں اور سب کے سب ان سے استفادہ کرتے رہے۔ حدیث آپ کا خاص موضوعِ علم تھا اسی شوق سے آپ مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت امام مالکؒ سے مزید تکمیل فرمائی یہ صحیح ہے کہ آپ مزید علم کی پیاس میں ہر جگہ پہنچے لیکن امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں آپ کو جو نشہ ملا تھا اسے کوئی ترشی نہ اُتار سکی، امام مالکؒ باوجودیکہ آپ کے شیخ تھے مگر آپ نے ان سے فارغ ہوتے ہی کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینۃ دو جلدوں میں لکھ کر اپنے عراقی مکتب فکر کی حجت تمام دنیا پر تمام کر دی۔

حضرت امام محمدؒ کو چودہ سال کی عمر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ دو سال حضرت امام کی خدمت میں رہے اور آپ سے بھرپور استفادہ کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت امام ابویوسفؒ سے علوم کی تکمیل فرمائی۔

امام محمدؒ کے اساتذۂ حدیث

حضرت امام محمدؒ کے شیوخ حدیث میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام زفرؒ، حضرت سفیان الثوریؒ، حضرت مسعر بن کدامؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ، حضرت ربیعہ بن صالحؒ، حضرت امام شعبہ بن الحجاجؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ اور دیگر اکابر محدثین ہیں۔ حضرت علامہ کوثریؒ نے آپ کے شیوخ کی تعداد ستر سے زائد بتلائی ہے۔

امام محمدؒ کے تلامذۂ کبار

آپ کے شاگردوں میں امام بخاریؒ کے شیوخ ابوحفص الکبیر البخاریؒ حضرت ابوزکریا یحییٰ بن صالح الحمصیؒ حضرت ابوسلیمان موسے بن سلیمان الجوزجانیؒ جن کے ذریعے صحاح ستہ کا سلسلہ مشرق و مغرب تک پھیلا، حضرت امام شافعیؒ، اصحاب صحاح ستہ کے استاد حضرت علی بن معبدؒ مجتہد وقت حضرت ابو عبیدہ قاسم بن سلامؒ، مذہب امام مالک کے مدون حضرت اسد بن الفرات القیروانیؒ، ابن جریر کے استاد محمد بن مقاتلؒ، امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معینؒ، صاحب کتاب العلل حضرت سفیان بن سحبان البصریؒ وغیرہ جیسی جلیل القدر ہستیاں ہیں۔

حضرت امام محمدؒ بواسطہ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام بخاریؒ امام مسلمؒ امام ابوداؤدؒ امام ابوزرعہؒ اور امام ابی الدنیاؒ کے استاد ہیں جب کہ بواسطہ علی بن معبدؒ یحییٰ بن معینؒ ابویعلیٰؒ ابن حبانؒ ابونعیم صاحب حلیہ ابوعوانہ صاحب المسند امام طحاویؒ امام طبرانیؒ ابن مردویہؒ ابوحاتمؒ قاسم بن سلامؒ محمد بن اسحٰقؒ صاحب المغازی اور اسحٰق بن منصورؒ کے بھی استاد ہیں۔

امام محمدؒ امام شافعیؒ کی نظر میں

حضرت امام شافعیؒ امام محمدؒ کا بہت ادب و احترام کرتے تھے اور آپ کی جلالت قدر اور محد ثانہ شان کے بڑے معترف تھے۔ حضرت امام شافعیؒ نے آپ سے بہت کچھ سیکھا اور کھلے طور پر آپ کے احسانوں کا تذکرہ کرتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑا عالم اور آپ سے زیادہ عاقل کوئی نہیں دیکھا۔

ماراُیت حبراًسمیناًمثله ۔ ماراُیت اعقل منه [۱]

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ حدیث میں ابن عیینہؒ اور فقہ میں امام محمدؒ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا [۲]

---

[۱] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۲ [۲] الجواہر المضیئہ جلد ۲ صفحہ ۴۲، صفحہ ۵۲۶

آپ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا فقیہ نہیں دیکھا۔ میں فقہ میں ان کا سب سے زیادہ ممنون ہوں۔[1]

ان کا قول ہے کہ میں نے فقہا میں امام محمدؒ جیسا بصیرت رکھنے والا کسی کو نہیں پایا جن مسائل کے اسباب و علل کی تلاش سے اکابر عاجز رہ جاتے تھے وہ ان مسائل کو آسانی سے حل کر دیتے تھے۔[2]

امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا ہے۔[3]

قال الربیع سمعت الشافعی یقول حملت من محمد و قر بعیر کتبًا۔[4]

ایک مرتبہ کسی نے امام شافعیؒ سے مسئلہ دریافت کیا اور انہوں نے جواب دیا۔ سائل نے ان سے کہا کہ فقہاء آپ کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے کہا تم نے محمد بن حسنؒ کے علاوہ کسی فقیہ کو دیکھا بھی ہے۔ میں نے ان جیسا گداز بدن ذکی آدمی نہیں دیکھا۔ امام شافعیؒ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے امام محمدؒ کی صحبت اٹھائی ہے اب ان کے مقابلہ میں کسی اور فقیہ کی رائے کتنی وزنی ہو سکتی ہے کہ میں اس کی پرواہ کروں۔[5]

آپ فرماتے ہیں:-

ما رأیت اعقل ولا افقه ولا ازهد ولا اورع ولا احسن نطقًا ولا ایرادًا من محمد بن الحسن۔[6]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ جب کسی مسئلہ کو لیتے اور اس پر تقریر فرماتے تو کلام میں ایک حرف کی بھی تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کا نزول ہو رہا ہے۔[7]

امام شافعیؒ آپ کی تلاوتِ قرآن کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

کنت اذا سمعته یقرء القرآن کانما ینزل القرآن بلغته۔[8]

---

[1] مناقب کردری جلد ۲ صفحہ ۱۵۔ [2] بلوغ الامانی صفحہ ۵۔ [3] تہذیب الاسماء جلد ۱ صفحہ ۸۱۔ [4] مغانی الاخیار للعینی صفحہ ۹۱۔ [5] دیکھئے بلوغ الامانی۔ [6] تہذیب الاسماء صفحہ ۔ [7] تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۷۶۔ [8] البدایہ لابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۲۔ الجواہر المضیۃ جلد ۲ صفحہ ۵۲۹

امام شافعیؒ کہتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا حلال و حرام اور ناسخ و منسوخ کو جاننے والا اور ان کی علتوں کو پہچاننے والا نہیں دیکھا۔

مارأیت رجلاً اعلم بالحلال والحرام والناسخ والمنسوخ من محمد[1]

حضرت امام شافعیؒ امام محمدؒ کے علوم و معارف کے بہت دلدادہ تھے اور آپ کی خواہش ہوتی کہ امام محمدؒ کے علوم سے استفادہ کرتا رہوں۔ ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے پاس ایک منظوم خط لکھا کہ وہ اپنی کتابیں عاریۃً بھیج دیں۔ امام محمدؒ نے اپنی تمام کتابیں ہدیۃً بھیج دیں[2]

علامہ ابن عبد البر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت تک کے لیے ہر شافعیؒ پر واجب ہے کہ وہ امام محمد بن الحسنؒ کا ممنون رہے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہے۔[3]

امام شافعیؒ اپنی اسباب و وجوہ کی بنا پر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ علم اور دنیاوی اسباب کے معاملے میں مجھ پر امام محمدؒ کا جتنا احسان ہے اتنا اور کسی کا نہیں ہے۔

لیس علیّ منة فی العلم واسباب الدنیا لمحمد[4]

امام شافعیؒ امام محمدؒ کے ساتھ اکثر علمی مذاکرے کرتے رہتے تھے اور نہایت علمی سوالات فرماتے۔ امام محمدؒ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا علمی جواب مرحمت فرماتے۔ امام شافعیؒ اس پر بڑے حیران ہوا کرتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب بھی کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا بجز محمد بن حسنؒ کے۔

مارأیت احداً سُئل عن مسئلة فیها نظر الا رأیت الکراهة فی وجهه الا محمد بن الحسن۔[5]

علامہ ذہبیؒ نے مناقب میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے حدیث میں امام محمدؒ سے محبت پکڑی ہے۔[6]

---

[1] مناقب کردری ص۱۵۴ [2] ایضاً جلد ۲ ص۱۵۱ [3] شذرات الذہب جلد ۲ ص۱ [4] مناقب کردری ص۱۵۱ [5] الانتقاء لابن عبد البر ص۱۹ و بلوغ المرام للعلامۃ الکوثری ص۲۵ [6] تذکرۃ محدثین جلد ۱ ص۱۹۵

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو ایسے دقیق مسائل کہاں سے معلوم ہوتے آپ نے فرمایا۔ امام محمدؒ کی کتابوں سے ۔

هذه المسائل الدقائق من اين هي لك قال من كتب محمد بن الحسن[1]

امام مزنیؒ کے سامنے کسی نے کہا۔ قال محمد انہوں نے پوچھا کون محمد؟ قائل نے کہا محمد بن الحسن۔ آپ نے فرمایا ۔

مرحبا بمن يملأ الأذان سمعا والقلب فهما[2]

ترجمہ مرحبا اس شخص پر جو کان کو سماع اور قلب کو فہم سے بھر دیتا ہے۔

امام مزنیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ابوحنيفة سيدهم وابويوسف اتبعهم محمد بن الحسن اكثرهم تفريعا وزفر احدهم قياسا۔[3]

ترجمہ امام ابوحنیفہ اہل عراق کے سردار ہیں۔ امام ابویوسف سب سے زیادہ حدیث پر چلنے والے ہیں۔ امام محمد سب سے زیادہ مسائل کو پھیلانے والے ہیں اور امام زفر تو بس قیاس کے بادشاہ تھے۔

علامہ ذہبی آپ کو علم و فقہ کا سمندر کہتے ہیں ۔

كان محمد بن الحسن من بحور العلم والفقه۔[4]

آپ لکھتے ہیں کہ عراق میں امام ابویوسفؒ کے بعد فقہ کی ریاست امام محمدؒ پر ختم تھی اور ان سے ائمہ کرام تفقہ حاصل کرتے تھے :۔

انتهت اليه رياسة الفقه بالعراق بعد ابي يوسف وتفقه بالائمة ۔[5]

علامہ صیمری نے اور عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا نہیں دیکھا اور کہا کہ امام محمد عربیت نحو اور حساب میں بڑے ماہر تھے۔ محمد بن سلامؒ فرمایا کرتے

---

[1] البدایہ جلد ۱ ص ۲۰۲ [2] بغدادی بسیر الصحابہ جلد ۲ ص ۱۷۳ [3] بغدادی جلد ۲ ص ۱۷۲ [4] میزان الاعتدال ص ۵ [5] ایضاً ص ۵

ہے کہ میں نے امام محمدؒ کی کتابیں نقل کرنے پر دس ہزار کی رقم خرچ کی۔ اگر مجھے پیچھے سے ان چیزوں کا علم ہوجاتا جو بعد کو ہوا تو رمل صالح امام محمدؒ کی کتابوں کے سوا دوسروں کی کتابوں پر وقت صرف نہ کرتا۔[1]

خطیب بغدادیؒ نے علی بن المدینیؒ سے بھی امام محمدؒ کی توثیق نقل کی ہے۔ امام دارقطنیؒ آپ کو ثقات اور حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بہت ثقات اور حفاظ حدیث نے بیان کی ہے جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانی وغیرہ بھی شامل ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے امام محمدؒ کو عجیب حافظہ عطا فرمایا تھا حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آپ سے فرمایا کہ قرآن کریم حفظ کرلو تو ایک ہفتہ کے اندر آپ نے قرآن کریم کے حفظ کی سعادت حاصل کرلی۔[3]

حضرت امام ابویوسفؒ امام محمدؒ کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ پر فرماتے ہیں:۔

هكذا يكون الحفظ[4]

ترجمہ حافظہ ایسا ہی ہوتا ہے

حضرت امام شافعیؒ آپ کی ذکاوت فہم کے بڑے معترف تھے فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا ذکی نہیں دیکھا۔[5]

علامہ ذہبیؒ آپ کو کہا کرتے تھے۔

كان من اذكياء العالم[6]

کہ آپ دنیا کے ذکی اور فہیم تر انسان ہیں۔

امام بخاریؒ کے استاد امام الجرح والتعدیل امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر خود امام محمدؒ سے لے کر لکھی ہے جو ان کی مشہور تصنیف ہے۔ جامع صغیر خالصتہً فقہ کی کتاب ہے۔ امام یحییٰ بن معینؒ کا اسے لکھنا بتلاتا ہے کہ وہ خود حنفی المذہب تھے اور امام محمدؒ سے بہت متاثر تھے۔

وقال عباس الدوری عن ابن معين كتبت الجامع الصغير عن محمد بن الحسن[7]

---

[1] مناقب کردری ص [2] نصب الرایہ جلد ۱ ص ۴۹ [3] سیر الصحابہ جلد ۹ ص ۱۵۵ [4] بلوغ الامانی ص [5] بغدادی جلد ۲ ص ۱۸۶ [6] الجواہر المضیۃ جلد ۲ ص ۴۲ [7] مغانی الاخیار ص ۹ للعینی

فقہ کے علاوہ امام محمدؒ کے دیگر علوم

حضرت امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے مگر آپ تفسیر، حدیث، ادب اور لغت میں بھی بہت اُونچے مقام پر تھے۔ لغت میں آپ کا قول حجت سمجھا گیا علامہ المبرد (۵۲۸۵ھ) آپ سے لغت کی سند لیتے تھے۔ ایک مرتبہ المبرد نے سورج کے لیے الغزالہ کا لفظ استعمال کیا۔ ان سے اس کی سند پوچھی گئی المبرد نے کہا۔ قالہ محمد بن الحسن۔[1]

علماء ادب آپ کو اقران سیبویہ میں شمار کرتے ہیں۔

لفظ اللہ اسم جامد ہے اسے علماء سیبویہ کی نسبت سے بیان کرتے ہیں مگر فارسی کی قدیم ترین تفسیر زاہدی میں اسے امام محمدؒ کا قول بتلایا گیا ہے۔

آپ حضرت امام محمدؒ کی تلاوت قرآن کے متعلق امام شافعیؒ کا قول پڑھ چکے ہیں آپ قرآن کریم میں تفکر و تدبر کرتے اور قرآن کریم سے مسائل کا استخراج فرماتے تھے۔ آپ خود کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم سے ایک ہزار سے زائد مسائل مستنبط کیے ہیں:۔

استخرجت من کتاب اللہ نیفا و الف مسئلۃ۔[2]

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم اور ماہر کسی کو نہیں دیکھا گویا کہ یہ کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے۔

ما رأیت اعلم بکتاب اللہ من محمد کانہ علیہ نزل۔[3]

حضرت امام محمدؒ کی فقہ حدیث بھی ضرب المثل تھی چونکہ آپ نے وقت کے تمام ممتاز شیوخ سے احادیث کا سماع اور استفادہ فرمایا تھا۔ اس لیے آپ کے درسِ حدیث میں لوگوں کا اتنا ہجوم ہوتا کہ راستہ بند ہو جاتا تھا۔[4]

حدیث میں آپ کی بالغ نظری اور معلومات کی وسعت کا اندازہ آپ کی تالیفات سے لگایا جا سکتا ہے:۔

---

[1] اصول سرخسی جلد ۱ ص ۔۔ [2] مناقب کردری جلد ۲ ص ۱۵۱ [3] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ص ۵۲ [4] شذرات

حضرت امام محمدؒ کا نظریۂ حدیث

آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تذکرہ میں یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ضعیف احادیث کی موجودگی میں رائے اور قیاس کو ترک کر کے ضعیف حدیث کو مقدم کرتے ہیں اور ملا علی قاریؒ سے احناف کا مذہب بھی آپ کے سامنے آچکا ہے۔ تاہم امام محمدؒ کا نظریہ حدیث بھی ملاحظہ فرمایئے۔ امام محمدؒ اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے یا نہیں لکھتے ہیں:۔

ولاما جاء من الآثار کان القیاس ما قال اهل المدینة ولکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للآثار۔[1]

ترجمہ: اگر حدیث و آثار سے قہقہہ سے وضو ٹوٹنا ثابت نہ ہوتا تو قیاس کا فیصلہ وہی ہوتا جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث و اثر کی موجودگی میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہم کو صرف آثار کے پیچھے چلنا اور انہی کی پیروی کرنا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

لا یستقیم العمل بالحدیث الا بالرای ولا یستقیم العمل بالرای الا بالحدیث۔[2]

ترجمہ: عمل بالحدیث میں بدوں رائے (فقہ حدیث) کے استقامت نہیں آسکتی اور نہ کسی مسئلے میں عمل قائم ہو سکتا ہے جب تک اس کی اصل حدیث سے نہ ملے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات کبھی محض رائے سے کام نہ لیتے تھے ان کے ہاں رائے کا اعتبار صرف اس پہلو سے تھا کہ انہیں کسی نئے پیش آمدہ مسئلے میں کسی دوسری روایت سے اس کی لکیر مل جائے سو یہ رائے ہرگز وہ نہیں جو محض اپنے خیال سے قائم کی جاتی ہے۔ اس رائے سے یہ حضرات ہمیشہ رو کتے رہے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:۔

---

[1] الحجۃ علی اہل المدینہ۔ بلوغ الامانی صفحہ ۱۴۹ [2] اصول السرخسی جلد ۲ صفحہ ۱۱۳

ایاکم والقول فی دین اللہ بالرای وعلیکم باتباع السنۃ فمن خرج منہا ضل۔ [1]

ترجمہ: خبردار! اللہ کے دین میں کوئی بات رائے سے نہ کہنا تم پر سنت کی پیروی لازم ہے جو اس سے نکلا بے شک گیا۔

امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کی نگاہ میں

علم و فن کا ذوق امام محمدؒ میں فطری تھا۔ آغاز شعور ہی سے مسائل میں ایسی باریکیاں پیدا کرتے تھے کہ بڑوں کی نگاہیں بھی وہاں تک کم پہنچتی تھیں۔ ان کے اسی فطری ذوق اور استعداد کو دیکھ کر امام صاحب نے فرمایا کہ "انشاء اللہ یہ لڑکا رشید ہوگا۔ ایک روز ان کے ایک سوال پر فرمایا کہ تم تو بڑوں جیسا سوال کرتے ہو۔ میرے پاس آمد و رفت رکھو۔ [2]

امام ابویوسفؒ سے تعلق

حضرت امام محمدؒ کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں صرف چار سال رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت امامؒ کے انتقال کے بعد امام محمدؒ کی نظر انتخاب امام ابویوسفؒ پر پڑی جو امام ابوحنیفہؒ کے اخص اصحاب اور تلمیذ رشید تھے۔ امام محمدؒ نے آپ کے دامن میں پناہ لی۔ اور آپ سے بہت کم جُدا رہے۔ حضرت امام ابویوسفؒ کو امام محمدؒ کے ذوق علم کی خبر تھی۔

حضرت امام محمدؒ علی الصبح دوسرے شیوخ سے استفادہ کے لیے جاتے۔ جب وہاں سے امام ابویوسفؒ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو اس وقت تک بہت سے مسائل گزر چکے ہوتے لیکن پھر بھی امام ابویوسفؒ ان کے آنے پر ان تمام مسائل کو

---

[1] میزان کبریٰ للشعرانی جلد ۱ ص۶۵ [2] ماخوذ از سیر الصحابہ جلد ۸ ص۱۵۴

دوبارہ ان کے لیے دہراتے ہیں۔[1]

ایک مرتبہ حضرت امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کو کوفہ سے خط لکھا کہ میں آپ کی ملاقات
کے لیے بغداد آنا چاہتا ہوں۔ امام ابو یوسفؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ اہل کوفہ کو آپ
سے فائدہ پہنچ رہا ہے یہاں آنے میں ان کا نقصان ہوگا۔ ان کو فائدہ پہنچایئے۔[2]

حضرت امام محمدؒ کے بارے میں کتابوں میں جو جرح ملتی ہے ان میں سے کوئی بھی اصولِ روایت
اور قواعد درایت پر پوری نہیں اترتی۔ مصر کے مشہور محدث اور مایۂ ناز عالم علامہ زاہد الکوثریؒ نے
تانیب الخطیب اور بلوغ الامانی میں ان تمام غلط روایتوں پر جو حضرت امامؒ اور آپ کے تلامذہ کے
بارے میں مشہور کر دی گئی ہیں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور نہایت ہی محققانہ طور پر ان سب
کی اصلیت ظاہر کر دی ہے۔ ان حضرات کی حضرت امام محمدؒ کے خلاف روایات اسی طرح بے سروپا ہیں
جس طرح حضرت عمرؓ کے خلاف شیعوں کی موضوعات بے سروپا ہیں۔

من شاء التفصیل فلیراجع فاجزاه الله احسن الجزاء۔

مسائلِ مشہورہ میں امام محمدؒ کا مسلک

حضرت امام محمدؒ نے بطور مجتہد حضرت امام ابو حنیفہؒ سے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے ان
میں زیادہ مسائل میں امام ابو یوسفؒ نے آپ کا ساتھ دیا ہے۔ اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ
یہ حضرات اندھی تقلید کے ہرگز قائل نہ تھے۔ قرآن و حدیث کی ان کے دلوں پر حکومت تھی۔ ورنہ یہ
حضرات کبھی اپنے استاد سے اختلاف نہ کرتے اور استاد بھی وہ جس کی مشرق و مغرب میں کہیں نظیر
نہ تھی۔

آپ فقہ حنفی کی کتابوں میں بارہا یہ پڑھتے ہیں کہ فلاں فلاں مسائل میں فتویٰ امام صاحب
کے قول پر نہیں بلکہ صاحبین کے قول پر ہے لیکن مسائل مشہورہ میں حضرت امام محمدؒ زیادہ امام ابو حنیفہؒ

---

[1] بلوغ الامانی ص ۲۵ [2] مناقب کردری جلد ۲ ص ۱۵۲

کے ساتھ آیا ہے اور اس باب میں آپ کا مذہب وہی ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ مؤطا امام محمد میں بے شمار مقامات پر آپ کو یہ الفاظ ملیں گے :۔

وبهذا ناخذ وهو قول ابی حنیفة رحمه الله

جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام محمد ان مسائل مشہورہ میں حضرت امام ہی سے موافقت کرتے رہے ہیں آیئے چند مسائل میں حضرت امام کا مسلک معلوم کریں ۔

(۱) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں اس سلسلے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں :۔

قال محمد لا قرأة خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیما لم یجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابی حنیفة رحمه الله۔[1]

ترجمہ امام محمدؒ کہتے ہیں امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں (سورۃ فاتحہ ہو یا مازاد علی الفاتحہ) نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں اور عام روایات اس پر وارد ہیں ۔

ہمیں صاحب ہدایہ کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ امام محمدؒ کے ہاں سری نمازوں میں علی سبیل الاحتیاط فاتحہ خلف الامام کی اجازت تھی علامہ ابن الہمام اسکندری نے بڑی تحقیق سے لکھا ہے کہ :

والحق ان قول محمد کقولهما۔[2]

ترجمہ اور حق بات یہ ہے کہ محمد کا قول امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ساتھ ہے ۔
امام محمدؒ کے ہاں یہاں کچھ بھی رعایت ہوتی تو امام طحاویؒ (۳۲۱ ھ) اس مسئلے کی نظری بحث کے بعد یہ نہ لکھتے کہ :

وهذا قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد۔[3]

(۲) رفع الیدین عند الرکوع میں آپ کا کیا مسلک تھا اسے بھی ملاحظہ فرمائیے :۔

---

[1] مؤطا امام محمد ص ۹۷ [2] فتح القدیر جلد ۱ ص ۲ [3] ایضاً ص ۱

قال محمد السنة ان یکبر الرجل فی صلاتہ . . فاما رفع الیدین فی الصلوٰۃ فانہ یرفع الیدین حذو الاذنین فی ابتداء الصلوٰۃ مرۃ واحدۃ ثم لا یرفع فی شیء من الصلوٰۃ بعد ذلک وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وفی ذلک آثار کثیرۃ .[1]

ترجمہ سنت یہ ہے کہ آدمی نماز میں تکبیریں کہے . لیکن رفع یدین کانوں کے برابر صرف شروع نماز میں ایک دفعہ کرے پھر پوری نماز میں کہیں رفع یدین نہ کرے یہ سب امام ابوحنیفہؒ کی بات ہے اور اس پر صحابہؓ کے بہت سے آثار وارد ہیں

یہ جو آخری الفاظ ہیں وفی ذلک آثار کثیرۃ ان سے امام ترمذی کی رائے کی تائید ہوتی ہے انہوں نے رفع یدین کی بحث میں رفع یدین کرنے والوں کو بعض اھل العلم من اصحاب النبیؐ کہہ کر ذکر کیا ہے مگر رفع یدین عند الرکوع نہ کرنے والوں کو غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی والتابعین سے تعبیر کیا ہے . بعض اہل العلم میں ایک بھی آسکتا ہے مگر غیر واحد من اھل العلم اس سے زائد گنتی ہے .[2]

(۳) نماز میں ہاتھوں کو کہاں رکھنا چاہیئے . امام محمدؒ فرماتے ہیں :

قال محمد ینبغی للمصلی اذا قام فی صلاتہ ان یضع باطن کفہ الیمنی علی رسغہ الیسریٰ تحت السرہ [3]

ترجمہ نمازی کو چاہیئے کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی اپنے بائیں گٹے پر ناف کے نیچے رکھے .

دیکھیئے یہ کس امام کا عمل ہے جو امام مالکؒ کے درس حدیث میں بھی رہ چکا ہے . امام شافعیؒ کے ساتھ بھی کئی مجلسوں میں علمی مباحثے کر چکا ہے . عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی حدیث پڑھنے کا اسے

---

[1] مؤطا امام محمد صلا [2] دیکھئے جامع ترمذی جلد اص۳۵ [3] مؤطا امام محمد صنا

شرف حاصل ہوا ہے۔ ان وسیع تحقیقات کے بعد وہ اسی مسئلے پر ڈٹا ہوا ہے جس پر اس نے امام ابوحنیفہؒ کو پایا ـــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلائل کی روشنی میں یہ موقف زیادہ قوی اور مضبوط ہے کہ نمازی نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے سینہ پر نہیں ـــــ صرف عورتوں کو سینے پر ہاتھ باندھنے دے

④ جمع بین الصلاتین کے مسئلے میں آپ کا کیا مذہب تھا اسے بھی دیکھئے اور سوچیئے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت میں ـــــ یا عصر کی نماز مغرب کے وقت میں ادا کر لی جائے کوئی حرج نہیں۔ وہ کتنی غلط سوچ کے حامل ہیں ـــــ امام محمدؒ جمع بین الصلاتین کی حقیقت یہ بیان کرتے ہیں کہ :۔

قال محمد وبهذا نأخذ والجمع بين الصلاتين ان تؤخر الاولى منهما فتصلى فى آخر وقتها وتعجل الثانية فتصلى فى أوّل وقتها. قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب انه كتب فى الآفاق ينهاهم ان يجمعوا بين الصلاتين ويخبرهم ان الجمع بين الصلاتين فى وقت واحد كبيرة من الكبائر[1]

ترجمہ: امام محمدؒ کہتے ہیں ہمارا یہی فیصلہ ہے اور جمع بین الصلاتین کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ایک نماز اپنے آخری وقت میں پڑھی جائے اور ایک نماز اپنے پہلے وقت میں ـــــ ہمیں حضرت عمرؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے تمام ممالک کو لکھا کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنے سے سختی سے منع کیا جائے اور لوگوں کو بتلایا جائے کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو اکٹھا کرنا کبیرہ گناہ ہے

⑤ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا عمل زیادہ

---

[1] موطا امام محمد ص۱۳۱ ص۱۳۲

اقرب الی السنۃ تھا۔ اسی لیے آپ ابن عمرؓ کے عمل کو عمل کے لیے قبول نہ کرتے تھے۔

قال محمد ولسنا ناخذ بھذا ولکنا ناخذ بقول عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن

عباس رضی اللہ عنہما ولا نری ان یسلم بینھما [1]

ترجمہ۔ ہم عبد اللہ بن عمرؓ کے اس قول کو نہیں لیتے ہم حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول کو لیتے ہیں اور ہم دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے

کی اجازت نہیں دیتے۔

(۸) یہ مسئلہ کہ آپ دو رکعتوں پر سلام نہ پھیرتے تھے لیکن کیا آپ یہاں قعدہ کرتے تھے یا سیدھے

تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ اس وہم کا ازالہ کرنے کے لیے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے

کے فیصلے پر امام محمدؒ نے اپنا فیصلہ دیا ہے کی یہ روایت سامنے رکھیے۔

الوتر ثلث کوتر النھار صلوٰۃ المغرب۔ رواہ الطحاوی [2]

ترجمہ۔ وتر تین رکعت ہی ہیں جیسے مغرب کی نماز یہ دن کے وتر ہیں

اب اگر مغرب کی نماز میں درمیانی قعدہ ہے تو وتر کی نماز میں بھی یہ ہوگا۔ اس میں کسی تردد

وسوسے کی گنجائش نہیں۔

(۹) ایک مجلس میں دی جانے والی اکٹھی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر پوری امت کا اجماع

ہے۔ حضرت امام محمدؒ کا بھی یہی مذہب تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

قال محمد وبھذا ناخذ وھو قول ابی حنیفہ والعامۃ من فقھائنا لانہ

طلقھا ثلثا جمیعا فوقعن علیھا جمیعا معا [3]

ترجمہ امام محمدؒ کہتے ہیں ہمارا فتوٰے یہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے جمہور

فقہاء کا فتوٰے بھی یہی تھا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہیں

سو یہ تینوں اس پر اکٹھی واقع ہو گئیں۔

---

[1] موطا امام محمد ص۱۴۹ [2] جلد ۱ ص۱۴۳ اسنادہ صحیح آثار السنن جلد ۲ ص۱۱ [3] موطا امام محمد ص۲۹۳

(۷) تراویح رمضان کی اپنی نماز ہے۔ آپ نے اپنے مؤطا میں قیام شہر رمضان کے باب میں پہلے وہ حدیث بیان کی ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ یہ قیام رمضان کا تھا جسے حضورؐ نے پھر چھوڑ دیا تھا۔ پھر آگے حضورؐ کے گیارہ رکعت کے قیام اللیل کا بیان ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں برابر ہوتا تھا۔ امام محمدؒ اس ترتیب سے اس پر متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ دو نمازیں ہیں۔ ایک وہ جو حضورؐ نے رمضان میں تین رات پڑھانے کے بعد چھوڑ دی اور دوسری وہ جو آپ سارا سال پڑھتے تھے ظاہر ہے کہ جو نماز آپ نے چھوڑ دی وہ یہ پورے سال والا قیام اللیل نہ تھا۔ اس پر امام محمدؒ تراویح پر استدلال کرتے ہیں کہ وہ رمضان میں پڑھی جائے کیونکہ حضرت عمرؓ کے اس عمل کو صحابہؓ نے قبول کر لیا تھا جس کو وہ اچھا سمجھیں اسے اللہ تعالیٰ بھی پسند فرما لیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز تراویح کا ایک اپنا وجود ہے اور یہ تہجد کی نماز نہیں جو سارا سال پڑھی جاتی ہے۔ امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

قال محمد وبهذا كله نأخذ لا بأس بالصلوٰة فى شهر رمضان ان يصلى الناس تطوعاً بامام لان المسلمين اجمعوا على ذٰلك۔[1]

ترجمہ۔ امام محمدؒ کہتے ہیں ہم یہی لیتے ہیں رمضان میں اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ نفل نماز جماعت سے پڑھیں اس میں سب کا اجماع ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ امام محمدؒ کے ہاں تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں کی رکعات بھی اپنی اپنی ہی ہیں۔

اس وقت ان مسائل کی تحقیق پیش نظر نہیں حضرت امام کا صرف مختصر تعارف ہے بتانا صرف یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے استاد اور امت مسلمہ کے جلیل القدر محدث حضرت امام محمدؒ مسائل مشہورہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے موافق رہے ہیں۔ اگر ان مسائل میں کسی پہلو سے بھی کوئی کمزوری یا کوئی لچک ہوتی تو حضرت امام محمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ضرور اختلاف کرتے لیکن اس جلیل القدر

---

[1] مؤطا امام محمد صفحہ ۱۴۳

مجتہد کا ان سے اتفاق کرنا بتلاتا ہے کہ ان مسائل میں اقرب الی الصواب وہی مذہب ہے جو کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کا ہے۔

فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

⑩ حضرت امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (۲۰۴ھ)

حضرت امام محمد بن ادریس الشافعیؒ نسباً قریشی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ عبدمناف میں آپ کا نسب مل جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللّٰھم اھد قریشا فان عالمھا یملأ طباق الارض علماً۔ [1]

ترجمہ۔ اے اللہ! قریش کو سیدھی راہ پر رکھنا ان کا ایک عالم پوری دنیا کو علم سے بھر دے گا۔

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابونعیم عبدالملک بن محمد اسفرائنی نے اس بشارت کا مصداق حضرت امام شافعیؒ کو قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب [2]

حضرت امام شافعیؒ کا علمی تعارف

حضرت امام شافعیؒ کے حدیث کے شیوخ امام مسلم بن خالد الزنجی۔ حضرت امام مالک۔ ابراہیم بن سعد سعید بن سالم الدراوردی۔ عبدالوہاب ثقفی۔ ابن علیہ۔ سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام ابوحنیفہ فی الحدیث) ابو حمزہ حاتم بن اسماعیل۔ محمد بن خالد الجندی اور امام محمد بن حسن وغیرہ شامل ہیں۔

مسلم بن خالد الزنجی آپ کے پہلے استاد ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کی مسلم بن خالد سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا صاحبزادہ کس ملک کے باشندہ ہو۔ امام شافعی نے کہا کہ مکہ کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا مکان کس محلہ میں ہے۔ عرض کیا خیف میں۔ فرمایا کس قبیلہ کے ہو؟ عرض کی عبدمناف کی اولاد سے فرمایا بہت خوب بہت خوب۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہان کا شرف بخشا ہے۔ اچھا یہ تھا کہ اپنی اس فہم و ذکاوت کو علم فقہ میں خرچ کرتے یہ سن کر امام شافعی نے ان کی شاگردی قبول کی۔ اور پھر پوری عمر فقہ

---

[1] مستدرک للحاکم مسند ابی داؤد طیالسی۔ تہذیب جلد ۹ صفحہ ۲۹ البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۳ [2] ایضاً

پر لگادی یہاں تک کہ سید الفقہاء کہلائے

حضرت امام شافعیؒ کے فن تجوید کے استاد مقرئ مکہ اسماعیل بن قسطنطین ہیں[۱]

حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ کے بھی شاگرد ہیں جب آپ امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے اس وقت آپ مؤطا حفظ کر چکے تھے۔ آپ کی عمر اس وقت دس سال تھی[۲]

امام مالکؒ کے سامنے مؤطا کی زبانی قرأت کی۔ امام مالکؒ کو آپ کی زبانی قرأت پر بہت تعجب ہوا اور آپ کی قرأت بہت پسند آئی اور نصیحت فرمائی کہ تم تقوے کو اپنا شعار بنانا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے شخص ہو گے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت کیا ہے معصیت سے اس کو ضائع نہ کرنا امام شافعیؒ امام مالکؒ کے پاس صرف آٹھ ماہ رہے[۳]

حضرت امام شافعیؒ نے قرآن کریم سات سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا۔ دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک کو یاد کیا تھا اور پندرہ سال کی عمر میں باجازت مسلم بن خالد الزنجی فتوے دینے لگے تھے[۴]

حضرت امام شافعیؒ حدیث و تفسیر فقہ و ادب و عربیت کی جملہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ بڑے تیرانداز بھی تھے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ آپ قبیلۂ قریش میں سب سے زیادہ ماہر تیرانداز تھے۔ اگر دس تیر پھینکتے تو دس کے دس نشانہ پر بیٹھتے قریش کے علمی ذوق کے تحت پہلے شعر گوئی۔ لغت۔ ایام عرب میں کمال حاصل کیا پھر فقہ و حدیث کی طرف متوجہ ہوئے[۵]

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے گھڑ دوڑ اور تیراندازی پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ امام مزنیؒ کے بقول اس باب میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فن میں کتاب لکھی[۶]

حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرنے والوں میں امام احمدؒ۔ امام حمیدیؒ۔ امام مزنیؒ۔ ربیع بن سلیمانؒ۔ ابو ثورؒ۔ زعفرانیؒ۔ ابو بکر عبداللہ بن زبیرؒ۔ امام حرملہؒ اور سلیمان بن داؤدؒ جیسی اہم شخصیات بھی ہیں۔

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۷ [۲] تہذیب جلد ۹ ص ۲۷ [۳] تانیب الخطیب ص ۱۸۲ [۴] تذکرہ محدثین جلد ۱ ص ۱۳۱ [۵] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۶۷ [۶] ایضاً [۷] تہذیب جلد ۹ ص ۲۶

حضرت امام شافعی رح کے فضائل

حضرت امام احمدؒ آپ کو دوسری صدی کا مجدد قرار دیتے ہیں۔ آپ امام شافعیؒ کے حق میں ہمیشہ دعا کرتے تھے [1]

ایک مرتبہ امام احمدؒ مذاکرہ حدیث کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ فرمایا اگر اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے تو :

فنیہ قول الشافعی وحجتہ اثبت شئی فیہ [2]

ترجمہ: جب اس میں کوئی حدیث نہیں تو پھر اس میں امام شافعیؒ کا قول لیجئے ان کی حجت اس میں قائم رہنے والی چیز ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا :

اگر امام شافعیؒ نہ ہوتے تو میں حدیث کے ناسخ و منسوخ کو ہرگز نہ پہنچتا۔ ان کی مجلس میں بیٹھنے سے مجھے سب کچھ ملا ہے۔ [3]

امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر فقہ (مفہوم حدیث) سمجھنا چاہتے ہو تو امام شافعیؒ کی سواری کی دُم پکڑ کر چلو آپ کے خادم بنو۔ [4]

امام اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) سے پوچھا گیا :

کیف وضع الشافعی ھذہ الکتب وکان عمرہ یسیرًا فقال جمع اللہ تعالیٰ لہ عقلہ لقلۃ عمرہ [5]

ترجمہ: امام شافعیؒ نے اس چھوٹی سی عمر میں یہ کتابیں کیسے لکھ لیں؟ امام اسحٰقؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس چھوٹی عمر کے باعث عقل فراواں دے رکھی تھی۔

---

[1] تہذیب جلد ۹ صـ۲۷ [2] البدایہ جلد ۱۰ صـ۲۵۲ [3] تہذیب جلد ۹ صـ۲۸ [4] مشاہیر امت از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ صـ۲۸ [5] تہذیب جلد ۹ صـ۲۹

ہمارے خیال میں بات صرف یہی نہیں حضرت امام شافعیؒ کو امام محمدؒ سے علم کا ایک بڑا ذخیرہ مل گیا تھا آپ نے اسے نقل کیا تو کتابوں کے پشتے لد گئے۔

امام شافعیؒ کی توثیق

آپ ثقہ ہیں امام احمد رحنے آپ کو احد العلماء ثقہ مامونا کہہ کر آپ کی توثیق کی ہے[1]

علامہ ذہبیؒ آپ کو علم کا پہاڑ اور حبر الامۃ کہہ کر ذکر کرتے تھے[2]

علامہ حمیدیؒ نے آپ کو سید الفقہاء الامام الشافعی کہا ہے[3]

ابو حاتمؒ آپ کو سراپا فقیہ اور صدوق کہتے ہیں۔ آپ نے کہا:

الشافعی فقیہ البدن وصدوق[4]

یحییٰ بن سعید القطانؒ نے آپ کو فقیہ بے مثل کہا اور فرمایا کہ میں امام شافعیؒ کے لیے بطور خاص دعا کرتا ہوں[5]

امام قتیبہؒ نے کہا الشافعی امامٌ[6]

ابو ثورؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی جیسا شخص نہیں دیکھا اور نہ ہی خود انہوں نے اپنے جیسا آدمی دیکھا ہے[7]

آپ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ عالم فصیح ثبت اور بڑی معرفت رکھنے والے تھے[8]

جاحظؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی تالیفات تو در منظوم ہیں۔

ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی کوئی حدیث غلط نہیں[9]

ابو زرعہؒ یہ بھی کہتے ہیں۔ ما عند الشافعی حدیث غلط فیہ[10]

---

[1] تہذیب جلد ۹ صـ۳۱ [2] تذکرہ جلد ا صـ۳۶۷ [3] تہذیب صـ۲۸ [4] البدایہ جلد ۱۰ صـ۲۵۲ توالی التاسیس صـ۶۰ [5] ایضاً [6] ایضاً [7] تذکرہ جلد ا صـ۳۶۷ [8] تہذیب جلد ۹ صـ۲۸ [9] تذکرہ جلد ا صـ۳۶۸ [10] تہذیب صـ۳۰ البدایہ جلد ۱۰ صـ۲۵۲

ابوعبیدؒ فرماتے ہیں میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ کسی کو فصیح عاقل اور پرہیزگار نہیں پایا۔
یحییٰ بن اکثمؒ کہتے ہیں۔ ما رأیت اعقل منه۔

امام علی بن المدینیؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ امام شافعیؒ کی باتوں میں سے کوئی بات چھوٹنے نہ پائے۔ لکھتے رہنا۔ فان فیه معرفة کیونکہ اس میں گہرائی ہے۔[1]

یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ ثقہ تھے۔ ان سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ بے اصل ہے محمد بن وصاح کی کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ انہوں نے آپ سے امام شافعیؒ کے بارے میں پوچھا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ وہ ثقہ ہیں

امام عبدالحکیمؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ ہر بات میں سند ہیں اور فرماتے تھے کہ وہ صاحب سنت واثر۔ اہل فضل و فصاحت اور مضبوط عقل کے مالک ہیں۔[2]

نواب صدیق حسن خاں بھی امام شافعیؒ اور ان اصحاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

هم افضل وقت وهم اعلم عهد وهم حجة الائمة وهم مقدم الائمة۔[3]

ترجمہ۔ وہ لوگ اپنے وقت کے بہترین تھے اور اپنے دور کے بڑے عالم تھے وہ ائمہ کی سند ہیں اور ان کے پیشرو ہیں۔

امام شافعیؒ کے اصحاب الحدیث پر احسانات

زعفرانیؒ کہتے ہیں کہ اصحاب الحدیث محو خواب تھے۔ امام شافعیؒ نے انہیں آکر جگایا (یعنی معانی اور فقہ کی طرف متوجہ کیا)۔

کان اصحاب الحدیث رقوداً حتی ایقظهم الشافعی۔[4]

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ اصحاب الحدیث حدیث کی تفسیر اور شرح سے بے توجہ تھے امام شافعیؒ نے آکر حدیث کے معنی سمجھائے فرمایا۔

---

[1] تہذیب جلد ۱ ص۲۶ [2] الانتقاء ص۷۲ [3] تقصار ص۱۲ [4] توالی التاسیس ص۵۹

كان اصحاب الحديث لا يعرفون تفسير الحديث حتى جاء الشافعی[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اصحاب الحدیث کا زیادہ شغف الفاظ حدیث نقل روایت رہا ہے امام شافعیؒ نے انہیں اس طرف متوجہ کیا کہ کچھ حدیث کو سمجھنا بھی سیکھو۔ مگر افسوس ان لوگوں نے امام شافعیؒ کو ہمیشہ فقیہ ہی سمجھا۔ سید الفقہاء بھی کہتے رہے۔ مگر حدیث میں آپ کے درجہ امامت کا کبھی کھلے دل سے اعتراف نہیں کیا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ فقہاء اور محدثین میں ہمیشہ سے یہ معرکہ آرائی چلی آرہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہاء کو اصحاب الحدیث پر ہمیشہ فوقیت دی ہے۔ اصحاب الحدیث کو حامل فقہ فرمایا فقیہ نہیں کہا۔ اصحاب الحدیث کو مامور فرمایا کہ جو کچھ مجھ سے سنو اسے آگے پہنچاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ میری بات کسی فقیہ کے پاس پہنچ جائے اور وہ مقصد حدیث پالے اور میری مراد کو پہنچ جائے۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں حاصل الفاظ ہے جسے ہم نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے ان حضورؐ کے یہ الفاظ علماء کو ہمیشہ ازبر رہنے چاہئیں جنہیں امام شافعیؒ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے۔

رب حامل فقه غير فقيه و رب حامل فقه الى من افقه منه[2]

ترجمہ: کئی علم کے اٹھانے والے تو ہیں لیکن علم رکھنے والے نہیں اور کئی علم تو رکھتے ہیں لیکن ان تک بات پہنچا دیتے ہیں جو ان سے بھی آگے ہوں

حضرت امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ کی نظر میں

قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

ترجمہ: سونے کی قدر سنار ہی جانتا ہے اور جواہرات کا پتہ جوہری کو ہی ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

الناس عيال على ابی حنيفة فی الفقه[3]

---

[1] توالی التاسیس صفحہ ۵۹ [2] رواہ الشافعی مشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [3] عقود الجمان صفحہ ۱۸۸

ترجمہ۔ لوگ سب کے سب دین سمجھنے میں (فقہ میں) ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں :۔

من اراد الفقه فهو عيال على ابي حنيفه۔۔۔ كان ابوحنيفه دقيله في الفقه مسلمًا له فيه [1]

ترجمہ۔ جو فقہ چاہے وہ ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے فقہ میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کا قول اس کے لیے تسلیم کیا جانے والا ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں :۔

من اراد ان يعرف الفقه فليلزم ابا حنيفه واصحابه فان الناس كلهم عيال عليه في الفقه [2]

ترجمہ۔ جو چاہتا ہے کہ دین کی سمجھ پائے (اسے فقہ کی معرفت ہو) وہ ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کی مجلس لازم پکڑے کیونکہ لوگ سب کے سب فقہ میں اُن کے بچے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کا ذاتی تعارُف

حضرت امام شافعیؒ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ یہ وہی سال ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ سفر آخرت پر چلے۔ آپ قریشی مطلبی ہیں اور آنحضرتؐ کی اس پیشگوئی کا مصداق کہ قریش کا ایک عالم دنیا کو علم سے بھر دے گا۔ آپ نے امام ابوحنیفہؒ کو نہیں دیکھا۔ امام محمدؒ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا اور ان کے علم وفضل کو دیکھا۔ جس سے انہیں یہ خوب اندازہ ہوا کہ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ علم وفضل اور فقہ حدیث میں کس اونچے مقام پر ہوں گے۔ [3]

حضرت امام شافعیؒ کی عملی زندگی خود اس بات کی شاہد عدل ہے کہ آپ کے دل میں حضرت

---

[1] انتقار صد۱۳۵ صد۱۳۶ الابن عبدالبر [2] بغدادی جلد ۱۳ صد۳۴۶ مناقب موفق جلد ۲ صد۳۱ [3] تذکرہ محدثین جلد ۱ صد۱۲۵

امام ابوحنیفہؒ کی یہ مقام قدر و منزلت تھی آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ :-

میں امام ابوحنیفہؒ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں جب کبھی مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو نفل پڑھ کر امام صاحبؒ کی روح کو ایصال کرتا ہوں اور خدا سے اپنی حاجت مانگتا ہوں، بہت جلد میری ضرورت پوری ہوجاتی ہے[1]

حضرت امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے علم اور فقہ میں تبحر امام ابوحنیفہؒ کی کتب دیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

من لم ینظر فی کتب ابی حنیفه لم یتبحر فی العلم ولا یتفقه۔[2]

ترجمہ جس نے امام ابوحنیفہؒ کی کتب نہیں دیکھیں اسے تبحر نہ کہیں حاصل ہو سکتا ہے نہ وہ دین کی سمجھ پا سکتا ہے۔

حضرت امام محمدؒ امام شافعیؒ کی نظر میں

آپ حضرت امام محمدؒ کے تذکرہ میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام محمدؒ کے بہت مداح اور آپ کے علم و فضل کے بہت معترف تھے حضرت امام شافعیؒ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا اور آپ سے برابر استفادہ کرتے رہے۔

حضرت امام محمدؒ کی اس قدر قدر و منزلت کا اندازہ آپ کے درج ذیل چند ارشادات سے لگا لیجئے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ :-

حملت عن محمد رحمه الله تعالیٰ وقر بعیر کتبا۔[3]

ترجمہ میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا ہے۔

---

[1] مناقب موفق جلد ۲ صـ۱۹۹ تذکرہ محدثین جلد ۱ صـ۱۲۵ [2] عقود الجمان صـ۱۸۴ للمحمد بن یوسف الشافعیؒ
[3] البدایہ جلد ۱۰ صـ۲۵۲ مغانی الاخیار للعینی صـ۹ تخلیص تہذیب الاسماء جلد ۱ صـ۸۱ للنووی

یعنی اتنی تحریریں لکھیں جنہیں ایک اونٹ ہی اٹھا سکے اس سے کم نہیں
راحت القلوب میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کا قول ہے کہ :۔
امام اعظمؒ کی شان تو بہت ہی بلند ہے ان کے شاگرد امام محمدؒ کا وہ درجہ تھا کہ
جب وہ سوار ہو کر کہیں جاتے تھے تو امام شافعیؒ ان کی رکاب کے ساتھ پیدل
چلتے تھے۔[1]

امام شافعیؒ امام محمدؒ کے علوم و معارف کے بہت گرویدہ تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ امام محمدؒ کی کتابوں سے برابر استفادہ کرتے رہیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے جامع بیان العلم میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کی خدمت میں چار شعر لکھ کر بھیجے جن کا ترجمہ یہ ہے :۔

اس شخص کو جس کے دیکھنے والوں نے اس کا مثل نہیں دیکھا اور جس نے اس کو دیکھا
اس نے گویا اس سے پہلے کے (استاد) کو بھی دیکھ لیا۔ میرا پیغام پہنچاؤ کہ علم اہل علم
کو اس امر سے روکتا ہے کہ وہ مستحقین علم سے روکا جائے کیونکہ امید یہی ہے کہ وہ
مستحق علم بھی آگے کے مستحق علم کو ہی مستفید کرے گا۔[2]

امام محمدؒ ان اشعار کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور مطلوبہ کتابیں بطور ہدیہ امام شافعیؒ کے پاس بھیج دیں۔[3]

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ علم اور دنیوی اسباب کے سلسلہ میں مجھ پر امام محمدؒ کا جتنا احسان ہے اتنا کسی اور کا نہیں :۔

لیس علیّ منة فی العلم واسباب الدنیا ما لمحمد۔[4]

امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم، آپ سے زیادہ فقیہ، حلال و حرام کو جاننے والا اور ناسخ و منسوخ اور ان کی علتوں کو پہنچاننے والا نہیں پایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری مدد فرمائی کہ حدیث میں ابن عیینہؒ اور فقہ میں امام محمدؒ کی شاگردی نصیب ہوئی ہے۔[5]

---

[1] حدائق الحنفیہ ص۱۴۳ [2] رواہ ابن جوزی فی المنتظم [3] مناقب کردری ص۱۵۱ج۲ تذکرہ ص۱۳۵ج۱ [4] مناقب ص۱۵۲ج۲ [5] الجواہر المضیۃ ص۴۲ج۲

محمد بن شجاع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دن امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ کی تقریر بہت ہی اچھے اور دلنشین انداز میں کی۔ پھر فرمایا کہ یہی طرز ہمارے شیخ واستاذ امام محمد رحمہ اللہ کا تھا۔[۱]

ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ امام محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک مکان میں رات گزاری۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو رات بھر نفل پڑھتے رہے لیکن امام محمد رحمہ اللہ ساری رات لیٹے رہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی صبح کی نماز کے لیے اپنے استاذ کے وضو کے واسطے پانی رکھا امام محمد رحمہ اللہ نے بغیر جدید وضو کے نماز صبح ادا کی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کو اور بھی تعجب ہوا پوچھا تو امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم نے اپنی ذات کے لیے ساری رات نفلیں پڑھیں۔ مگر میں نے امت محمدیہ کے لیے ساری رات جاگ کر کتاب اللہ سے ایک ہزار سے زیادہ مسائل نکالے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سن کر میں اپنی ساری رات کی بیداری کی بھول گیا۔ کیونکہ عبادت کرتے ہوئے جاگنا تو آسان ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے لیٹ کر جاگنے پر بہت تعجب ہوا۔[۲]

حضرت شافعی رحمہ اللہ کا نظریۂ حدیث

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ہیں اور قریشی مطلبی ہیں اور اس ناطے سے بھی آپ کو علم حدیث سے جو نسبت ہو سکتی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ پھر جس طرح امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے دور میں تمام قلمرو اسلامی کے بڑے بڑے علماء عجم سے تھے یا موالی میں سے تھے۔ صرف ابراہیم نخعی رحمہ اللہ عرب تھے جن کے سر پر علمی سربلندی کا ستارہ چمک رہا تھا (اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ انہی کے پیرو ہوئے) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اپنے وقت میں عرب کی عزت اور خاندان رسالت کے تاج تھے اس خاندانی قرابت سے آپ پر جب اہل بیت کی جرح کی گئی مگر آپ اس سے بالکل بے پرواہ رہے اور فرمایا:۔

---

[۱] مناقب کردری جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ [۲] دیکھئے مناقب کردری جلد ۲ صفحہ ۱۵۹، تذکرۃ المحدثین جلد ۱ صفحہ ۱۳۸

لوکان رفضا حب آل محمد فلیشھد الثقلان انی رافض

ترجمہ۔ اگر خاندان نبوت سے محبت رکھنا رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں ایسا ہی ہوں۔

۱۔ حدیث کے سامنے اپنے قول کو واپس لینا

آپ کا نظریۂ حدیث کیا تھا؟ آپ فرماتے ہیں :-

اذا صح عندکم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولوا بہ ودعوا قولی ۔ وفی روایۃ فاضربوا بقولی عرض الحائط فلا قولی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۱]

ترجمہ۔ جب تمہارے ہاں حضورؐ سے کوئی صحیح حدیث پہنچے (بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہوئی ہو اور اس کے مقابل کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو) تو تم فیصلہ اس کے مطابق دو اور میری بات چھوڑ دو۔ میری بات دیوار پر مارو حضورؐ کی بات کے ہوتے ہوئے میری کوئی بات بات نہیں ہے۔

نوٹ : آپ کے اس خطاب کا تعلق عوام سے نہیں ان لوگوں سے ہے جو علمی طور پر حدیث کی صحت اور اس کی معارضہ سے سلامتی کو جان سکیں۔

حضرت امام شافعیؒ کا مذہب بھی دوسرے ائمہ کرام کی طرح یہی تھا کہ حدیث صحیح کے مقابلے میں قیاس و رائے کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ آپ کی فقہ کی تعمیر اسی پر ہوئی کہ صحیح احادیث کو لیا جائے اور ضعیف کو ترک کر دیا جائے۔ عبادات کے مسائل میں بھی آپ بہت احتیاط کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔

---

[۱] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴

۲۔ آٹھ رکعت تراویح کی کوئی حدیث آپ کے ہاں صحیح نہ تھی

مندرجہ بالا سے پتہ چلتا ہے کہ اگر آٹھ رکعات تراویح کی ایک بھی صحیح حدیث آپ کے سامنے ہوتی تو آپ کبھی بیس رکعات تراویح نہ پڑھتے۔ بیس رکعت تراویح کا پڑھنا اور مکہ مکرمہ میں شروع سے لے کر آج تک بیس رکعات تراویح کا یہ تواتر پایا جانا اس بات کی قوی شہادت ہے کہ آٹھ رکعات تراویح کی ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔[۱]

ترجمہ۔ اور اس طرح ہم نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوئے پایا ہے

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو امام مالکؒ کا مؤطا زبانی یاد رکھتا ہو اور اس میں یہ روایت ہو کہ حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ نے گیارہ گیارہ رکعتیں پڑھائیں وہ اس پر عمل نہ کرے اور بیس رکعت تراویح پڑھے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ روایت اس کی نظر میں مضطرب ہو اور مؤطا کی اس روایت کے الفاظ احدی عشرۃ ہوں احدی وعشرین ہوں جیسا کہ محدث عبدالرزاق کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح کی ایک حدیث نہیں بلکہ احادیث موجود ہیں، وہ ذرا سوچیں کہ حضرت امام شافعیؒ نے آخر بیس رکعات تراویح ہی کو کیوں ترجیح دی۔ انہیں وہ حدیثیں کیوں نہ ملیں۔ آپ خود فرما چکے تھے کہ اگر میرا کوئی قول خلاف حدیث ہو تو اسے دیوار پہ مار دو۔

۳۔ حضرت امام شافعیؒ کا آمین کے بارے میں فیصلہ

آمین زور سے کہنی چاہیئے یا آہستہ؟ حضرت امام شافعیؒ مقتدیوں کے آہستہ آمین کہنے کو ہی پسند کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

---

[۱] جامع ترمذی جلد ۱ صـ۹۹

ولا احب ان یجھروا بھا۔ [1]

ترجمہ: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مقتدی بلند آواز سے آمین کہیں۔

اگر آمین بالجہر کی ایک حدیث بھی صحیح ہوتی کہ مقتدی اونچی آواز سے آمین کہیں تو امام شافعیؒ کبھی یہ نہ کہتے کہ میں آمین آہستہ کہنے کو ہی پسند کرتا ہوں جس شخص کا یہ اعلان ہو کہ حدیث صحیح کے مقابلے پر میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس کا آمین بالجہر کے مسئلے میں آہستہ آمین کہنے کا فیصلہ خود بتلاتا ہے کہ مقتدیوں کے آمین بالجہر کی کوئی حدیث اس مقام کو نہیں پہنچتی کہ اسے سنت قرار قرار دیا جاسکے۔

امام شافعیؒ سنن کبریٰ للبیہقی کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی آمین بالجہر کی روایت کے راوی ہیں۔ یہ روایت صریح طور پر مقتدیوں کو آمین بالجہر کا سبق دیتی ہے اور وہ بھی اس درجہ میں کہ مسجد تھرا اٹھے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ امام شافعیؒ نے اس روایت کو (جو صحیح بخاری میں تعلیقاً موجود ہے) قبول نہیں کیا اور اپنے مذہب کی بناء مقتدیوں کے آہستہ آمین کہنے پر رکھی ہے (دیکھئے کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۹۵) سو سنن کبریٰ بیہقی کی روایت (جلد ۲ صفحہ ۵۹) جسے امام شافعیؒ مسلم بن خالد الزنجیؒ سے اور وہ ابن جریج سے اور وہ اسے امام عطاء سے بصیغہ عن روایت کرتے ہیں ان کے یہاں ہرگز لائق قبول نہ تھی۔ اس روایت کے راوی مسلم بن خالد الزنجیؒ خود منکر الحدیث ہیں اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں:۔

جس کے حق میں میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت لینی حلال نہیں ہے۔ [2]

عبداللہ بن زبیرؓ کی اس روایت کو محدث عبدالرزاقؒ نے بھی المصنف میں روایت کیا ہے اس میں بھی ابن جریج موجود ہے جو مدلس ہے اور وہ یہاں سے امام عطاء سے بصیغہ عن روایت کر رہا ہے۔ یہ وہ نقائص تھے جن کی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس روایت کو سند متصل سے روایتاً نہیں فرمایا۔

---

[1] کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۹۵ [2] رفع یدین اور آمین صفحہ ۳۲ از مولانا اروڑی

۴. امام شافعیؒ طلاق ثلٰثہ کے مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ

امام شافعیؒ اس بات کے قائل نہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ جو خود صحیح مسلم کی اس مجمل روایت کے راوی ہیں فتوے دیتے تھے کہ ایک مجلس کی تین طلاق ہی ہیں۔ تین صرف اس عورت کے حق میں ایک سمجھی جائیں گی جو غیر مدخول بہا ہو (ابھی گھر آباد نہ ہوئی ہو)

امام ابو داؤدؒ نے اس مجمل روایت پر یہ باب باندھا ہے کہ یہ روایت زن غیر مدخولہ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ وہ تین طلاق کا محل ہی نہیں۔ اسے ایک دو تین سے تین طلاق دو تو بھی ایک ہی واقع ہوگی وہ پہلی ایک سے ہی بائن ہو جائے گی۔ اس کے بعد زوجین دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ضروری نہیں کہ وہ عورت کہیں اور نکاح کر چکی ہو۔ وہ اسی ترتیب طلاق سے پچھلی دو طلاقوں کا محل نہ رہی تھی

حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) شارح صحیح مسلم شافعی المسلک ہیں۔ آپ نے طلاق ثلٰثہ کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کو امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور دیگر ائمہ دین کے ساتھ ایک قرار دیا ہے آپ لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیں تو وہ امام شافعیؒ کے نزدیک تینوں واقع ہوں گی۔ ایسا نہیں جیسا کہ اہل حدیث (باصطلاح جدید) کہتے ہیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

فقال الشافعی ومالک وابوحنیفه واحمد وجماهیر العلماء من السلف و الخلف یقع الثلاث[1]

ترجمہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام احمدؒ سلف و خلف کے جمہور علماء اسی فیصلے پر ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ا ص۴۷۸

۵. متکلمین کے بالمقابل مسلک محدثین کی برتری

حضرت امام شافعیؒ اپنے وقت کے حدیث و فقہ کے جلیل القدر امام تھے۔ آپ نے حدیث و فقہ میں مشغول رہنے کو ہی دین قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ :۔

علیکم باصحاب الحدیث فانھم اکثر الناس صوابا۔ [۱]

ترجمہ: تم اصحاب الحدیث کے ساتھ چلو زیادہ تر راہ صواب پر یہی لوگ ہیں۔

یہاں اصحاب الحدیث بمقابلہ اصحاب علم کلام ہیں۔ ظاہر ہے کہ متکلمین جتنی باتوں میں بہک سکتے ہیں محدثین نہیں کیوں کہ ان کے ہاں عقل کو دین میں راہ نہیں ملتی۔ یہ صحیح ہے کہ متکلمین بھی عقل کو لگام دیتے ہیں بایں ہمہ امام شافعیؒ نے اپنے اصحاب کو نصیحت فرمائی کہ محدثین کے ساتھ رہنے میں ہی عافیت ہے کہ یہاں نقل ہی نقل ہے عقل کا روایات میں کوئی دخل ہی نہیں۔

اصحاب الحدیث کا اطلاق ان تمام اہل السنۃ والجماعۃ کو شامل ہے جو معتزلہ اور عقل کے سایہ میں چلنے والے دوسرے فرقوں کے مقابلے میں کتاب وسنت کے علمبردار رہے۔

اہل حدیث یا اصحاب الحدیث کا لفظ جب معتزلہ کے مقابلہ میں آئے تو یہ فقہاء اور محدثین دونوں کو شامل ہوتا ہے اور اس سے مراد صرف احادیث کی روایت و کتابت کرنے والے نہیں بلکہ حدیث کی معرفت رکھنے والے اور اس میں فقہ کی دولت پانے والے کل اہل حق مراد ہوتے ہیں۔ یہ لفظ متکلمین اور بالمقابل اہل نقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

نحن لا نعنی باھل الحدیث المقتصرین علی سماعہ اوکتابتہ او روایتہ بل نعنی بھم کل من کان احق بحفظہ ومعرفتہ وفھمہ ظاھرا و باطنا و اتباعہ باطنا وظاھرا۔ [۲]

ترجمہ: ہم اہل حدیث سے صرف وہی لوگ مراد نہیں لیتے جو حدیث سننے لکھنے اور

---

[۱] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴ [۲] نقض المنطق صفحہ ۱۸

ا سے روایت کرنے میں لگے رہیں بلکہ ہماری مراد تمام وہ لوگ ہیں جو ظاہراً اور باطناً حدیث کی حفاظت اور اس کی پہچان اور اس کے سمجھنے کا حق رکھتے ہوں اور ظاہراً اور باطناً حدیث کی اتباع کرتے ہیں۔

سو محدثین اور فقہاء سب ایک لائن پر ہیں اور وہ وہ ہیں جو دین کو نقل سے لیتے ہیں اور عقل اور منطق سے وہ دین کے مسائل طے نہیں کرتے

ان منطقیوں کے مقابلہ میں جو لوگ فقہ و حدیث کے پیرو ٹھہرے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ذہبی لکھتے ہیں ،

> یہ علوم حکمت و فلسفہ ایمان کو سلب کرنے والے اور دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے علوم ہیں اور خدا کی قسم صحابہؓ و تابعینؒ کو ان علوم سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ امام اوزاعی۔ سفیان الثوری۔ امام مالک امام ابوحنیفہ۔ ابن ذئب اور امام شعبہ ان میں سے کسی علم کو قابل التفات سمجھتے تھے اور نہ بخدا امام ابن المبارک ہی ان علوم کے قائل تھے اور نہ امام ابو یوسف ہی جن کا قول تھا کہ جس شخص نے علم کلام کے ذریعہ دین سیکھا وہ کافر ہو گیا اور نہ امام وکیع۔ ابن مہدی۔ ابن وہب۔ امام شافعی عفان۔ ابو عبید۔ ابن مدینی۔ امام احمد۔ ابو ثور۔ المزنی۔ امام بخاری۔ اثرم۔ امام مسلم۔ نسائی۔ ابن خزیمہ ابن سریج۔ ابن المنذر اور ان جیسے دوسرے ائمہ اسلام میں سے کسی نے بھی مذکورہ بالا علوم کو از قسم علوم نہیں سمجھا۔ اس کے برعکس ان ائمہ کے نزدیک اصل علوم جن کی تحصیل میں انہوں نے زندگیاں صرف کر دیں وہ قرآن حدیث اور فقہ ہیں۔[1]

یہاں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اسماء گرامی اصحاب الحدیث کی حیثیت سے ہیں اور یہ الفاظ حدیث و فقہ میں کام کرنے والے جملہ اہل حق کو شامل ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ خود بھی یہی فیصلہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۹۲ ترجمہ اردو

دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ علوم تین ہی ہیں. قرآن. حدیث اور فقہ. باقی جو کچھ ہے بس شغل ہی ہے حافظ ابن کثیرؒ آپ سے نقل کرتے ہیں :-

کل العلوم سوی القرآن مشغلۃ والا الحدیث والا الفقہ فی الدین[1]

یہ صحیح ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے حدیث روایت کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگایا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث میں آپ کا علم کسی محدث سے کم تھا. رہا یہ سوال کہ پھر خطیب نے آپ کو قلیل الحدیث کیوں کہا ہے ؟ ہم کہتے ہیں کہ اس طرف بھی دیکھیں کہ خطیب نے چھوڑا کس کو ہے. تیز مزاج لوگ کس طبقے میں نہیں ہوتے. اگر محدثین میں خطیب آنکلے تو کون سی تعجب کی بات ہے. بار بار یہ کہنا کہ خطیب کہتا ہے علم و دانش کی کوئی راہ نہیں :-

حضرت امام شافعیؒ کے قلیل الحدیث ہونے کا مطلب

حضرت امام شافعیؒ نے زیادہ وقت فقہ پر لگایا اور سید الفقہاء کہلائے. حدیث پڑھنے پڑھانے میں آپ نے زیادہ وقت نہیں لگایا قلیل الحدیث کا معنی یہ ہے کہ جو حدیث روایت کرنے میں کم دلچسپی لے جس طرح حضرت عمرؓ. حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے خارجہ بن زید. امام زفرؒ اور ان جیسے اور کئی بزرگ گزرے ہیں. اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بزرگوں کا علم حدیث کم تھا. حدیث کو زیادہ جاننے والے تو یہی لوگ ہیں. سو قلیل الحدیث ہونا ہرگز عیب نہیں ہے.

حضرت امام ابو قدامہؒ (جنہیں امام نسائی نے ثقہ اور مامون کہا. علامہ ذہبی الحافظ الحجہ کہتے ہیں. ان سے امام شافعیؒ. امام احمدؒ. اسحق بن راہویہ اور امام ابو عبید کے بارے میں پوچھا گیا. تو انہوں نے فرمایا :-

اما فہمہم فالشافعی الا انہ قلیل الحدیث[2]

ترجمہ. ان سب میں فہم میں زیادہ امام شافعی ہیں گر انہوں نے (امام احمد اسحق اور

---

[1] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴

ابوعبید کے مقابلہ میں) حدیث کم روایت کی ہے۔

اس جگہ قلیل الحدیث ہونے سے یہ مراد نہیں کہ امام شافعیؒ حدیث کم جاننے والے تھے۔ حدیث کے علم میں کم ہونا اور بات ہے اور قلیل الحدیث ہونا دوسری بات ہے آخر سب لوگ امام احمدؒ اور امام ابویوسفؒ تو نہیں ہوتے۔

حضرت امام شافعیؒ کے تفردات

امام شافعیؒ کبھی بعض مسائل کی تحقیق میں سب ائمہ سے اختلاف کر بیٹھتے ہیں۔ ان مسائل کو آپ کے تفردات کہا جاتا ہے فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھنے میں آپ دوسرے سب اماموں کی تحقیق کے خلاف چلے ہیں ائمہ اربعہ میں تینوں امام فاتحہ خلف الامام کو فرض نہیں کہتے۔ امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سب سے علیحدہ ہیں اور فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے دبے لفظوں میں آپ کے اسی تشدد کی شکایت کی ہے:۔

وشدّد قوم من اهل العلم في ترك قرأة فاتحة الكتاب وان كان خلف الامام فقالوا لا تجزئ صلوٰة الا بقرأة فاتحة الكتاب وحده كان اوخلف الامام۔[1]

ترجمہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے (امام شافعی اور امام بخاری نے) نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے کے بارے میں گو وہ امام کے پیچھے ہو شدت سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی وہ اکیلا ہو یا کہ امام کے پیچھے

امام شافعیؒ کی اس شدت میں صرف امام بخاریؒ نے ان کا ساتھ دیا ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اس شدت میں امام شافعیؒ سے بھی کچھ آگے نکل گئے۔ امام شافعیؒ صرف

---

[1] جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۴۱

سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کو ضروری جانتے تھے۔ مگر امام بخاریؒ جہری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور یہ بات محدثین کے نزدیک تشدد ہے۔

ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسلام جیسا دینِ فطرت یہ تعلیم کیسے دے سکتا ہے کہ امام کو تو کہے کہ تم قرات بالجہر کرو اور مقتدی کو کہے کہ تم نے اسے سننا نہیں تم اپنی سورۃ پڑھو۔ اگر ایسا ہوتا تو شریعت امام کو کبھی نہ کہتی کہ تم جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ بالجہر پڑھو۔ سو جب اسے بالجہر پڑھنے کو کہا تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مقتدی اب اسے سُنیں اور اپنی فاتحہ نہ پڑھیں۔ سو جو پھر بھی پڑھیں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ اپنی فاتحہ پڑھ چکے۔

امام شافعیؒ کی کتاب الام سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے حق میں نہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

ونحن نقول کل صلوٰۃ صلیت خلف الامام والامام یقرء قرأۃ لا یسمع فیہا قرأ فیہا [1]

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ ہر نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام سری نماز پڑھ رہا ہو تو اس میں مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے۔

دیکھئے امام شافعیؒ مقتدیوں کے لیے صرف سری نماز میں فاتحہ پڑھنے کے حق میں ہیں جہری نمازوں میں نہیں۔ پھر سری نمازوں میں آپ فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کے قائل نہ تھے۔ ورنہ کبھی یہ نہ کہتے کہ جس نے رکوع کی حالت میں امام کو پا لیا اس کی وہ رکعت صحیح ہو گئی۔ [2]

حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ جس نے امام کو حالتِ رکوع میں پالیا (وہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھی ہو) تو اس کی وہ رکعت پوری ہو جاتی ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابوثور، امام احمد، امام اسحٰق، اور ابن راہویہ کا یہی مسلک ہے اور صحابہؓ میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا یہی مسلک تھا اور ہم نے

---

[1] کتاب الام جلد ۷ صفحہ ۱۵۳ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۸۹

صہ میں ان کی جملہ اسانید درج کردی ہیں۔[1]

حضرت امام شافعیؒ کا دورِ تجدید

امام شافعیؒ سے پہلے علمی دنیا زیادہ تر اعتماد سے چلی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے دور میں کسی مسئلے کا یہ شہرت پا جانا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یا حضرت امام نخعیؒ کا فیصلہ ہے، عمل کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا اور عمل اہلِ مدینہ کے ہوتے ہوئے امام مالکؒ کسی اور روایت کو لائق توجہ نہ سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں بھی حدیث کو نہیں سنّت کو لائق تمسک سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب اسلام کے دائرہ میں اعتزال اور جبر و قدر، اور رفض و ارجاء داخل ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حالات کے اس نئے موڑ پر علماء کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب دین صرف اعتماد سے نہیں اسناد سے چلے گا اس سلسلے میں مجددانہ قدم حضرت الامام الشافعی رحمہ اللہ نے اٹھایا اور اس میں شک نہیں کہ آپ دوسری صدی کے مجدد تھے۔

ہمیں افسوس ہے کہ امام شافعیؒ کسی ایک جگہ کو مرکز بنا کر اپنا یہ علمی کام نہ کر سکے۔ آپ کا مختلف دیار و امصار میں گھومنا آپ کا بہت وقت لے گیا۔ آپ کا قیام زیادہ تر مصر اور مکہ کرمہ میں رہا۔ اگر آپ کو امام ابوحنیفہؒ کی طرح کسی بڑے صحابی کی گدی ملتی یا حضرت امام مالکؒ کی طرح جوارِ رسول میں ٹھکانا ملتا تو دنیا کے علم میں پھر انہی کا نام ہوتا۔

آپ سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زیادہ سنّت کے نام سے پھیلتی رہیں۔ آپ کی محنتوں سے حدیث کا دور دورہ شروع ہوا۔ آپ جب بغداد آئے تو علماء عراق نے آپ کا پُرجوش استقبال کیا اور آپ کو ناصر الحدیث کا لقب دیا۔ حدیث صدیوں کے فاصلے سے بھی سُنی جا سکتی ہے مگر سنّت میں ایک تسلسل ہے جو وقت کے ہر فاصلے کو روشن رکھتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب میں بغداد آیا تو:۔

---

[1] ماخوذ از امام الکلام صنا؟ اعلاء السنن جلد ۳ صہ ۳۰۵

سمیت بغداد ناصر الحدیث۔ [1]

امام شافعیؒ ان نئے حالات میں سند کی ضرورت پر خوب بولے۔ آپ نے اس نئے موضوع پر بڑے زوردار خطبے دیئے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے زمانے کو ہلا کر رکھ دیا اور اس نئے موڑ میں ان کی بہت ضرورت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ تاریخ اسلام کا پہلا دور خیر کا ہو گا اور جھوٹ دوسرے دور میں چلے گا۔ اب ظاہر ہے کہ جب جھوٹ کے رد کی ضرورت ہو گی تو قواعد تحدیث بھی مرتب ہوں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

اکرموا اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب۔ [2]

ترجمہ: میرے صحابہؓ کی عزت کرو کیونکہ وہ بہترین امت ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے ملیں، پھر وہ جو ان سے ملیں، پھر جھوٹ چھا جائے گا۔

جب جھوٹ کا دروازہ کھلے تو پڑتال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نئے دور میں اعتقادی فتنے اور مذاہب باطلہ جس چال سے اُٹھے حالات کا تقاضا تھا کہ اب سند مہیا ہو اور علم رجال قائم کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں شخصی اعتماد پر مرسل روایات لائق قبول تھیں۔ امام شافعی نے اپنا نظریہ یہ قائم کیا کہ صحابہؓ کی مرسل روایات تو حجت سمجھی جائیں لیکن تابعین کی مرسل روایات حجت نہ سمجھی جائیں۔ امام محمدؒ کے شاگردوں نے یہاں بھی امام شافعیؒ سے اختلاف کیا کہ جس طرح تم نے صحابہؓ کی مرسلات کو اس ضابطے سے مستثنیٰ کیا ہے۔ اکابر تابعین اور ائمہ فن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں نقل کریں اسے ان کے اعتماد پر کیوں نہ قبول کیا جائے۔ امام مالک کے پیروان کی وہ باتیں بھی قبول کرتے رہے جو انہوں نے بلغنی کہہ کر صحابہؓ سے نقل کی تھیں۔

حضرت امام مالکؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا دور نہیں پایا نہ وہ تابعی تھے لیکن دیکھئے بلغنی

---

[1] تہذیب جلد ۹ ص۲۸، ص۲۹

[2] مشکوٰۃ ص۵۵۴

کہ کس طرح وہ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ روایت کر رہے ہیں یہ اعتماد کی ایک بہت روشن مثال ہے۔

دورِ اعتماد اور دورِ اسناد کے اثرات

دورِ اعتماد میں سلسلۂ تقلید شروع ہو چکا تھا گو ابھی یہ تقلید شخصی نہ تھی۔ پھر دورِ اسناد آیا اور روایات پر سندیں پوچھی جانے لگیں۔ تاہم دورِ اعتماد کے حلقوں میں بھی اسناد کی لہریں چلنے لگیں اور ان حلقوں نے بھی متصل اسانید سے بھی اپنے فتاویٰ کو مسند کیا۔ یہاں تک کہ اسلام کے اس دورِ اعتماد کے علمی فیصلے بھی بہت جلد مرتب اور مستند ہو گئے۔ راویوں کی جرح و تعدیل کے ساتھ جو روایات بھی مسند اور مسلسل مل سکتی تھیں انہیں اس نئے دورِ اسناد میں اپنا مقام مل گیا یہاں تک کہ یہ دونوں سلسلے اپنے اصول و عقائد میں ایک ہو گئے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پہلے دور کے صحائف حدیث جیسے مؤطا امام مالک، کتاب الآثار لامام محمد، المصنف لعبد الرزاق، کتاب الام للامام الشافعی اور المصنف لابن ابی شیبہ کی وہ ترتیب و تبویب نہیں جو ہمیں بعد کے حدیث کے لٹریچر میں ملتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے حدیث اپنے علمی حلقوں میں معروف نہ تھی۔ یہ مستشرقین کا پروپیگنڈہ ہے کہ حدیث دورِ نبوت سے بہت بعد جا کر پہچانی گئی ہے۔ یہ سراسر غلط ہے کہ متونِ حدیث پہلے جمع ہوئے تھے اور اسانید انہیں بعد میں فراہم کی گئیں۔

استغفر اللہ العظیم

ے مالک بلغہ ان رجلاً قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائۃ تطلیقۃ فماذا ترٰی علیّ فقال لہ ابن عباس طلقت منک بثلٰث ص۲۰۹

اب غور کیجئے کیا اس سو طلاق دینے والے نے سو مہینوں میں وہ طلاقیں دی تھیں یا ایک ہی دفعہ۔ اگر ایک ہی دفعہ دیں تو پہلی تین جو تین مانی گئیں تو وہ بھی تو ایک ہی دفعہ دی ہوں گی نہ کہ تین مہینوں میں۔ فتفکر

دورِ اسناد کی درماندگی اور اعتماد کی بازگشت

امام شافعیؒ نے اسناد اور اتصالِ رواۃ پر بہت زور لگایا اور امت کو بار بار دربار رسالت تک راہ اسناد سے پہنچنے کی تلقین کی لیکن آخرکار آپ پر خود بھی ایسے مراحل آئے کہ آپ بعض مسائل کو روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ میں نہ ڈھونڈھ پائے اور بالآخر آپ کو بھی اعتماد کی دہلیز پر جھکنا پڑا۔ حضرت امام شافعیؒ کی اس بازگشت سے آنے والے ادوار پر بہت اثر ڈالا ـــ اور ابھی تیسری صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ عامۃ الناس تقلید میں ہی عافیت اور آخرت کی برأت سمجھنے لگے۔

مسئلہ تراویح میں کسی حدیث صحیح سے معلوم نہ ہو سکا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات جو تراویح ادا کیں کتنی رکعات تھیں؟ ـــ اب بجز اس کے اور کوئی راہ نہ تھی کہ تعاملِ امت پر فیصلہ کیا جائے۔ امام شافعیؒ نے تعامل دیکھ کر بیس رکعات تراویح کا ہی فیصلہ فرمایا اور دلیل میں فرمایا:۔

وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔[1]

ترجمہ۔ میں نے اہل مکہ کو اسی طرح بیس رکعت پڑھتے ہوئے پایا ہے

کیا یہ وہی اعتماد کی بازگشت نہیں جس کے خلاف آپ نے پہلے اتنے پُرزور استدلال کیے تھے۔

اس سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں عمل کا اصل سنگِ بنیاد اعتماد ہی رہا ہے تحقیق اور پڑتال نے بھی اس کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا ہے اور یہ فقہاء کے فتاوے ہی ہیں جن سے اس امت کے عملی قدم اسلام کے لیے اٹھتے رہے اور چلتے آئے ہیں جب تک دنیا میں اعتماد کا غلبہ رہا۔ امت میں ایک وحدت رہی جب ہر بات میں نئی تحقیقات ہونے لگیں تو پچھلی تاریخ کے ہر دور میں تشکیک کے کانٹے جا لگے۔ نئی نسلوں نے پہلوں سے بیگانگی اختیار کی اور تقلید اور اعتماد

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۹

کی دولت بکھر لٹ گئی اور حدیث کی جملہ اسانید کے بارے میں مستشرق گولڈ زیہر نے کہا کہ متونِ حدیث پہلے مرتب ہو گئے تھے اور سندیں انہیں بعد میں فراہم کی گئی تھیں۔ یہ ایک آواز ہے جو ابھی تک نہیں دبی

ڈاکٹر اقبال نے اس نئی تحقیق کی دنیا کو غمناک آنکھوں سے دیکھا اور پھر قوم کو عہدِ رفتہ پر لوٹنے کی آواز دی۔ ؎

راہ آباء رو کہ ایں جمعیت است　　　معنئ تقلید ضبطِ ملت است

نوٹ: امام شافعیؒ کا سال پیدائش ۱۵۰ھ ہے جو امام ابو حنیفہؒ کا سال وفات تھا اور امام شافعیؒ کا سال وفات ۲۰۴ھ ہے جو امام مسلمؒ کا سال پیدائش تھا۔ یہ عجیب حکمتِ الٰہیہ ہے کہ ایک بزرگ جاتا ہے اور ایک بزرگ آتا ہے۔ یہ سب حضرات اہلِ حق کے قافلے کے افراد ہیں جو اپنے وقت میں آئے اپنی شمع فروزاں کی اور چل دیئے۔

⑪ حضرت امام اسحٰق بن ابراہیم راہویہؒ (۲۳۸ھ)

حضرت امام اسحٰق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہؒ حافظ کبیر اور مجتہد جلیل تھے آپ مرو (نیشاپور) کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی بھی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور یہیں سے آپ کچھ فقہ حنفی سے متعارف ہوئے۔ پھر بصرہ میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کی شاگردی کی اور بالآخر مستقل مجتہد کے طور پر مسائل طے کرنے لگے آپ حضرت امام بخاریؒ کے نامور اساتذہ میں سے ہیں۔ امام ترمذیؒ جہاں دوسرے مجتہدین کے مذاہب نقل کرتے ہیں وہاں آپ ان کا مذہب بھی کہیں کہیں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اسحٰق نے یوں کہا۔

امام اسحٰقؒ کے اساتذہ

آپ کے اساتذہ حدیث حضرت جریر بن عبدالحمیدؒ۔ حضرت عبدالعزیز بن عبدالصمدؒ حضرت فضیل بن عیاضؒ حضرت عیسیٰ بن یونسؒ حضرت درواردیؒ اور دیگر کئی حضرات ہیں[1]

آپ نے امام سفیان بن عیینہؒ اسماعیل بن علیہؒ بشر بن المفضلؒ امام حفص بن غیاثؒ ابن ادریسؒ امام عبداللہ بن مبارکؒ۔ امام عبدالرزاق حضرت شعیب بن اسحٰقؒ وغیرہم سے بھی حدیث روایت کی ہے۔

جس طرح آپ کے تلامذہ میں امام بخاریؒ ہیں سوائے امام ابن ماجہؒ کے باقی ارباب صحاح ستہ بھی آپ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں آپ سے امام احمدؒ امام یحییٰ بن معینؒ یحییٰ بن آدمؒ حسن بن سفیانؒ اور ابوالعباس بن سراجؒ وغیرہم نے حدیث روایت کی ہے

امام اسحٰق بن راہویہؒ کے حوالہ سے یہ روایت دیکھئے۔

اسحٰق عن شبابہ عن اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن انس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ۲۲۵ [2] تہذیب جلد ا صفحہ ۲۱۹ بحوالہ میزان الاعتدال

حدیث کے یہ الفاظ صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۴۵ پر بھی موجود ہیں۔ مگر سند دوسری ہے۔

حضرت امام کا مرتبہ علمی

حضرت امام احمدؒ امام اسحٰق رحؒ کو امام من ائمۃ المسلمین کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے اسحٰق رحؒ کی نظیر نہیں دیکھی۔[1]

حضرت سعید بن ذوئب بھی یہی فرماتے تھے۔[2]

حافظ ابن کثیرؒ آپ کو احد الاعلام وعلماء الاسلام والمجتهدین من الانام لکھتے ہیں۔[3]

علامہ ذہبیؒ نے آپ کو الحافظ الکبیر امام اور حجۃ اہل مشرق کے شیخ فرمایا ہے۔[4]

حافظ ابن حجرؒ آپ کو احد الائمۃ لکھتے ہیں۔[5]

امام نسائی رحؒ نے بھی آپ کو احد الائمۃ ثقۃ مامون فرمایا۔[6]

امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ اسحٰق سے زیادہ کسی کو قوی الحافظہ نہیں دیکھا۔

ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ مجھے ان کے قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ ضبطِ احادیث اور ان کے حدیث میں غلطیوں سے بچے رہنے پر تعجب ہوتا ہے:۔

والعجب من اتقانه وسلامته من الغلط مع ما رزق من الحفظ۔[7]

ابن حبان رحؒ نے لکھا ہے کہ اسحٰق اپنے زمانے میں فقہ، علم اور حفظ کے اعتبار سے سب کے سردار تھے۔[8]

ابوداؤد خفافؒ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

میری کتابوں میں لکھی ہوئی ایک لاکھ حدیث اس طرح میری آنکھوں کے سامنے ہے، جیسے میں ان کو دیکھ رہا ہوں اور تیس ہزار احادیث تو میں روانی کے ساتھ ازبر پڑھ سکتا ہوں۔[9]

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص۲۲۵ [2] تہذیب جلد ۱ ص۲۱۷ [3] البغدادی جلد ۶ ص۳۵۵ [4] البدایہ جلد ۱۰ ص۳۱۷ [5] تذکرہ جلد ۱ ص۲۲۵
[6] تہذیب جلد ۱ ص۲۱۶ [7] ایضاً [8] تہذیب جلد ۱ ص۲۱۸ [9] ایضاً ص۲۱۹ [10] تذکرہ جلد ۱ ص۲۲۵

ابو داؤدؒ یہ بھی کہتے ہیں :-

ایک مرتبہ ہمیں آپ نے گیارہ ہزار احادیث زبانی لکھوائیں پھر ان کو پڑھ کر سنایا اور ایک حرف میں بھی کمی بیشی نہ تھی [1]

یہاں یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب امام بخاریؒ کے استاد امام اسحٰقؒ کے پاس گیارہ ہزار حدیثیں موجود تھیں جو لکھنے کے لائق تھیں تو صحیح بخاری کی حدیثیں بحذف مکررات چار ہزار کیوں ہیں؟ اس کا جواب امام بخاریؒ خود دے چکے ہیں کہ میں نے بہت سی صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں اور انہیں صحیح بخاری میں نہیں لکھا ۔ اگر امام بخاریؒ سب صحیح حدیثیں اس میں لے آتے تو بہت امید تھی کہ ان احادیث میں امام ابو حنیفہؒ کی تائید میں اور زیادہ مواد ہوتا۔

وہب بن جریرؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام اسحٰقؒ کو اسلام کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے :

جزی اللہ اسحق بن راھویہ عن الاسلام خیرًا

امام ابن خزیمہؒ کہتے ہیں :-

واللہ لوکان فی التابعین لا قروا لہ بحفظہ وعلمہ وفقھہ [2]

ترجمہ . اور اگر آپ تابعینؒ کے دور میں ہوتے تو وہ یقیناً آپ کے حفظ علم اور فقہ کا اقرار کرتے ۔

حضرت امام سفیان الثوریؒ جیسے ائمہ مجتہدین جن کی کچھ عرصہ تک تقلید بھی جاری رہی انہیں بعض علماء نے امام اسحٰق بن راہویہؒ سے پیچھے رکھا ہے . علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں :-

اگر سفیان الثوریؒ حماد بن زیدؒ اور حماد بن سلمہؒ زندہ ہوتے تو ان کے محتاج ہوتے [3]

حضرت امام بخاریؒ کے استاد امام حمیدیؒ (۲۱۹ھ) جو امام سفیان بن عیینہؒ مسلم بن خالد الزنجیؒ اور امام فضیل بن عیاضؒ کے شاگرد تھے . فقہ میں امام شافعیؒ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں ان

---

[1] تہذیب جلد ۱ ص ۲۱۷ [2] ایضاً [3] تذکرہ جلد ۲ ص ۲۱۵

کے ذریعہ امام بخاری رح پر امام شافعی رح کا رنگ کچھ تیز رہا۔ مگر جب امام بخاری رح امام اسحٰق رح کی شاگردی میں آئے تو بہت سے مسائل میں آپ نے کھل کر امام شافعی رح کی مخالفت کی اور امام اسحٰق رح کے ذریعہ بعض مسائل کو حنفی مسلک کے مطابق پایا۔

محدثِ کبیر حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رح نے فیض الباری شرح صحیح البخاری کے آخر میں ان مسائل کی ایک فہرست مرتب کی ہے جن میں امام بخاری رح امام اسحٰق بن راہویہ رح کے طریقے پر چلے ہیں اور ان میں امام بخاری رح احناف کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ امام حمیدی رح بھی بقول امام محمد رح مرتبہ امامت (اجتہاد) پر پہنچے ہوئے تھے [1]

مگر ان کی نسبت امام شافعی رح سے ایسی ہو گئی تھی جیسی امام محمد رح کی امام ابوحنیفہ رح سے ہو۔ اگر ابن عبدالحکیم رح ان کی مخالفت نہ کرتے تو حمیدی رح ہی امام شافعی رح کے جانشین ہوتے۔

ہم یہاں امام اسحٰق رح کا ذکر مجتہدین کے ذیل میں کر رہے ہیں اور حق یہ ہے کہ آپ مجتہد تھے مگر آگے ان کی پیروی نہ چل سکی۔ تاہم ان حضرات کے جو علمی سرتی محفوظ رہ گئے وہ وہی ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ امام ترمذی رح بھی کئی جگہ دیگر مذاہب کے ساتھ ان کا مذہب نقل کرتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رح امام اسحٰق رح کی نظر میں

امام اسحٰق بن راہویہ رح امام ابوحنیفہ رح کے انتقال کے تقریباً گیارہ یا پندرہ سال بعد پیدا ہوئے تھے اور آپ نے امام محمد رح کو نہ دیکھا تھا۔ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہ رح کی فقہ کی کچھ تعلیم عبداللہ بن مبارک رح سے حاصل کی اس سے آپ کے دل میں حضرت امام ابوحنیفہ رح کی عقیدت و عظمت اس طرح قائم ہوئی آپ فرمایا کرتے تھے:۔

میں نے کسی کو ان سے زیادہ احکام و قضایا کا عالم نہیں پایا۔ امام ابوحنیفہ رح کو

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ ۲۱۲

عہدۂ قضا قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ اور مارا بھی گیا مگر آپ نے کسی طرح قبول نہیں کیا۔ آپ تعلیم وارشاد محض خدا کے لیے کرتے تھے۔ لہ

(۱) حضرت امام اسحٰق بن راہویہؒ فاتحہ خلف الامام کے حق میں نہ تھے۔ حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وجملة ذلك ان القرأة غير واجبة على المأموم فيما يجهر به الامام ولا فيما اسر به نص عليه احمد فى رواية الجماعة وبذلك قال الزهرى والثورى وابن عيينة وابن مالك وابوحنيفة واسحق بن راهويه۔ ٹه

اس میں تصریح ہے کہ امام اسحٰق بن راہویہؒ مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب نہ جانتے تھے۔ ہمیں امام ترمذیؒ کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ امام اسحٰق بن راہویہؒ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے۔ ٹه

یہ امام ترمذیؒ کا وہم ہے۔ امام ترمذیؒ نے جن اکابر کے نام سے یہ مسلک نقل کیا ہے ان میں صحابہؓ وتابعینؒ امام مالکؒ۔ امام ابن المبارکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام احمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ سب آتے ہیں ۔۔۔ ان میں اکثر اکابر وہ ہیں جو صراحتًہ یہ کہتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام واجب نہیں ہے لیجئے مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری سے بھی اس کی شہادت لے لیجئے۔ آپ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فيه اجمال ومقصوده ان هؤلاء الائمة كلهم يرون القرأة خلف الامام اما فى جميع الصلوٰة او فى الصلوٰة السرية فقط۔ اما على سبيل الوجوب او على سبيل الاستحباب والاستحسان۔ ٹه

ترجمہ۔ امام ترمذیؒ کی یہ عبارت مجمل ہے۔ آپ کا مقصود صرف یہ ہے کہ یہ سب ائمہ قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ (۱) سب نمازوں میں یا صرف سری نمازوں

لہ مناقب کردری جلد ۲ صـ۵۸ ٹه المغنی جلد ۱ صـ ٹه جامع ترمذی جلد ۱ صـ۷۱ ٹه تحفۃ الاحوذی جلد ۱ صـ۲۵۶

" اور پھر سورۂ فاتحہ کو واجب سمجھتے ہوئے یا مستحب جانتے ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا امام ترمذی کے ہاں بھی ان حضرات کا فاتحہ خلف الامام کا قول کرنا فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے لیے نہ تھا۔

مولانا مبارک پوری آگے چل کر صراحت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ تمام نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے قائل نہ تھے۔[1]

اور امام ابن المبارکؒ کے بارے میں بھی آپ نے لکھ دیا ہے کہ وہ بھی فاتحہ خلف الامام کو واجب نہ سمجھتے تھے۔[1]

آپ پچھلے صفحات میں امام مالکؒ کا مذہب پڑھ چکے ہیں اور اگلے صفحات میں امام احمدؒ کے مذہب پر بھی نظر کریں گے جہاں تک امام اسحٰقؒ کے مذہب کا تعلق ہے آپ ابن قدامہؒ کی تصریح پڑھ چکے ہیں کہ اس باب میں امام اسحٰقؒ کا مذہب فقہ حنفی ہی کی طرح ہے۔

(۲) ایک مجلس میں دی جانے والی اکٹھی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے

امام اسحٰق بن راہویہؒ بے شک بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کرام سے بھی اختلاف کرتے رہے لیکن تین طلاق کے معاملے میں آپ نے بھی وہی موقف اپنایا ہے جو تمام ائمہ محققین کا متفقہ موقف رہا تھا۔

شارح بخاری علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوري وابو حنيفة واصحابه ومالك واصحابه والشافعي واصحابه واحمد واصحابه واسحٰق وابو ثور وابو عبيد وآخرون كثيرون على ان من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لاهل السنة وانما تعلق به اهل البدع ومن لا يلتفت اليه لشذوذه عن الجماعة التي لا يجوز عليهم التواطؤ على تحريف الكتاب والسنة۔[2]

---

[1] دیکھئے تحفۃ الاحوذی صفحہ ۲۵۷ [2] عمدۃ القاری جلد ۲۰ صفحہ ۲۳۳

⑫ حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانیؒ (۲۴۱ھ)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ مرو میں پیدا ہوئے زیادہ سکونت بغداد میں رہی۔ آپ نے بغداد کے بہت سے علماء اور شیوخ سے علم حاصل فرمایا آپ کے اساتذہ میں امام ابو یوسفؒ، امام وکیعؒ، یحییٰ بن زائدہؒ اور امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر اکابرین ہیں۔ آپ ابراہیم بن سعدؒ، سفیان بن عیینہؒ، اسماعیل بن علیہؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ وغیرہم سے بھی روایت کرتے ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابو داؤدؒ، امام ابوزرعہؒ، امام ابوالقاسم بغویؒ جیسی شخصیتیں ہیں آپ سے اور بھی بہت سے نامور علماء نے فیض حاصل کیا۔[1]

آپ امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت کریمہ سے بہت متاثر تھے۔ یہ امام ابو یوسفؒ کی شاگردی کا اثر تھا۔

علامہ ابن حجر شافعی مکیؒ نے امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ علم و تقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس مقام پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکتا۔[2]

جب امام احمدؒ مسئلہ خلقِ قرآن کے سلسلے میں قید ہوئے اور آپ کو صعوبتوں میں ڈالا گیا اس وقت آپ کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کی شریعت تھی جس نے آپ کو حوصلہ اور ثابت قدمی عطا کی تھی۔ آپ ابوحنیفہؒ کے لیے دعائے رحمت فرماتے تھے۔ اور آپ کی جرأت و عزیمت کی داد دیتے تھے۔

وکان احمد بن حنبل اذا ذکر ذٰلک بکی و ترحم علی ابی حنیفه و ذٰلک بعد ان ضرب احمد۔[3]

ترجمہ۔ امام احمدؒ جب آپ کو یاد کرتے تو رو پڑتے اور آپ کے لیے دعا کرتے یہ آپ کے اس ابتلاء میں زدوکوب ہونے کے بعد کی بات ہے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۳۱ [2] درمختار، الخیرات الحسان صفحہ ۳۳ [3] بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۷ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۶۳

آپ امام ابو یوسفؒ کے شاگرد رشید تھے اور فرمایا کرتے تھے :

سب سے پہلے مجھے حدیث کا علم امام ابو یوسفؒ ہی کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا پھر اسی میں ترقی کی[۱]

حافظ ابن سید الناس نے شرح السیرۃ میں لکھا ہے :-

امام احمدؒ نے ابتداء میں امام ابو یوسفؒ کے پاس فقہ و حدیث کا علم حاصل کیا۔ سال تک ان سے پڑھتے رہے اور ان سے بقدر تین المایوں کے کتابیں لکھیں[۲]

آپ حضرت امام محمدؒ کی جلالت علم اور عمق فقہ کے بھی بے حد معترف تھے۔ آپ سے انہیں ایک خاندانی نسبت بھی تھی۔ آپ کہتے عام فرماتے تھے کہ مجھے امام محمدؒ کی کتابوں سے دقیق مسائل حاصل ہوئے ہیں آپ سے پوچھا گیا :

هٰذه المسائل الدقائق من این هی لك قال من کتب محمد بن الحسن رحمه الله[۳]

ترجمہ۔ یہ باریک مسائل آپ کو کہاں سے ملے ہیں (آپ نے کہا) امام محمدؒ کی کتابوں سے۔

امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے :-

جب کسی مسئلہ میں تین حضرات کی رائے جمع ہو جائے تو پھر کسی کی بھی مخالفت کی پروا نہ کی جائے (آپ سے پوچھا گیا وہ کون ہیں ؟ تو فرمایا) ابو حنیفہؒ ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسن الشیبانیؒ۔ کیونکہ ابو حنیفہؒ قیاس کی بصیرت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ ابو یوسفؒ کا علم آثار سے متعلق بہت وسیع ہے اور محمدؒ عربیت کے امام ہیں[۴]

حضرت امام یحییٰ بن سعید القطانؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے خاص مسترشدین میں سے تھے اور

---

[۱] مناقب موفق جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ [۲] تذکرہ محدثین جلد ۱ صفحہ ۱۳۹ [۳] البدایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۲
[۴] الانساب للسمعانی صفحہ التعلیق الممجد صفحہ تذکرہ محدثین جلد ۱ صفحہ ۱۳۹

اور امام صاحبؒ ہی کے مذہب پر فتوے دیتے تھے آپ کے اُستاد تھے۔ حضرت امام احمدؒ امام یحییٰ بن معینؒ اور امام علی بن المدینیؒ اکٹھے آپ کی خدمت میں (یحییٰ بن سعیدؒ کی خدمت میں) حاضر ہوتے اور کھڑے ہو کر حدیث کی تحقیق کرتے۔ استاد کا اتنا احترام تھا کہ بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

حضرت امام شافعیؒ سے بھی آپ کو خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا۔ امام شافعیؒ کا بھی بے حد ادب و احترام فرماتے تھے اور امام شافعیؒ بھی اپنے شاگردِ رشید سے بہت محبت فرماتے تھے اور آپ کی جلالتِ علم تقوے اور فقہ و دانش کی تعریف فرماتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ جب میں بغداد سے نکلا تو میں نے اپنے پیچھے کوئی ایسا آدمی نہیں چھوڑا جو علم و فضل اور فقہ و دانش میں امام احمدؒ سے بڑھا ہوا ہو۔[1]

امام اسحٰق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اس زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں:۔

احمد حجة بين الله وبين عبيده في ارضه۔[2]

امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی مدد دو شخصوں کے ذریعہ فرمائی :۔

۱. فتنۂ ارتداد کے وقت سیدنا صدیق اکبرؓ اُٹھے۔

۲. فتنۂ خلق قرآن کے زمانہ میں امام احمدؒ اُٹھے۔[3]

امام ابو زرعہؒ فرماتے ہیں کہ آپ کو دس لاکھ حدیث یاد تھی۔[4]

امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ واللہ میں نے امام احمدؒ جیسا شخص نہیں دیکھا[5]

اور فرمایا کہ آپ محدث۔ حافظ۔ عالم متقی۔ زاہد اور عاقل تھے۔[6]

ابو ثورؒ فرماتے تھے کہ امام احمدؒ سفیان ثوریؒ سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے۔[7]

اور فرمایا: احمد شيخنا وامامنا۔[8]

---

[1] تہذیب جلد ۱ ص ۴۳، البدایہ جلد ۱۰ ص ۳۲۵ [2] تذکرہ جلد ۱ ص ۴۲۳ [3] البدایہ ص ۳۲۶ [4] تذکرہ جلد ۱ ص ۴۲۳ [5] ایضاً و تہذیب جلد ۱ ص ۴۲ [6] تذکرہ [7] البدایہ جلد ۱ ص ۳۲۶ [8] تذکرہ [9] تہذیب ص ۴۴

ابو عبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص جیسا نہیں پایا۔[۱]

ابراہیم حربیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب لوگوں کا علم ان کے سینہ میں جمع کر دیا ہے۔[۲]

امام قتیبہؒ آپ کو امام الدنیا کہا کرتے تھے۔[۳] کہ دنیا میں ان کی نظیر نہیں سب کے سردار ہیں۔

فریابیؒ آپ کو افضل زمانہ کہتے ہیں۔[۴]

علامہ عجلیؒ نے آپ کو ثقہ حدیث میں ثبت فقیہ فی الحدیث متبع الآثار اور صاحب سنہ کہا ہے۔[۵]

امام ابو حاتمؒ آپ کو امام اور حجت کہتے ہیں۔ امام نسائیؒ نے آپ کو احد الائمۃ ثقہ مامون فرمایا۔[۶]

ابن حبانؒ نے ثقات میں آپ کو حافظ متقن اور فقیہ فرمایا۔ ابن سعدؒ نے آپ کو ثقہ ثبت صدوق اور کثیر الحدیث لکھا ہے۔[۷]

حافظ ابن کثیرؒ آپ کو الامام اور من ائمۃ اہل العلم لکھتے ہیں۔[۸]

جب کہ علامہ ذہبیؒ آپ کو شیخ الاسلام۔ سید المسلمین الحافظ اور الحجۃ لکھتے ہیں۔[۹]

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد امام المحدثین۔ ناصر الدین۔ المناضل من السنۃ۔ الصابر فی المحنۃ تھے۔[۱۰]

علامہ ذہبیؒ تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ۔ علامہ ابن جوزیؒ۔ شیخ الاسلام انصاریؒ نے آپ کے حالات پر مستقل کتابیں لکھیں۔

مرکزِ علم کوفہ امام احمدؒ کی نظر میں

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ امام احمدؒ نے جس طرح بغداد کے علماء و شیوخ سے علم حاصل کیا۔ کوفہ کے بھی علماء سے استفادہ کیا۔ آپ کی نظر میں جس طرح مکہ اور مدینہ مرکزِ علم تھے کوفہ اور بصرہ بھی علم کی

---

۱ تہذیب ص۷۴ ۲ تذکرہ ص۴۲۲ ۳ تہذیب ص۷۵ ۴ ایضاً ۵ ایضاً ۶ ایضاً ۷ ایضاً ۸ البدایہ ص۳۲۷ ج۱۰
۹ تذکرہ جلد ۱ ص۴۲۲ ۱۰ بغدادی جلد ۴ ص۴۱۲

دولت سے مالامال تھے. آپ کے صاحبزادے امام عبداللہؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ انسان علم حاصل کرنے کے لیے ایک ہی اُستاد کے پاس رہے یا دیگر مقامات کے شیوخ سے استفادہ کرے. آپ نے ارشاد فرمایا :۔

یرحل ویکتب من الکوفیین والبصریین واھل المدینۃ والمکۃ .[1]

ترجمہ. چاہیئے کہ سفر کرے اور (علماء) اہل کوفہ و بصرہ. (اور علماء) اہل مدینہ و مکہ سے (علم) حاصل کرے.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ان دنوں مکہ اور مدینہ مرکزِ علم سمجھے جاتے تھے کوفہ اور بصرہ بھی مراکزِ علم میں سے تھے.

آپ کے شاگرد رشید امام بخاریؒ بھی لاتعداد مرتبہ کوفہ گئے اور وہاں کے شیوخ و علماء سے حدیث کی سماعت کی. کوفہ کی علمی شہرت ان دنوں بہت اُونچی تھی. امام بخاریؒ فرماتے ہیں :۔

لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ وبغداد مع المحدثین .[2]

ترجمہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں دیگر محدثین کے ساتھ کتنی دفعہ کوفہ اور بغداد گیا ہوں

امام نوویؒ فرماتے ہیں کوفہ علم و فضل کا مرکز رہا ہے :۔

وھی دار الفضل ومحل الفضلاء .[3]

امام احمدؒ نے اسی لیے اپنے فرزندِ ارجمند کو علماء اہلِ کوفہ سے بھی علم حاصل کرنے کی تلقین فرمائی.

علم فقہ امام احمدؒ کی نظر میں

حدیث کا یاد کر لینا اور اس کا حافظ ہو جانا اور بات ہے. اور اس میں معرفت رکھنا اور فقہ حاصل کرنا یہ دوسری بات ہے.

حضرت جبیر بن مطعمؓ (م ۵۴ھ) سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

---

[1] تدریب الراوی ص۱۷۷ [2] فتح الباری جلد ۱ ص [3] شرح مسلم جلد ۱ ص۱۸۵

نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الی من لم یسمعھا فرب حامل فقہ لافقہ لہ ورب حامل فقہ الی من افقہ منہ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو سرسبز رکھے جس نے میری بات سُنی اور اسے محفوظ رکھا اور اسے اس شخص تک پہنچایا جس نے اسے نہ سُنا تھا بہت سے حامل فقہ ہوتے ہیں (مگر وہ روایت کو سمجھتے نہیں) انہیں فقہ حاصل نہیں ہوتی اور کئی حاملِ فقہ ہوتے ہیں (جو فقیہ تو ہوتے ہیں) جو اپنے سے بڑے فقیہ کو وہ روایات پہنچا دیتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہو سکتا ہے بہت سے لوگ حافظِ حدیث تو ہوں گے لیکن حدیث میں تفقہ کرنا ان کا کام نہ ہوگا۔ انہیں بتلایا گیا کہ وہ اس حدیث کو اس کے اصل مستحق یعنی فقیہ تک پہنچا دیں۔ کیونکہ حدیث کی اصل مراد پانے والے اور اس میں سے مسائل استنباط کرنے والے وہی اہلِ فقہ ہیں جن کے ذریعہ امت اپنے نبی کی اصل مراد پا سکے۔

حضرت امام احمدؒ اپنے وقت کے بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ مسند امام احمدؒ آپ کی منزلت علمی پر شاہد ہے۔ تاہم آپ کو یہ بات زیادہ پسند تھی کہ حدیث میں معرفت اور تفقہ حاصل ہو جائے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

قال احمد بن حنبل معرفۃ الحدیث والفقہ فیہ احبّ الی من حفظہ [2]

ترجمہ: مجھے حدیث کی معرفت اور فقہ حدیث کو یاد کرنے سے زیادہ پسند ہے یعنی میں حافظ الحدیث ہونے سے فقیہ ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

حضرت امام احمدؒ گو محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ اور مجتہد العصر بھی تھے۔ لیکن آپ کے اجتہادات کی فہرست دوسرے ائمہ فقہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی نسبت سے بہت کم ہے۔ آپ فتوے دینے میں بھی بہت احتیاط فرماتے تھے اور زیادہ تر دوسرے اکابر کی طرف رجوع کرنے کی

---

[1] ابن ماجہ ص۲۱ وسنن دارمی جلد ۱ ص۷۵ [2] منہاج السنۃ جلد ۲ ص۱۱۵

تاکید کرتے. آپ کے دل میں فقہاء کا بہت احترام تھا. ایک مرتبہ ایک سائل کے سوال پر فرمایا ۔

سل عافاك الله غيرنا سل الفقهاء سل ابا ثور [۱]

ترجمہ. اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے ہمارے علاوہ اوروں سے پوچھو فقہاء سے پوچھو ابا ثور سے پوچھو ۔

امام احمدؒ کی تفقہ اور اجتہاد میں وہ شہرت نہ ہوئی جو آپ کے شیخ امام شافعیؒ اور شیخ الشیوخ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی تھی. یہ اس لیے کہ ان پہلے حضرات کے علمی کام نے دنیائے اسلام کو علم سے اتنا سیراب کر دیا تھا کہ اب ہر آنے والے کے لیے زمین بہت تنگ تھی.

آپ کے مقلدین کی تعداد بھی صرف شام, عراق اور اس کے اردگرد ہی رہی. جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین نہ صرف عراق, ہندوستان, چین تک رہے بلکہ ماوراءالنہر اور عجم کے سب شہروں میں امام ابوحنیفہؒ کی ہی علمی سطوت قائم رہی. علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں ۔

امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق, ہندوستان, چین, ماوراء النہر و بلاد العجم کلہا میں پھیلے ہوئے تھے [۲]

علامہ ابن خلدون نے امام احمدؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ۔

فاما احمد بن حنبل فمقلده قليل لبعد مذهبه عن الاجتهاد و اصالته فى معاضدة الرواية وللاخبار بعضها ببعض واكثرهم بالشام والعراق من بغداد ونواحيها [۳]

ترجمہ. امام احمدؒ کے اس لیے مقلد کم ہیں کہ آپ کا دور عہد اجتہاد کے آخر کا ہے اور اس کی اصل روایات کی قوت اور ان کا آپس میں چرچا ہی رہا ہے. یہ حضرات زیادہ تر شام اور عراق, بغداد اور اس کے گرد و نواح میں پائے گئے ہیں.

ظاہر ہے کہ صرف روایت اور حدیث سے مسئلے کا حل نہیں ہوا کرتا. بہت سے پہلوؤں

---

[۱] بغدادی جلد ۲ ص ۶۶ [۲] مقدمہ ابن خلدون ص [۳] ایضاً

میں قیاس و اجتہاد سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ نے گو اس سے بھی کام لیا لیکن ان کی مقدار چونکہ بہت کم ہے اس لیے آپ کے مقلدین کی تعداد بھی ایک علاقے تک رہی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ لکھتے ہیں :۔

> و مذہب امام احمد در خود قدیم و حدیث زمان قلیل بوده ۔ زیرا کہ اجتہادِ او قلیل بلکہ اقل بلکہ نیست و مذہب او ہمیں بر حدیث بود۔[1]
>
> ترجمہ ۔ امام احمدؒ کا مذہب اپنے طور پر پہلے بھی اور اب بھی کم رہا ہے کیونکہ آپ کے اجتہاد کردہ مسائل بہت کم ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر اور آپ کا مذہب زیادہ تر عمل بالحدیث ہی ہے۔

ہمیں نواب صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں جس کی فقہ حنبلی کی کتابوں پر پوری نظر ہو وہ کبھی اس باب میں نواب صاحب کی تائید نہ کر سکے گا۔ نواب صاحب مرحوم چونکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے خلاف تھے اس لیے آپ مذہبِ حنبلی کو اس پیرائے میں ذکر کر رہے ہیں۔

تلافیِ مافات

اللہ تعالیٰ نے اس دورِ آخر میں فقہ حنبلی کو یہ سعادت بخشی ہے کہ سعودی عرب میں فقہ حنبلی پر مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اکثر مشائخ آپ کے ہی مقلد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آلِ سعود اور حنابلہ کو یہ توفیق دی ہے کہ انہوں نے اس دور نفاذ حدودِ اسلامی کو جو کئی سالوں سے رُکی پڑی تھیں پھر سے نافذ کیا۔ مدینہ منورہ میں عظیم اسلامی یونیورسٹی قائم کی جس کے باعث آج فقہ حنبلی کے چرچے پوری دنیا میں ہیں اور اس طرح جو کمی پہلے ادوار میں رہی، اب اس کی تلافی مافات ہو چکی ہے۔ اس وقت سعودی عرب کی علمی خدمات تمام دنیا میں اپنا سکہ منوا چکی ہیں

---

[1] ہدایۃ السائل صلا۲۸

فقہِ حنفی اور فقہِ حنبلی میں باہمی مناسبت

چونکہ بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد رح ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں اس لیے دوسرے مذاہب کی بہ نسبت فقہ حنبلی فقہ حنفی میں بھی بہت سی باتیں مشترک پائی جاتی ہیں اور یہ دونوں مذاہب کئی مسائلِ مشہورہ میں ایک ہو جاتے ہیں۔

حضرۃ امام احمد بن حنبلؒ کا نظریۂ حدیث

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

حدیث کے قدیم نظریات دو دوروں میں منقسم ہیں ۱. دورِ اعتماد اور ۲. دورِ اسناد — دورِ اعتماد کے امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا ہے. اور دورِ اسناد امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام احمدؒ (۲۴۱ھ) کا — ائمہ اربعہؒ کا یہ اختلاف اصول و عقائد کا نہیں. اعتماد اور اسناد دونوں علم نبوت تک پہنچنے کے مختلف پیمانے ہیں. دورِ اعتماد میں صحابہؓ و تابعینؒ کی برتری مسلم رہی اور اسناد کے بجائے زیادہ کام اعتماد سے لیا جاتا رہا. یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور ان کے دور میں حدیث کی نقل و روایت. راویوں کی جرح و تعدیل. اتصالِ رواۃ اور حدیث کی صحیح و ضعیف میں تقسیم. ان موضوعات نے زیادہ اہمیت حاصل کی. امام شافعیؒ نے اسناد اور صحت روایات پر زیادہ زور دیا. یہاں تک کہ بعض مسائل میں زیادہ شدت اختیار کرلی. حضرت امام احمدؒ آئے تو انہوں نے امام شافعیؒ کی اس شدت میں نرمی کی راہیں قائم کیں اور حدیث کے فن کو اس طرح نکھارا کہ اعتماد اور اسناد کے دھارے ملا دیئے.

① امام شافعیؒ کی شدت میں نرمی آگئی

حضرت امام احمدؒ کے پہلے اُستاد حضرت امام ابویوسفؒ تھے اور پچھلے امام شافعیؒ. آپ نے ہر دو رنگوں کو نہایت قریب سے دیکھا تھا. امام شافعیؒ نے علم حدیث کو اہلِ بدعت سے بچانے کے لیے نقل و روایت کی پرکھ کے بڑے سخت اصول مقرر کیے. بدعات کے اُٹھتے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ اصول و ضوابط اپنی جگہ ضروری تھے. ان کے بغیر معتزلہ و مرجئہ اور روافض و خوارج کے سیلاب رُک نہ سکتے تھے لیکن ان کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ امام شافعیؒ میں اپنے فقہی مسلک کی ترجیح میں بھی سختی آگئی. حضرت امام ترمذیؒ نے آپ کا نام لیے بغیر آپ کی اس فقہی شدت کا ذکر کیا ہے. آپ

مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

وشذ د قوم من اهل العلم فی ترك قرأة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لا تجزی صلوٰة الا بقرأة فاتحة الکتاب وحده کان او خلف الامام [1]

ترجمہ اور کچھ اہل علم نے نماز میں ترک فاتحہ کے مسئلے میں شدت اختیار کی ہے گو وہ نمازی امام کے پیچھے ہی کیوں نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اکیلا ہو یا امام کے پیچھے ہو۔

حضرت امام احمدؒ بڑی ہمت سے اُٹھے اور حضرت امام شافعیؒ کے نظریۂ حدیث میں جو سختی تھی آپ نے اس امت محمدیہ کی خیرخواہی کے لیے اس میں نرمی کی راہیں تلاش کیں۔ آپ کا نظریہ حدیث مندرجہ ذیل حدیث پر مبنی تھا۔

یسّروا ولا تعسّروا وسکنوا ولا تنفروا۔ متفق علیہ [2]

ترجمہ۔ تم لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو۔ لوگوں کو قریب کرو نفرت نہ دلاؤ۔

حضرت امام احمدؒ نے یہ اصول نہ بنا رکھا تھا کہ جب آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مل جائے تو آپ بالکل کسی اور طرف نہ دیکھیں۔ آپ یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ جو صحابی اس حدیث مرفوع کو نقل کر رہا ہے کیا اس کا اپنا عمل اس پر تھا۔ اسے دیکھنے سے یہ پتہ چل جائے گا کہ صحابہؓ کے ہاں اس حدیث کے معنی مراد کیا تھے؟ ہم ذیل میں ایک مثال پیش کیے دیتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی حدیث لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب صحابہ کرامؓ سے ڈھکی چھپی نہ تھی صحابیٔ رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ بھی اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ آپ کھل کر کہتے ہیں

---

[1] جامع ترمذی ص۴۲ [2] مشکوٰۃ ص۳۲۳

کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہوجاتی ہے۔ امام مالکؒ مؤطا میں ان سے روایت کرتے ہیں کہ :۔

مالك عن ابي نعيم وهب بن كيسان انّه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القران فلم يصل الا وراء الامام[1]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو۔

امام محمدؒ نے بھی اسے اپنے مؤطا میں اسی سند سے نقل کیا۔ امام ترمذیؒ بھی اسے امام مالکؒ کی سند سے جامع ترمذی میں لائے ہیں اور اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

هذا حديث حسن صحيح[2]

اب حضرت امام احمدؒ کا نظریۂ حدیث دیکھئے آپ اُس حدیث (لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب) کو حضرت جابرؓ کے اس فرمان کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :۔

یہ شخص (حضرت جابرؓ) حضورؐ کے صحابہؓ میں سے ہے وہ حدیث کا یہ مطلب لے رہا ہے کہ جو نماز امام کے پیچھے پڑھی جائے وہ حدیث لاصلوٰۃ میں داخل نہیں اس کی نماز سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر ہوجاتی ہے یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کی مراد یہ ہو کہ مقتدی پر بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم ہے اور حدیث کا راوی صحابی کیسے طور پر کہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہوجاتی ہے؟ امام احمدؒ کے نزدیک کسی صحابی سے عمداً حضورؐ کے خلاف ہوجانے کی توقع نہیں کی جاسکتی آپ فرماتے ہیں اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نمازی اکیلا ہو تو سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں :۔

واما احمد بن حنبل فقال معنى قول النبى لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة

---

[1] مؤطا امام مالک صفحہ ۳۰ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲

• الکتاب اذا کان وحدہ۔ [1]

یہی بات امام سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) نے کہی تھی کہ یہ حدیث اکیلے کے بارے میں ہے۔ [2]
مگر غیر مقلدین اسے یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اس لیے انہوں نے اس حدیث کی شرح یوں کی ہے۔ ہم کہتے ہیں امام احمدؒ تو امام شافعیؒ کے شاگرد تھے انہوں نے یہ بات کیوں کہہ دی؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں امام احمدؒ امام شافعیؒ کے ساتھ نہیں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں آپ کے اس عقیدہ نے آپ کے نظریہ حدیث پر دوررس اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کی تفصیل ہم ۱۲ کے تحت گذارش کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام احمدؒ کا نقطہ نظریہ ہے کہ امت محمدیہ کے لیے تشدد کی کوئی راہ اختیار کی جائے۔ حنبلی فقہ میں آپ کے اس اصول کے تحت خود آپ کے اختلاف کو بھی نظرانداز کیا گیا ہے۔
نماز تراویح کی کتنی رکعات ہیں؟ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

واختلف اهل العلم في قيام رمضان فرأى بعضهم ان يصلى احدى و اربعين ركعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة واكثر اهل العلم على ما روى عن على وعمر وغيرهما من اصحاب النبي عشرين ركعة وهو قول سفيان الثورى وابن المبارك والشافعى .... وقال احمد روى في هذا الوان لم يقض فيه بشىء وقال اسحق بل نختار احدى واربعين ركعة على ما روى عن ابى بن كعب۔ [3]

تراویح چالیس رکعت ہے یا بیس رکعت اس کا حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ دونوں طرف اہل علم ہیں۔ امام احمدؒ سے کئی مختلف روایتیں ہیں آپ نے کوئی علیحدہ موقف اختیار نہ کیا اتحاد امت کے لیے

---

[1] جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۴۲ [2] دیکھئے سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ [3] جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۹۹

بیس رکعت والوں کے ساتھ ہو گئے۔ امت کو اختلاف سے بچانا اور ایک امت بنا کر رکھنا آپ کا مطمح نظر رہا ہے۔ حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں :-

والمختار عند ابی عبداللہ فیہا عشرون رکعۃ وبہذا قال الثوری و ابوحنیفۃ والشافعی [1]

سعودی عرب کے مشائخ امام احمدؒ کے مقلد ہیں اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں تراویح کی نماز ہمیشہ سے بیس رکعت ہی چلی آرہی ہے۔ یوں سمجھئے اس پر امت کا اجماع ہے۔

وہذا کالاجماع [2]

② امام احمدؒ کے ہاں آثارِ صحابہؓ کی حجیت

امام احمدؒ کے نزدیک آثارِ صحابہ حجت ہیں۔ آپ صحابہؓ کے قول و عمل کو امت کے لیے حجت اور سند مانتے ہیں اگر کسی بات میں صحابہؓ کا اختلاف ہو تو آپ جس صحابی کی بات کو راجح سمجھیں اسی کو اپنا لیں لیکن دوسرے صحابہؓ میں سے کسی کو آپ باطل پر نہیں کہہ سکتے۔ صحابہؓ میں صواب اور خطا کا اختلاف تو ہو سکتا ہے حق اور باطل کا نہیں۔ امت پر ان کی پیروی لازم ہے کہ کسی صحابی کی ہوا پنی رائے سے صحابہؓ کے اقوال سے نکلنا کسی کے لیے روا نہیں صحابہؓ اس قافلہ امت کا ہراول دستہ ہیں اور ان کی پیروی سبیل مومنین پر رہنا ہے جس کی قرآن کریم تاکید کرتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

قال ابوعمرو جعل للصحابۃ فی ذلک مالم یجعل لغیرہم واظنہ مال الی ظاہر حدیث اصحابی کالنجوم واللہ اعلم والی نحو ہذا کان احمد بن حنبل یذہب [3]

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے (اپنی فقہ میں) صحابہ کرامؓ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو

---

[1] المغنی جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۶۷ [3] جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۵

ان کے ہاں غیر صحابہؓ کے لیے نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ حدیث اصحابی کالنجوم کے ظاہر کے قائل ہیں (صحابہ کرام کے لیے روشن ستارے سمجھتے ہیں) اور امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی یہی تھا۔

سو احادیث میں جہاں بھی صحابہؓ کے آثار ملیں امام احمدؒ انہیں ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ وہ غیر مقلدین کی طرح یہ عقیدہ نہیں رکھتے:

ہم تو ایسے موقع پر ایک اصول جانتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح حدیث آجائے تو اس کو معمول بہ بنالیں گے اور اس کے مقابلہ میں کسی کی نہ سنیں گے۔ ؎۱

اب آپ ہی سوچیں کہ اگر وہ صریح حدیث دورِ سابق کی ہو اور امت میں کسی کا اس پر عمل نہ رہا ہو خود صحابہؓ کا عمل بھی اس سے مختلف ہو تو اسے معمول بہ بنانا کیا جائز ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو امام ترمذی اپنی کتاب کو یہ کہہ کر وزن نہ دیتے کہ اس کی ہر ہر حدیث اہلِ علم کے کسی نہ کسی حلقے میں ضرور معمول بہ رہی ہے:

جمیع ما فی هذا الکتاب من الحدیث هو معمول به وبه اخذ بعض اهل العلم ما خلا حدیثین ؎۲

ترجمہ: اس کتاب میں جتنی حدیثیں مذکور ہیں سوائے دو حدیثوں کے سب معمول بہا ہیں اور انہی کے مطابق بعض اہل علم کا مذہب بھی ہے۔

فہم صحابہؓ کی برتری پر حنبلی علماء کی شہادتیں

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کے نزدیک صحابہؓ کے فتاویٰ کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ تھی۔ اسحٰق بن ابراہیمؒ نے امام احمدؒ سے پوچھا آپ کو صحیح مرسل زیادہ پسند ہے یا صحابیؓ کا اثر؟ فرمایا صحابیؓ کا اثر۔ ؎۳

؎۱ رفع یدین اور آمین ص۱۵۲ مولانا عبداللہ روپڑی ؎۲ جامع ترمذی جلد ۲ ص۲۳۵ ؎۳ ترجمان السنۃ جلد ۱ ص۲۴۶

حدیث مرسل میں اعتماد تابعی پر ہے اور آثار صحابہؓ کو قبول کرنے میں اعتماد صحابی پر ہے اور ظاہر ہے کہ صحابی پر اعتماد تابعی پر اعتماد کرنے کی نسبت زیادہ قوی اعلیٰ اور برتر ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حدیث مرسل میں نبی کی بات نصاً ملتی ہے اور حدیث موقوف میں صحابہؓ کے عمل کے آئینہ میں ۔۔ اور حق یہ ہے کہ صحابہؓ کو نبی سے جدا نہیں کیا جا سکتا ورنہ وہ صحابی نہیں رہتے صحابی کا مطلب ہی یہ ہے کہ ساتھ رہنے والے اور یہ وہ شرف ہے جو ہر صحابی کو ہر وقت حاصل رہا ہے۔

محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنی رح لکھتے ہیں :۔

> جب کسی مسئلہ میں صحابی کا فتوے معلوم ہو جائے اور اس کے مخالفت میں کسی صحابی کا قول معلوم نہ ہو سکے تو پھر وہی مختار ہونا چاہیئے [1]

(۳) حدیث مرسل قبول کرنے میں امام احمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ

امام ابو حنیفہ رح اور امام مالکؒ دونوں دورِ اعتماد کے بزرگ ہیں اور ان کے ہاں حدیث مرسل حجت سمجھی جاتی رہی ہے۔ تابعی جو اپنی جگہ ثقہ اور قابل اعتماد ہو اگر آنحضرتؐ سے کوئی روایت کرے تو وہ حدیث مرسل کہلائے گی۔ امام شافعی رح صرف حدیث متصل کو قبول کرتے ہیں حدیث مرسل کو نہیں ۔۔ حضرت امام احمد رح باوجود دیکہ دورِ اسناد سے تعلق رکھتے ہیں مگر حدیث مرسل کو قبول کرنے میں امام ابو حنیفہ رح اور امام مالکؒ کے ساتھ ہیں امام شافعی رح کے ساتھ نہیں۔

امام نووی الشافعی رح اپنے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں :۔

ومذہب مالک وابی حنیفۃ واحمد واکثر الفقہاء انّہ یحتج بہ [2]

ترجمہ۔ اور امام مالک امام ابوحنیفہ اور امام احمد تینوں اماموں کا اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل حدیث سے احتجاج کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۱ ص ۲۴۳ [2] مسلم جلد ۱ ص

امام احمدؒ چونکہ اصولاً مدارِ اسناد کے ہیں اس لیے پہلے آپ بھی اس مسئلے میں امام شافعیؒ کے ساتھ تھے لیکن بالآخر آپ پہلوں کے ساتھ آملے۔ امام ابوداؤدؒ اپنے اس مراسیل میں جو آپ نے اہلِ مکہ کو لکھا آپ لکھتے ہیں :۔

واما المراسیل فقد کان یحتج بها العلماء فیما مضیٰ مثل سفیان الثوری و مالکؒ والاوزاعی حتیٰ جاء الشافعی و تکلم فیها متابعه علیٰ ذلک احمد بن حنبل وهذه احدی الروایتین عن احمد [1]

ترجمہ: رہیں مرسل روایات، سو ان کے ساتھ علماء حجت پکڑتے تھے جیسا کہ گذر چکا ہے جیسے سفیان ثوری امام مالک اور امام اوزاعی یہاں تک امام شافعی آئے انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور امام احمد نے بھی امام شافعی کی پیروی کرتے ہوئے اس میں کلام کیا اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔

امام کا قولِ آخر وہی ہے جو امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ آپ مرسل حدیث کو حجت مانتے تھے

(۴) حضرت امام احمدؒ کے ہاں ضعیف حدیث کا درجہ

حضرت امام احمدؒ کے ہاں ضعیف حدیث کلیۃً رد کر لے کے لائق نہیں بلکہ اس کا ایک وزن ہے جس کی بناء پر مزید پڑتال امت کے ذمہ آجاتی ہے۔

یا ایها الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا (پ ۲۶ الحجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی جھوٹا راوی کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح اس کی پڑتال کرو۔

جو لوگ ضعیف حدیث کو موضوع کے قریب سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ایسا ہوتا تو محدثین صحاح ستہ میں کبھی صحیح حدیثوں کے ساتھ ضعیف حدیثوں کو جگہ نہ دیتے۔ معلوم ہوا ضعیف حدیث موضوع

[1] فتح الملہم جلد ا صـ ۳۴

کی نسبت صحیح کے زیادہ قریب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے ہاں حدیث ضعیف اس درجہ میں ضرور ہے کہ اس کے ہوتے قیاس اور اجتہاد سے کام نہ لیا جائے بلکہ اسی کو قبول کر لیا جائے

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں امام احمدؒ کا نظریہ حدیث بھی یہی تھا کہ ضعیف حدیث آثار وزن ضرور رکھتی ہے کہ اسے قیاس پر مقدم کیا جائے۔

تقدیم الحدیث الضعیف وآثار الصحابة علی القیاس والرای قوله وقول احمد [1]

ترجمہ سو ضعیف حدیث کو اور آثار صحابہؓ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا آپ کا (امام ابو حنیفہؒ کا) قول ہے اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حنفیہ کے اپنے ہاں سے بھی شہادت لے لیجئے:۔

ان مذهبهم القوی تقدیم الحدیث الضعیف علی القیاس المجرد الذی یحتمل التزئیف [2]

ترجمہ۔ حنفیہ کا مذہب قوی یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو اس مجرد قیاس پر جس میں خطاء کا احتمال ہوتا ہے مقدم رکھا جائے۔

حضرت امام کے ہاں حدیث کی عظمت اس درجے میں ہو کہ آپ ضعیف کو بھی رائے اور قیاس پر ترجیح دیں یہ بات قرونِ اولیٰ میں اتنی روشن اور عام تھی کہ حافظ ابن حزمؒ اس پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں:۔

ذکر ابن حزم الاجماع علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث اولیٰ عنده من الرای والقیاس اذا لم یجد فی الباب غیره [3]

یہ حضرت امام کی بات ضمنی آگئی ہے اصل ذکر یہاں امام احمد کا ہو رہا ہے

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۱ صہ [2] مرقات جلد ۱ ص۳ [3] دلیل الطالب ص۸۸۷

⑤ مسائل میں عالمِ اسلام پر اجتماعی نظر

حضرت امام احمدؒ ائمہ اربعہ میں سے چوتھے امام ہیں. آپ نے فقہی اختلافات کا جو مد و جزر دیکھا وہ پہلے تین اماموں میں سے شاید کسی نے دیکھا ہو. امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ اور بصرہ میں اہل بدعت کے اعتقادی فتنے تو بہت قریب سے دیکھے تھے اور معتزلہ اور مرجئہ اور روافض و خوارج کے فتنوں کا سد باب بھی خوب کیا لیکن اہل سنت کے آپس کے فقہی اختلافات ابھی اس دور میں اتنے نہ کھلے تھے جتنے امام احمدؒ کے دور میں کھلے. سو حضرت امام احمدؒ ان فروعی اختلافات اور استحسان و اجتہادات کے مختلف موارد میں امت کے آخری مجتہد ہیں اور یہ صرف حنابلہ کے ہی امام نہیں پورے سواد اعظم کے امام ہیں ہم سب کو ان کا دل سے متشکر و ممتن اور نیاز مند ہونا چاہیئے. ضروری ہے کہ ہم سب میں اپنے ان اکابر کے لیے حقیقی نیاز مندی اور دلی عقیدت ہو. مسائل کے اختلاف کے باوجود حضرت امامؒ کی عالم اسلام پر بالغ نظری دیکھئے. حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) آپ سے نقل کرتے ہیں:-

قال احمد ماسمعنا احدًا من اهل الاسلام يقول ان الامام اذا جهر بالقرأة لا تجزى صلوٰة من خلفه اذا لم يقرأ وقال هذا النبى واصحابه والتابعون وهذا مالك فى اهل الحجاز وهذا الثورى فى اهل العراق وهذا الاوزاعى فى اهل الشام وهذا الليث فى اهل مصر ماقالوا الرجل صلى وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلاته باطلة.[1]

ترجمہ: ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ امام جب قرأۃ بالجہر کرے تو مقتدی کی نماز سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نہیں ہوتی. یہ حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ اور تابعین کرامؒ ہیں. یہ حجاز میں امام مالکؒ ہیں یہ عراق میں امام سفیان ثوریؒ ہیں یہ شام میں امام اوزاعیؒ ہیں یہ مصر میں لیثؒ ہیں ان میں سے کسی نے نہیں

---

[1] المغنی جلد ۱ صفحہ ۵۶۴

کہا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اور اس نے خود قرآن نہ پڑھا تو اس کی نماز باطل ہے۔

حضرت امام کی اس آفاقی نظر پر غور کریں کس طرح ایک ایک مسئلے کے لیے وہ پورے عالم اسلام کے فتووں کو دیکھتے ہیں۔ ایک ایک بڑے عالم پر نظر رکھتے ہیں قرآن و حدیث کا سمندر آپ کے سامنے ایک کھلی کتاب ہے۔ بایں ہمہ آپ کے سامنے چند وہ لوگ ضرور ہیں جو یہ کہتے ہوں گے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حضرت امام احمدؒ ان کی اس بے بصری اور بے بصیرتی پر کبیدہ خاطر ہو کر کہتے ہیں کہ دائرہ اسلام میں ہم نے ایسے بے بصیرت لوگوں کو نہیں دیکھا جو پوری امت سے کٹ کر اس بات کے دعویدار ہوں کہ جو شخص جہری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

حافظ ابن تیمیہؒ جیسا بحر ذخار بھی امام احمدؒ کے مقلدین میں سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا قول جنہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ پوری امت کے مقابل ایک قولِ شاذ ہے۔

بخلاف وجوبها فی حال الجهر فانه شاذ حتی نقل احمد الاجماع علیٰ خلافه [۱]

ترجمہ: جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ضروری سمجھ کر پڑھنا اسلام میں ایک قول شاذ ہے امام احمد نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔

رہا سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ تو فقہ حنبلی میں اسے بھی ضروری نہیں کہا گیا۔

وجملة ذلك ان القرأة غير واجبة علی الماموم فیما جهر به الامام ولا فیما اسر به نص علیه احمد [۲]

ترجمہ: امام جہر کرے یا سری نمازوں میں آہستہ پڑھے دونوں صورتوں میں مقتدی کے ذمہ قرأت واجب نہیں۔

---

[۱] فتاوےٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ [۲] المغنی جلد ۱ صفحہ ۲۶

امام شافعی کا ایک قول بے شک اس کے لیے پیش کیا جاتا ہے لیکن اس کے جواب میں اتنی بات کافی ہے کہ امام شافعی رح اس میں امام احمد رح کو بھی اپنے ساتھ نہ رکھ سکے۔ امام احمد رح یہاں پھر امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح کے ساتھ کھڑے ہیں۔

فلا فاتحۃ علی المأموم وعلیہ الجمہور ومالک وابو حنیفہ واحمد [1]

ترجمہ: مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ پڑھنا نہیں جمہور اہل علم یہی کہتے ہیں اور امام مالک رح امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد کا فیصلہ یہی ہے۔

حضرت امام کی آفاقی نظر وحدت امت چاہتی ہے اور آپ ہر ایسے مسئلے سے بچنا چاہتے ہیں جس میں پوری امت ایک طرف ہو اور آپ کسی قول شاذ سے تمسک کرتے ہوئے دوسری طرف کھڑے ہوں آپ کو ایسی کوئی مثال آپ کے ہاں نہ ملے گی۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم آخر میں حضرت امام احمد رح کے چند فرعی مسائل بھی ذکر کر دیں جنہیں آپ نے اپنے نظریۂ حدیث کے تحت اختیار فرمایا ہے آپ کے نزدیک آپ کے یہ مسائل ہزاروں حدیثوں کا حاصل ہیں۔ ؎ قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

(۱) نماز میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں

نماز میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں احادیث میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ حضرت وائل بن حجر رض کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا۔

رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ [2]

ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے باندھے ہوئے تھے۔

محدث نیموی رح فرماتے ہیں۔ اسنادہ صحیح [3]

---

[1] غایۃ المامول شرح التاج الجامع للاصول جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۔۔ [3] آثار السنن صفحہ ۱

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں :۔

روی ذٰلک عن علی وابن ھریرۃ وابی مجلز والنخعی والثوری و اسحٰق لما روی عن علی انہ قال من السنۃ وضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ رواہ الامام احمد وابوداؤد۔[1]

ترجمہ: یہی عمل حضرت علیؓ سے حضرت ابوہریرۃؓ سے ابو مجلزؒ سے امام ابراہیم نخعیؒ سے امام سفیان الثوریؒ سے اور امام اسحٰق بن راہویہؒ سے مروی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے سنت یہی ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

احادیث کی رُو سے مسلک قوی یہی ہے مگر حدیث میں چونکہ فوق السرۃ کی روایت بھی ملتی ہے امام احمدؒ نے یہاں پُوری وسعتِ نظری سے کام لیا اور بجائے ایک حدیث کو چھیلنے کے آپ نے ایک نہایت جامع اور وسیع العمل فیصلہ دیا۔ فقہ حنبلی میں ہے :۔

لان الجمیع مروی والامر فی ذٰلک واسع۔[2]

ترجمہ: یہ سب مختلف طریقے روایات میں موجود ہیں اور بات یہ ہے کہ اس معاملے میں وسعتِ عمل ہے کہ جس پر چاہو عمل کر لو۔

آج مدینہ یونیورسٹی کے بیشتر طلبہ آپ کو نماز میں سینہ بند نظر آئیں گے۔ کاش کہ انہیں فقہ حنبلی کے اس آفاقی مسئلے کی خبر ہوتی اور ایسے عام مسائل میں وہ کبھی تنگ نظری سے کام نہ لیتے

(۲) ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق تین ہی واقع ہوں گی

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں گو یہ طلاق سنت کے مطابق نہ ہوگی طلاق بدعت سمجھی جائے گی تاہم یہ صحیح ہے کہ طلاق تینوں واقع ہوں گی اور اب اس کی یہ بیوی اس پر

---

[1] المغنی جلد ۱ صفحہ ۵۱۴ [2] ایضاً

حرام ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور کے نکاح میں نہ جائے اور پھر اسے طلاق ہو جائے۔ حضرت امام احمدؒ لکھتے ہیں :۔

ومن طلق ثلثاً فی لفظ واحد فقد جہل وحرمت علیہ زوجتہ ولا تحل لہ ابداً حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ [1]

ترجمہ۔ اور جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق ایک لفظ سے دی اس نے جہالت سے کام لیا لیکن اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اور اب اس سے اس کا نکاح نہ ہو سکے گا جب تک کہ وہ اور کہیں نکاح نہ کرے۔

سعودی عرب میں بھی حنبلی مذہب کے مطابق ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں

امام احمدؒ کے مسلک کی لمبی نہر

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے بعد امام احمدؒ کے مسلک کی نہر علم کی سب نہروں سے لمبی ہے۔ اس دورِ آخر میں جب کہ قیامت کی نشانیاں سامنے نظر آرہی ہیں۔ مرکزِ اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر سعودی عرب کی حکومت اسی فقہ (فقہ حنبلی) کے رستے نفاذِ اسلام کی سعادت پائے ہوتے ہیں۔ سعودی عرب کے باہر بہت سے بلادِ اسلامی اور غیر اسلامی میں رابطہ عالم اسلامی اور دارالافتاء سعودی عرب کے مبعوثین تعلیم الاسلام کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور حنبلی فقہ کا یہ فیض پوری اسلامی دنیا کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

اس آخری دور میں یہ آخری فقہ عالم اسلام میں اسی طرح ضوفگن ہے جس طرح اسلام کے پہلے دور میں پہلی فقہ (امام ابوحنیفہؒ کی فقہ) عالم عروج پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مذاہب اربعہ میں ان دو فقہوں کو حکومتی سطح پر خدمتِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی ہے

---

[1] کتاب الصلوٰۃ ص۲۴

خلافتِ راشدہ کے بعد پوری قلمرو اسلامی میں چیف جسٹس کا عہدہ فقہ حنفی کے نصیب رہا اور امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) قاضی القضاۃ مقرر ہوئے پھر خلافتِ عثمانیہ میں پوری دنیا میں فقہ حنفی کا دور دورہ رہا۔

اس دورِ آخر میں اسلام کے دو چشموں کی جلوہ پیرائی

فقہ حنبلی کے علمبردار علماء آلِ شیخ سعودی عرب میں اسلام کی شمع فروزاں بنے تو فقہ حنفی کے حامیوں نے ہندوستان میں اسلام کے نام پر ایک مملکت بنا ڈالی۔ دنیا کے اس دورِ آخر میں اسلام کے نام پر ایک نئی سلطنت کا قیام فقہ حنفی کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ سعودی عرب میں نفاذِ اسلام کے لیے جس طرح کسی نے فقہ حنبلی کی مخالفت نہیں کی خدا کرے کوئی گروہ پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لیے فقہ حنفی کی مخالفت نہ کرے۔ فقہ جو بھی ہو یہ کتاب و سنت کا ہی چشمۂ فیض ہیں اور ائمہ اربعہ کے جو اختلافات ہیں وہ صحابہ کرامؓ سے ہی ماخوذ و ماثور ہیں۔

مولانا عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں:۔

ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے[1]

صحابہؓ کی عظمت اور عقیدت پر دو فقہوں کا اشتراک

ہم پیچھے حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) کے حوالے سے یہ لکھ آئے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو اپنا مقتدا اور پیشوا ماننے میں ان دونوں فقہوں میں اشتراک ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ دونوں صحابہ کرامؓ کو اپنے لیے حجت اور سند مانتے ہیں۔ ان اماموں کی صحابہؓ سے اس وابستگی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شانِ قبولیت فرمائی کہ ان دو فقہوں کو حکومتی سطح پر اسلام کی نمائندگی کا شرف بخشا۔ فجزاهم الله احسن الجزاء۔

---

[1] فتاوے اہلحدیث جلد ۱ صـ۱۴۲

امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ اجتہاد اس طرح سنت کے مطابق واقع ہوا ہے کہ جو بھی احادیث و آثار کی گہرائی میں اُترا۔ اسے ماننا پڑا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب گویا عین حدیث ہے۔ ہاں اسے سمجھنے کے لیے فہم سلیم چاہیئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دوبارہ تشریف آوری پر جب حضرت خاتم النبیین کے امتی ہونے کا لباس پہنیں گے تو آپ کا عمل بالسنۃ امام ابوحنیفہؒ کی اختیار کردہ راہ سنت کے مطابق ہوگا اور کہنے والا کہہ اُٹھے گا کہ امام ابوحنیفہؒ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے اجتہاد میں توارد ہو گیا ہے۔

گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ایک کشف کی بناء پر اس ہونے والی بات کی خبر دی ہے۔

مذاہب اربعہ میں ان دونوں اماموں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کو آپس میں جو وحدت اور مطابقت حاصل ہوئی ہے۔ حضرت علامہ شعرانیؒ کو صدیوں پہلے بنسبت ایک کشف میں دکھادی گئی تھی۔ آپ میزان کبریٰ جلد اصفحہ۱۲ (اردو) میں لکھتے ہیں:۔

حب باری تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ مجھ کو شریعت کے سرچشمہ پر آگاہ کیا گیا تو میں نے تمام مذاہب کو دیکھا کہ وہ سب اس چشمہ سے متصل ہیں اور ان تمام میں ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ کے مذاہب کی نہریں خوب جاری ہیں اور جو مذاہب ختم ہو چکے وہ خشک ہو کر پتھر بن گئے ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ لمبی نہر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دیکھی پھر اس کے قریب قریب امام احمد بن حنبلؒ کی اور سب سے چھوٹی نہر امام داؤد کے مذہب کی پائی جو پانچویں قرن میں ختم ہو چکا ہے تو اس کی وجہ میں نے یہ سوچی کہ ائمہ اربعہؒ کے مذہب پر عمل کرنے کا زمانہ طویل رہا اور امام داؤدؒ کے مذہب پر تھوڑے دن عمل رہا پس جس طرح امام اعظمؒ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی ہے اسی طرح وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا اور اہل کشف کا بھی یہی مقولہ ہے۔

فقہ حنبلی کے اس تذکرے پر ہم ائمہ مجتہدین کا باب ختم کرتے ہیں۔ ان دس ائمہ میں سے صرف چار اماموں کی پیروی باقی رہی اور ان چاروں میں اللہ تعالیٰ نے جو الٰہی مقبولیت فقہ حنفی اور فقہ حنبلی کو دی اور انہیں عدالتی سطح پر نفاذِ اسلام کی جو سعادت دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ سپین میں مسلمانوں کی علمی شوکت مالکی فقہ کے سائے میں پروان چڑھی لیکن ہم نے اپنے گرد و پیش زیادہ حنفی فقہ کے پیروؤں کو ہی دیکھا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں جتنے اولیائے کرام گزرے ہیں ان میں ننانوے فی صد اسی فقہ کے پیرو رہے ہے۔

اگلے ابواب میں ہم امام ابوحنیفہ رح کی علمی نسبت سے چلیں گے۔ تاہم نامناسب نہ ہو گا کہ پہلے ہم کچھ ان محدثین کرام کا تعارف کریں جنہیں امام ابوحنیفہ رح کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور ان میں بعض حضرات وہ بھی ہیں جو تدوین فقہ میں آپ کے ساتھ شریک رہے۔

یہ دس محدثین کا ذکر ہے ان میں یہ صحیح ہے کہ امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح بھی حضرت امام رح سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ مگر ان کا ذکر چونکہ محدثین میں پہلے آچکا ہے اس لیے ہم ان کا یہاں ذکر نہیں کر رہے صرف نام لکھ رہے ہیں۔ انہیں شامل کر کے یہ محدثین بھی بارہ ہو جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردانِ گرامی جو علمِ حدیث میں ائمۂ فن بنے

جس چاند کا ہالہ یہ تھے وہ چاند کیا ہوگا؟

① محدث العراق امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ)

حضرت امام وکیعؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید تھے [۱]

علامہ ذہبیؒ نے آپ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

الامام الحافظ الثبت محدث العراق احد ائمۃ الاعلام [۲]

آپ اصحابِ صحاح ستہ کے شیوخ رواۃ میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام سے حدیث پڑھی۔ آپ کے استادوں میں حضرت امام کے شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام زفرؒ کا نام بھی آتا ہے۔ امام جرح و تعدیل حضرت یحیٰی بن معینؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام کے قول پر فتوے دیتے تھے اور آپ کو حضرت امام کی سب احادیث یاد تھیں

حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

وکان یفتی برأی ابی حنیفۃ وکان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفۃ حدیثاً کثیراً [۳]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو حضرت امام وکیعؒ کی شاگردی پر فخر تھا اور آپ فرماتے ہیں:

ما رأت عینی مثل وکیع قط [۴]

ترجمہ: میری آنکھوں نے وکیع کا مثل نہیں دیکھا۔

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۸۱ [۲] الاکمال ص ۶۲۴ [۳] تذکرہ [۴] الانتقاء جلد ۲ ص ۱۵۱ جامع بیان العلم جلد ۲ ص ۱۴۹

[۵] تذکرہ جلد ۱ ص ۳۰۳

امام وکیع رح کوفہ کے امام سفیان الثوری رح کے علمی جانشین سمجھے جاتے تھے مگر فتوے آپ حضرت امام ابو حنیفہ رح کے قول پر دیا کرتے تھے دیکھئے کس پایہ کا محدث امام کی فقہ پر چل رہا ہے

کوفہ کے امام سفیان رح بھی رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے [1]

تمام اہل کوفہ کا اس پر عمل تھا۔ وہ شہر جہاں ڈیڑھ ہزار صحابہ رض آ بسے ہوں وہاں رفع یدین عند الرکوع کا نہ ہونا مسئلے کی حقیقت کا پتہ دیتا ہے

امام احمد رح امام یحییٰ بن معین رح علی بن المدینی رح اسحٰق بن راہویہ رح یحییٰ بن اکثم رح وغیرہ محدثین آپ کے تلامذہ حدیث میں سے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

② امام یحییٰ بن سعید القطان رح (۱۹۸ھ)

حضرت امام یحییٰ بن سعید القطان رح امام ابو حنیفہ رح کے حدیث و فقہ میں شاگرد تھے اور آپ کی تدوینِ فقہ کی مجلس کے رکن تھے

حافظ ابن حجر رح آپ کو الحافظ لکھتے ہیں [2]

عبد الرحمٰن بن مہدی رح نے آپ سے دو ہزار احادیث روایت کی ہیں [3]

جب آپ حدیث کا درس دیتے تو آپ کے سامنے امام احمد رح امام بخاری رح کے استاد امام علی بن المدینی رح عمرو بن خالد رح اور یحییٰ بن معین رح کھڑے ہو کر حدیث کا درس لیتے تھے اصحابِ صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے۔

یحییٰ بن سعید رح فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ہم حضرت امام ابو حنیفہ رح کی خدمت میں بیٹھے اور ان سے حدیث کا درس لیا۔ آپ کو حضرت امام کی شاگردی پر فخر تھا۔ [4]

آپ امام ابو حنیفہ رح کے قول پر فتوے دیتے تھے۔

علامہ ذہبی رح لکھتے ہیں:۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صہ ۳۵ [2] تہذیب جلد ۱۱ صہ ۲۱۶ [3] ایضاً صہ ۲۱۷ [4] دیکھئے فتح المغیث، الجواہر المضیئۃ

يفتى بقول ابى حنيفة وكان يحيىٰ بن القطان يفتى لقوله ۔

ترجمہ ۔ وکیع بھی امام ابوحنیفہ کی فقہ کے مطابق فتوے دیتے تھے اور یحییٰ بن سعید القطان بھی ان کے قول پر فتوے دیتے ۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب حدیث کے بہت قریب ہے ورنہ اتنے بڑے امام جو اپنی جگہ خود جبال العلم تھے کبھی حضرت امام کے مذہب پر نہ چلتے ۔

امام یحییٰ بن سعید القطانؒ خود کہتے ہیں :۔

قد اخذنا باكثر اقواله ۔[1]

امام بخاریؒ کے استاد امام احمدؒ ، علی بن المدینیؒ ، امام یحییٰ بن معینؒ سب آپ کے (حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کے) شاگرد ہیں ۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ :۔

يحيىٰ القطان اثبت الناس وما كتبت عن احد مثله[2]

یحییٰ بن سعید القطانؒ محدثین میں سب سے زیادہ ثابت روایت ہیں ۔
میں نے جس سے بھی حدیث لکھی ان میں یحییٰ قطانؒ کی طرح کسی کو نہ دیکھا ۔

امام احمدؒ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ یحییٰ قطانؒ پر رحم فرمائے :۔

ما كان اضبطه والله ثقة كان محدثا ۔[3]

یحییٰ بن سعیدؒ کس قدر ضبط روایت والے تھے کس اونچے درجہ کے ثقہ تھے اور محدث تھے ۔

امام بخاریؒ کے شیخ علی المدینیؒ کہتے ہیں :۔

ما رايت اعلم بالرجال من يحيىٰ القطان ولا رايت اعلم بصواب الحديث والخطأ من ابن مهدى ۔ فاذا اجتمعا على ترك رجل تركته و اذا اخذ عنه احدهما حدثت عنه ۔

ترجمہ ۔ علم رجال میں یحییٰؒ سے آگے میں نے کسی کو نہیں دیکھا روایت کی صحت

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۴۵۰ [2] تذکرہ جلد ۱ ص۲۷۵ [3] تہذیب جلد ۱ ص۲۱۸

کو جاننے میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سے آگے کسی کو نہ دیکھا جب یہ دونوں کسی راوی کے ترک پر متفق ہو جائیں تو میں اس سے روایت نہیں لیتا اور جب کسی راوی سے ان دونوں میں سے کوئی بزرگ روایت لے لے تو میں بھی اس سے روایت لے لوں گا۔

(۴) امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ)

محدثین آپ کو امیرالمومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔ آپ صحاح ستہ کے ائمہ رواۃ و اجلہ شیوخ میں سے ہیں۔ امام بخاریؒ کے شیخ ابن مہدیؒ نے چار بڑے ائمہ حدیث میں سے ایک آپ کو قرار دیا ہے آپ ابوحنیفہؒ کے اخص اصحاب و تلامذہ میں سے تھے اور امام صاحبؒ کے انتقال تک آپ کی خدمت سے جدا نہ ہوئے۔ آپ کو حضرت امامؒ کی شاگردی پر فخر تھا۔ آپ حضرت امامؒ کے بڑے معتقد تھے۔ اور مخالفین کو حضرت امامؒ کی جانب سے جواب دیتے تھے۔

یحییٰ اندلسی کہتے ہیں کہ امام مالکؒ آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔

یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ ابن مبارکؒ بہت سمجھ دار ثقہ عالم صحیح الحدیث تھے۔

امام سفیان الثوریؒ کہتے ہیں کہ آپ مشرق و مغرب ہر دو کے بڑے عالم تھے۔[۱]

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ اگر حدیث اور اثر میں فقہ کی ضرورت پڑ جائے تو امام مالکؒ سفیانؒ اور ابوحنیفہؒ کی رائے معتبر ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں:۔

وابوحنیفہ احسنھم وادقھم فطنۃ واغوصھم علی الفقہ وھوافقہ الثلاثۃ[۲]

ترجمہ۔ ابوحنیفہؒ ان میں ذہانت میں سب سے اچھے اور دقیق جانے والے تھے اور فقہ میں سب سے زیادہ گہرائی میں اترنے والے تھے اور تینوں میں سب سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے تھے۔

---

[۱] تہذیب الاسماء والصفات ص۔ [۲] بغدادی جلد ۱۳ ص ۳۴۳

آپ کا بیان ہے کہ :۔

افقہ الناس ابوحنیفہ ما رایت فی الفقہ مثلہ وقال ایضاً لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفۃ و سفیان کنت کسائر الناس ۔[1]

ترجمہ: سب سے سمجھ دار ابوحنیفہؒ ہیں فقہ میں ایسا کسی کو نہیں دیکھا اور اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ اور سفیان الثوریؒ سے داد رسی نہ کی ہوتی میں عام لوگوں سے نہ ہوتا۔

آپ یہ بھی کہتے ہیں :۔

وتعلمت الفقہ الذی عندی من ابی حنیفہ ۔[2]

ترجمہ: جو فقہ میرے پاس ہے وہ میں نے ابوحنیفہؒ سے سیکھی ہے۔

آپ یہ بھی کہتے ہیں :۔

افقہ الناس ابوحنیفہ ما رایت فی الفقہ مثلہ ۔[3]

ترجمہ: فقہ میں سب سے بڑے عالم ابوحنیفہؒ ہیں میں نے علم میں ان جیسا کسی کو نہیں پایا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں :۔

کان رجلاً صاحب حدیث ۔[4]

ترجمہ: آپ حدیث کو ساتھ رکھنے والوں میں سے تھے۔

ابن معینؒ کہتے ہیں :۔

کان عالماً صحیح الحدیث وکانت کتبہ التی حدث بہا عشرین الفاً او احدی وعشرین الفاً ۔[5]

ترجمہ: آپ صحیح الحدیث عالم تھے وہ تحریریں جو آپ نے حدیث میں روایت کیں بیس ہزار یا اکیس ہزار ہوں گی۔

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۵۰ [2] بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۶ [3] بیض الصحیفہ صفحہ ۱۵ [4] تہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۵۰ [5] ایضاً صفحہ ۴۵۰ [6] ایضاً

④ امام یحییٰ بن زکریا ابی زائدہؒ (۱۸۲ھ)

امام یحییٰ بن زکریاؒ حافظ حدیث فقیہ دوراں اور اکابر اہل علم میں سے ہیں۔
علامہ ذہبیؒ الحافظ المتقن الفقیہ صاحب ابی حنیفہ رضی اللہ عنہما سے آپ کا تذکرہ کرتے ہیں۔
صحاح ستہ میں آپ کی روایات بہت ہیں صالح بن سہلؒ کا قول ہے کہ یحییٰ بن زکریاؒ
اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ تھے۔
میزان الاعتدال میں آپ کے بارے میں لکھا ہے۔
احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات
آپ امام ابوحنیفہؒ کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین فقہ میں آپ کے ساتھ
تھے اور تیس سال مسلسل وہی مسائل مدون نہ تحریر فرماتے رہے بلکہ ان میں سے بھی عشرہ متقدمین
میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔
امام بخاریؒ کے شیخ علی بن المدینیؒ کہا کرتے تھے کہ یحییٰ بن زکریاؒ پر اس کے زمانہ میں
علم ختم تھا۔
امام احمدؒ یحییٰ بن معینؒ قتیبہؒ اور صاحب مصنف ابوبکر بن ابی شیبہؒ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔
امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیلؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریاؒ حدیث میں مہکتی دلہن کی طرح ہیں۔
یحییٰ بن الحب زائدہ فی الحدیث مثل العروس المعطرة۔[1]
امام ابوحاتم آپ کو ثقہ صدوق مستقیم الحدیث کہتے ہیں۔[2] یہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے

⑤ امام یزید بن ہارونؒ (۲۰۶ھ)

حضرت امام یزید بن ہارونؒ فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ علامہ ذہبیؒ آپ کو الحافظ القدوہ

---

[1] تہذیب جلد ۱۱ ص ۲۰۹ [2] ایضاً

اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ [۱]

حافظ ابن حجرؒ آپ کو احد الاعلام الحافظ المشاہیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ [۲]

امام بخاریؒ کے شیخ علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑا حافظِ حدیث کسی کو نہیں دیکھا۔ فن حدیث میں آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔

علامہ ذہبیؒ نے ان لوگوں میں آپ کا نام لکھا ہے جنہوں نے حضرت امام سے حدیثیں روایت کیں ہیں۔

آپ کو حضرت امام کی شاگردی پر فخر تھا اور حضرت امام کی بڑی تعریف کرتے آپ فرماتے ہیں۔

میں نے بہت لوگوں کی صحبت اُٹھائی اور ان سے علم لکھا اور حاصل کیا۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ [۳]

حضرت امام کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

ابو حنیفہؒ سفیان الثوریؒ کی نسبت فقاہت میں آگے ہیں۔ [۴]

آپ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

اقاویل ابی حنیفه لا یحبها الا الذکی من الرجال ولا یضبطها الا الفهیم منهم [۵]

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ کی باتوں کو ذکاوت والے (فہم کی تیزی والے) ہی پسند کرتے ہیں اور انہیں اہل فہم کے سوا کوئی ضبط میں نہیں لا سکتا۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ یزید بن ہارونؒ حافظ للحدیث تھے۔ [۶]

علامہ عجلی کہتے ہیں کہ یزید ثقةٌ ثبتٌ فی الحدیث [۷]

ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ آپ ثقہ تھے کثیر الحدیث تھے۔ [۸] امام یحییٰ بن زکریا لکھتے ہیں:

کنا نسمع ان یزید من احسن اصحابنا صلاۃ واعلمهم بالسنة۔ [۹]

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۲ [۲] تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۶ [۳] تہذیب الکمال للحافظ مزنی مناقب موفق جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ [۴] بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۳۴۲ [۵] مناقب موفق جلد ۲ صفحہ ۴۸ [۶] تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۷ [۷] ایضاً صفحہ ۳۶۸ [۸] ایضاً

(۶) امام عبدالرزاق بن ہمامؒ (۲۱۱ھ)

حافظ حدیث امام عبدالرزاق بن ہمامؒ صحاح ستہ کے شیوخ و رواۃ میں سے ہیں امام ذہبیؒ آپ کو احد الاعلام الثقات لکھتے ہیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کی بے شمار مرویات ہیں۔ امام عبدالرزاقؒ حدیث میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے[۱]

آپ امام اعظمؒ کی خدمت میں زیادہ رہے[۲]

آپ کی حدیث کی کتاب المصنف گیارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس میں جگہ جگہ پر حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایات کا ذکر ملتا ہے مثلاً (جلد اول میں) ص۲۱۰ ص۳۶۳ ص۳۷۶ پر (جلد ۲ میں) ص۳۷۳ ص۵۲۶ ص۵۳۱ ص۵۴۲ پر (جلد سوم میں) ص۳۴۷ ص۳۵۴ پر (جلد ۴ میں) ص۱۶۵ ص۱۹۷ ص۴۷۳ پر (جلد ۵ میں) ص۱۱ پر (جلد ۶ میں) ص۲۳۹ ص۲۴۱ ص۲۷۸ ص۲۸۴ ص۳۰۱ ص۳۴۲ ص۳۶۲ ص۳۸۹ ص۴۷۶ پر (جلد ۷ میں) ص۶۹ ص۱۳۱ ص۱۳۴ ص۲۰۵ ص۳۱۱ ص۳۱۴ ص۳۱۵ ص۳۵۷ ص۳۶۰ ص۴۵۱ پر (جلد ۹ میں) ص۱۵ ص۸۷ ص۱۶۹ ص۱۷۱، ص۳۵۲ ص۳۷۰ ص۳۷۳ ص۳۸۴ ص۴۰۵ ص۴۱۰ ص۴۲۷ ص۴۲۹ ص۴۱۵ ص۴۷۳ ص۴۸۴ ص۴۹۰ پر (جلد ۱۰ میں) ص۸ ص۹۷ ص۱۰۱ ص۳۱۹ پر یہ روایات ملیں گی۔

امام بخاریؒ کے شیخ امام احمدؒ علی بن المدینیؒ امام یحییٰ بن معینؒ امام سفیان بن عیینہؒ جیسے کبار محدثین سب آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر روایت حدیث میں کسی کو نہیں دیکھا لوگ اطراف و جوانب سے اور علماء و محدثین دور دور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱؎ تہذیب الکمال تبییض الصحیفہ ص ۲؎ عقود الجمان ص

⑦ امام حفص بن غیاثؒ (۱۹۴ھ)

امام حفص بن غیاثؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ممتاز بڑے اصحاب میں سے ہیں۔ آپ تدوین فقہ میں آپ کے شرکا میں سے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں[1]

آپ کثیر الحدیث محدث تھے[2]

ابن معینؒ کہتے ہیں کہ صاحب حدیث لہ معرفۃ تھے۔[3]

امام شافعیؒ کی نسبت حدیث میں زیادہ عالم تھے:۔

کان حفص اعلم بالحدیث من ادریس۔[4]

حفصؒ سراپا فقیہ تھے:۔

قال العجلی ثبت فقیہ البدن۔[5]

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے فقہ میں بھی تخصص کیا۔

حضرت امام ابویوسفؒ آپ کے استادوں میں سے ہیں۔

امام احمدؒ یحییٰ بن معینؒ علی بن المدینیؒ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ اصحاب ستہ نے بھی آپ سے روایت کی تخریج کی ہے

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جن اصحاب کو وجہ سرور فرمایا تھا ان میں سے ایک آپ ہیں

حضرت امام ابویوسفؒ قاضی القضاۃ ہوئے تو آپ ان کے رجسٹرار مقرر ہوئے ہارون الرشید نے آپ کا تقرر کیا تھا۔[6]

اتنے اونچے درجے کے محدث اور کثیر الحدیث عالم جس امام کے رجسٹرار ہوں آپ غور فرمائیں اس امام (امام ابویوسفؒ) کے اپنے علم حدیث کا کیا پایہ ہوگا رحمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] جامع المسانید جلد ۲ صفحہ ۴۱۳ [2] بغدادی جلد ۸ [3] تہذیب جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ [4] ایضاً [5] ایضاً صفحہ ۴۱۷

[6] تہذیب جلد ۲ صفحہ ۴۱۶

⑧ امام ابُوعاصم النبیل ضحاک بن مخلدؒ (۲۱۲ھ)

حضرت امام ابو عاصمؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور اصحاب تدوین میں سے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ آپ کو حافظ حدیث اور شیخ الاسلام کے نام سے ذکر کرتے ہیں اور احد الاثبات بھی کہتے ہیں آپ ثقہ راوی ہیں اور ان کی ثقاہت پر تمام محدثین کا اجماع ہے۔[۱]

اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی بے شمار مرویات ملتی ہیں۔

آپ کا لقب النبیل (بڑا عزت والا) حضرت امام شعبہؒ کا دیا ہوا ہے۔ آپ امام ثوریؒ کے بھی شاگرد تھے۔

آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان الثوریؒ دونوں کو پایا ہے ان میں بڑا فقیہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی بنیاد ڈالی ہے اور سفیانؒ صرف فقیہ ہیں۔[۲]

علامہ عجلیؒ آپ کو ثقہ کثیر الحدیث کہتے ہیں۔[۳]

ابوداؤدؒ کہتے ہیں:۔

کان یحفظ قدر الف حدیث من جید حدیثہ۔[۴]

ترجمہ۔ آپ کو ایک لاکھ کے قریب جید احادیث یاد تھیں

⑨ امام داؤد بن النصیر طائیؒ (۱۶۰ھ)

امام داؤد طائی الکوفیؒ اپنے وقت کے امام حدیث تھے۔ امام اعمشؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ سے حدیث پڑھی۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیس برس تک آپ سے استفادہ

---

[۱] ذکرہ الذہبی فی المیزان [۲] سیرۃ النعمان [۳] تہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۵۱ [۴] ایضاً

کیا۔ آپ تدوین فقہ میں حضرت امام کی مجلس کے ممبر تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آپ کو نصیحت فرمائی تھی کہ آپ ائمہ کے درمیان بیٹھا کریں اور ان کی گفتگو سنیں اور منہ سے کچھ نہ کہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کی اس نصیحت پر ایک برس تک عمل کیا اور فرمایا کرتے تھے کہ اس ایک سال کے صبر نے تیس برس کا کام کیا ہے۔

حضرات محدثین آپ کو ثقہ بلانزاع لکھتے ہیں یعنی ان کی توثیق میں کسی کو کلام نہیں۔[1]

سفیان بن عیینہؒ اور اسماعیل ابن علیہ جیسے محدث آپ کے حدیث میں شاگرد ہیں۔

علم میں یہ شان تھی کہ امام محمدؒ بھی آپ سے مسائل کی تحقیق کرنے آتے تھے۔

مشہور محدث محارب بن دثارؒ فرماتے تھے کہ اگر آپ پہلے زمانہ میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کا قرآن کریم میں ذکر کرتے۔[2] رحمہ اللہ تعالیٰ واسعۃ

(۱۰) امام قاسم بن معنؒ (۱۷۵ھ)

امام قاسم بن معنؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔[3]

آپ اپنے وقت کے محدث اور فقیہ زمان تھے۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں :

کان ثقة عالماً بالحديث والفقه [4]

علامہ ذہبیؒ نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے حدیث روایت کی ہے

عربیت اور ادب میں اس اعلیٰ مقام پر تھے کہ امام محمدؒ جیسے امام بھی آپ سے استفادہ کرتے تھے

آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو تدوین فقہ میں آپ کے شریک کار رہے۔ جن کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کو مٹانیوالے ہو

---

[1] قال الذہبی فی المیزان [2] تاریخ ابن خلکان، سیرۃ النعمان، تہذیب جلد ۱۰ ص ۵۲ [3] ایضاً جلد ۸ ص ۳۳۸ [4] ایضاً جلد ۸ ص ۳۳۹

ہارون الرشید نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا آپ نے غایت تقوے کی بنا پر بغیر تنخواہ کے یہ ذمہ داری قبول کی۔ ابن سعدؒ کہتے ہیں :۔

وکان اروی الناس للحدیث والشعر واعلمھم بالعربیۃ والفقہ [1]

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں آپ ابن المہدیؒ علی بن نصرؒ ابونعیم بن دکینؒ کے استاد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد کا حضرت امامؒ کے ساتھ رہنا اس بات کی قوی شہادت ہے کہ حضرت امام ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی وارث تھے قاسمؒ کے دادا کا نام عبدالرحمٰنؒ تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بیٹے تھے رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

ان دو اکابر کا ذکر پہلے آچکا ہے ؛ یہاں بطور امام حدیث ہم اُنکا کچھ اور ذکر کیے دیتے ہیں۔

(۱۱) حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) (۱۲) حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ)

امام ابو یوسفؒ کے متعلق حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کہتے ہیں آپ پچاس ساٹھ احادیث ایک مجلس میں یاد کر لیا کرتے تھے آپ کثیر الحدیث تھے [2] امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل آپ کو ثقہ کہتے ہیں [3] امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنی (۲۶۴ھ) کہتے ہیں امام ابو یوسف فقہاء میں سب سے زیادہ حدیث کی پیروی کرنے والے تھے [4] آپ کو صاحب حدیث (المحدیث اصطلاح قدیم) اور صاحب السنۃ (اہل سنت اصطلاح قدیم) کہتے تھے۔ [5] آپ کے دور میں کوئی عالم اور کوئی قاضی سرداری اور عزت میں آپ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ولم یتقدمہ احد فی زمانہ وکان النہایۃ فی العلم والحکم والریاسۃ والقدر وھو اول من وضع الکتاب فی اصول الفقہ [6]

امام محمد بن حسن الشیبانی

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) آپ کی کُتب حدیث سے استفادہ کرتے تھے فقہ میں آپ کی کتابیں (چھ کتابیں ظاہر الروایہ اور الحجۃ اہل المدینۃ) اور ہیں اور حدیث میں آپ کتاب الآثار اور موطا امام محمد میں بطور

---

[1] تہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۲۹ [2] الانتقاء صفحہ ۱۷۲ [3] سنن کبریٰ جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۷ [4] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۱ [5] ابن قتیبہ صفحہ [6] شرح مشکل الآثار جلد ۹ صفحہ ۲۴۱

ایک راوی کے سامنے آتے ہیں صحیح بخاری کتاب الاکراہ میں امام بخاری امام ابراہیم نخعیؒ سے یہ روایت تعلیقاً لائے ہیں۔ وقال النخعی اذا کان المستحلف ظالماً فنیۃ الحالف وان کان مظلوماً فنیۃ المستحلف[1]

امام بخاری نے امام ابراہیم نخعی کا زمانہ نہیں پایا آپ نے امام ابراہیم کی یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ آپ نے اسے ذکر نہیں کیا امام نخعی نے واقعی یہ کہا جو آپ نے نقل کیا ہے اس کا مدار اس راوی کی ثقاہت پر ہے جس سے آپ نے یہ بات روایت کی۔ امام بخاریؒ نے یہ بات نہیں کھولی لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کھول دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں صحیح بخاری کی یہ معلق روایت محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں موصولاً بیان کی ہے[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاریؒ نے بطور راوی امام محمد کی روایت قبول کی ہے آپ جہاں امام ابراہیم نخعی سے روایت کر رہے ہیں وہ واقعی ابراہیم نخعی نے کہی ہے ابوبکر ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی امام حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ) سے اور انہوں نے اسے ابراہیمؒ سے روایت کیا لیکن صحیح بخاری کے الفاظ امام محمد کی روایت کے قریب ہیں۔ امام بخاریؒ نے اسے امام محمد کی کتاب الآثار سے لیا ہے اور وہ ان پر روایت میں پورا اعتماد کرتے ہیں۔ امام مزنی (۲۶۴ھ) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ مرحباً بمن یملأ الاذان سمعاً والقلب فهماً۔ (ترجمہ مرحبا اس پر جو کانوں کو روایت سے (حدیث سے) اور دل کو فہم و دانش (فقہ سے) بھر دے۔ یہ حضرت امام کے سمعی علم اور فقہی علم دونوں کی عظمت کا اقرار ہے علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں۔

کان محمد بن الحسن من بحور العلم والفقہ۔

فقہ کے علاوہ وہ کونسا علم تھا جس کے سمندروں میں امام محمد غوطہ زن تھے؟ وہ علم حدیث کے سوا اور کونسا علم ہو سکتا ہے۔ امام دار قطنی (۳۸۵ھ) نے غرائب مالک میں رفع یدین کی روایت بیس سندوں سے نقل کی ہے ان میں پہلی سند انہوں نے امام محمدؒ سے لی ہے اور کہا ہے یہ بیس حضرات ثقات حفاظ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

حدث بہ عشرون نفراً من الثقات الحفاظ منہم محمد بن الحسن الشیبانی ویحیی بن سعید القطان وعبداللہ بن المبارک وعبدالرحمٰن بن مہدی نصب الرایہ جلد ۱ ص۴۰۹

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۰۲۸ [2] وصلہ محمد بن الحسن فی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ عن حماد عنہ بلفظ اذا استحلف الرجل وھو مظلوم فالیمین علی مانوی وعلی من وری۔ فتح الباری جلد ۱۲ ص۲۸۳

آپ اندازہ کریں امام محمدؒ دارقطنی کے اِن کس صف کے ثقات حفاظ میں سے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ حدیث میں یہ حضرات بھی رہے۔

۱۔ ابراہیم بن طہمان (۱۶۳) حدث عنه من شیوخه صفوان بن سلیم وابو حنیفة الامام (تذکرہ جلد ۱ ص ۲۱۳)

۲۔ مکی بن ابراہیم البلخی۔ شیخ خراسان (۲۱۵ھ) ۔ تذکرہ جلد اول ص ۳۶۶

حدث من یزید بن ابی عبید وجعفر الصادق و بھز بن حکیم و ابی حنیفة ... وعنه البخاری

۳۔ ابو عاصم ضحاک بن مخلد الشیبانی ایک لاکھ جید احادیث انہیں یاد تھیں ثقہ راوی حدیث تھے حافظ مزی نے انہیں امام ابوحنیفہ کے راویوں میں ذکر کیا ہے امام ابوداؤد کہتے ہیں۔

کان ابو عاصم یحفظ نحو الف حدیث من جید حدیثه (وقال ابن سعد) ثقة فقیها[1]

امام سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ امام بخاریؒ کے بڑے اساتذہ میں سے تھے۔ ذکرہ المزی فی اصحاب الامام[2]

۴۔ فضل بن دکین۔ امام بخاریؒ کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔ ذکرہ المزی فی الرواۃ عن ابی حنیفة[3]

۵۔ ابوعبداللہ فضل بن موسیٰ السینانی بھی امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ ذکرہ المزی فی الرواۃ عن ابی حنیفة[4]

۶۔ محمد بن عبداللہ الانصاری حضرت انس بن مالک کے پوتے ہیں انہیں انسی لقب سے ذکر کیا جاتا ہے۔

حکی الخطیب انه کان من اصحاب زفر و ابی یوسف روی عنه البخاری فی الصحیح[5]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں، قال الساجی رجل جلیل عالم غلب علیه الرای۔ تذکرہ ج ۱ ص ۳۴۶

صحابہ کرام کی اولاد پر اصحاب الرای کا اطلاق بتلاتا ہے کہ یہ لقب کسی بُرے عقیدے کی نشاندہی نہیں کرتا۔

یہ وہ ائمہ حدیث ہیں جو آپ کو صحیح بخاری میں جگہ جگہ نظر آئیں گے۔ امام بخاریؒ کو انہی ثلاثیات پر ناز ہے جن میں وہ تین واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سند لیتے ہیں صحیح بخاری میں کل ثلاثیات بائیس ۲۲ ہیں جن میں سے بیس ان حضرات کی ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد یا اُن کے شاگرد رہے۔

یہ صورتِ حال بتاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے ۱۰۰ ہجری اور پھر اس کے متصل بعد کا زمانہ اکثر طلب حدیث میں گزارا اور جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا اُن کی زیادہ توجہ فقہ میں رہنے لگی۔

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص ۳۲۳ [2] تبییض ص ۱۳ الجواہر ص ۲۶۹ [3] تبییض ص ۱۳ تہذیب ص ۲۴۹ [4] تبییض ص ۱۳ [5] الجواہر ص ۲

دقائق الفقہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اسلام دینِ کامل ہے اور انسانی زندگی کے تمام دائروں کو شامل ہے ـــ انسانی زندگی کے کچھ دائرے ایسے ہیں جنہیں انسان پردے میں بجا لاتا ہے جیسے غسل اور استنجا وغیرہ ـــ اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ پرائیویٹ امور ہیں جن کا عام کھلے بندوں ذکر حیا اور شرافت کے خلاف سمجھا جاتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں کہ یہ انسانی زندگی کے ضروری دائرے ہیں اور شریعت ان ابواب میں بھی انسانی زندگی کی راہنمائی کرتی ہے اور فقہ کو ان مسائل کو بھی حل کرنا پڑتا ہے۔

یہ مسائل اگر کہیں حدیث میں مروی ہوں تو منکرین حدیث ایسی احادیث کو عوام میں استہزاء کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور عام لوگ کہتے ہیں کہ بھلا ان باتوں کے ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح ان ملحدین کا حدیث کے خلاف نفرت پھیلانے کا پروگرام عمل میں آتا ہے اور علم کی دنیا سرنگوں کردی جاتی ہے اور ان مسائل پر حدیثی روایات اس انداز میں پیش کی جاتی ہیں کہ لوگوں کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس میں محدثین کا کوئی قصور نہیں۔ فرقہ بندی کا یہ رسہ بلاسمت کھینچا جا رہا ہے۔

اسی طرح فقہ کی جزئیات میں بعض عجیب وغریب مسائل سامنے آجاتے ہیں اور قانونی موشگافی کرنے والے انہیں کسی نہ کسی اصل شرعی کے تحت رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ منکرینِ حدیث کی طرح منکرینِ فقہ بھی اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایسے مسائل کو اپنی اصل سے فارغ کرکے اور ان کی شروط وقیود کو حذف کرکے انہیں ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ فقہ کچھ ظرائف وعجائب کا مجموعہ دکھائی دینے لگتی ہے۔ اگر یہ لوگ انہیں اس فن کے اساتذہ سے سمجھنے کی سعادت پاتے تو کوئی ناہنجار فقہ سے اس استہزاء کی جسارت نہ کرتا۔ محدثین

ابتدا سے فقہ کی عظمت بیان کرتے آئے ہیں۔ یہ کیسے اہلحدیث ہیں جو محدثین کے اس مسلک کو چھوڑ کر جہاں دیکھو اس ایک نعرے پر متفق ہیں کہ اس میں قرآن و حدیث کے بعد ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

بنارس میں ایک دفعہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اس قسم کے اشتہار دیئے کہ عوام تو درکنار خواص بھی ان مسائل کو سمجھ نہ پائے اور جب کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بات ہی کچھ اور تھی۔ اس اشتہار کی چند سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اسلام میں مُردے کھانے جائز ہیں
(۲) اسلام میں مُردار پاک سمجھا گیا ہے
(۳) کتا پاک ہے اس کی کھال پر نماز پڑھی جا سکتی ہے
(۴) نماز میں ہوا نکل جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔
(۵) ماں سے نکاح کرنے والے پر پیغمبر اسلام نے حد جاری نہ کی (استغفر اللہ)

جب ان مسائل کی پڑتال کی گئی تو مُردہ کھانے سے انہوں نے اپنی مراد مچھلی کھانا بتلائی مُردار پاک ہونے سے اُن کی مراد مردہ جانور کی کھال تھی کتا پاک ہونے سے اس کی مراد اس کی کھال کا دباغت سے پاک ہونا معلوم ہوا۔ نماز میں ہوا خارج ہونے کی تفصیل یہ ملی کہ نمازی جب سب فرائض و واجبات ادا کر کے آخری تشہد سے گزر چکا ہو تو اب ہوا نکلنے سے نماز نہ ٹوٹے گی۔ پھر یہ بات ملی کہ کھال جس طرح دباغت سے پاک ہو جاتی ہے ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے لیکن اس سے اسے حلال نہیں سمجھا جا سکتا۔ کتا ذبح بھی کیا جائے تو اس کا گوشت حرام رہے گا، رطوبات نجسہ زائل ہونے سے صرف کھال پاک سمجھی جائے گی محرمات سے نکاح کرنے والے پر اگر پیغمبر اسلام نے زنا کی حد جاری نہیں کی تو کیا اسے سزائے موت نہیں دی؟ پھر اس پراپیگنڈے کا کیا فائدہ کہ دیکھو آپ نے اس پر حد جاری کرنے کا نہیں فرمایا۔

اس قسم کے مسائل کچھ ایسے دقیق ہیں کہ عوام انہیں سمجھ نہیں پاتے اور دینی آوارگی چاہنے

والاطبقہ انہیں نہایت دلآزار پیرایہ میں عوام میں پیش کرتا رہتا ہے سو ہم یہاں چند ایسے مسائل دقائق الفقہ کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں ۔ طلبہ کو چاہیئے کہ ان مسائل کو غیر مقلدانہ آوارگی میں نہیں دانشکدہ کے علمی ماحول میں سمجھنے کی کوشش کریں. فقہ اسلام کا وہ اشرف موضوع ہے کہ جہاں نفاق کو راہ نہیں ملتی . فقہ اور نفاق کبھی جمع نہیں ہو سکتے .

ایک معذرت

ہمیں معلوم ہے کہ طلبہ کے سامنے کسی بحث کو مناظرانہ انداز میں لانا مناسب نہیں طلبہ میں ہر مکتب فکر کے لوگ ہوتے ہیں مگر فقہ پر اس قسم کے اعتراضات کرنے والا چونکہ ایک ہی طبقہ ہے اس لیے انہیں بار بار اہلحدیث کے نام سے ذکر کرنا مناسب نہ تھا . ایسے موقعوں پر ہم مجبوراً انہیں غیر مقلدین کے نام سے ذکر کر رہے ہیں. امید ہے اہلحدیث (باصطلاح جدید) طلبہ اسے برا نہ منائیں گے . اہلحدیث کہہ کر ہم نے ان کی اس قدر جہالت اور سفاہت کو واضح کرنا مناسب نہیں جانا . والعذر عند کرام الناس مقبول .

① حضورؐ نے مُردار کی کھال کو لائق استعمال سمجھا

اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا تقاضا ہے کہ کوئی چیز جو انسان کے کام آسکے اسے ضائع نہ ہونے دیا جائے . کہیں انسان کی بھینس مرگئی اب یہ مردار ہے اس کا کھانا حرام ہے . لیکن اس کے اُوپر جو کھال ہے اگر یہ کھانے کے سوا کسی اور کام میں آسکے تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہونا چاہیئے . حضورؐ نے بتو دیا کہ مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے لیکن آپ نے یہ اس کا پاک ہونا بتلایا ہے اسے حلال نہیں کہا . اس سے جوتے بھی بن سکیں گے اور کنوئیں سے پانی نکالنے کا ڈول بھی بن سکے گا . پانی کے مشکیزے بھی اس سے بن سکیں گے . کیوں ؟ یہ اس لیے کہ دباغت سے مرداری چمڑا اب پاک ہو چکا ہے .

یہاں فقہ کے دو لفظ سامنے آتے ہیں حرام اور ناپاک — یہ دو لفظ مختلف ہیں اور مختلف معنی دیتے ہیں مُردہ گائے حرام ہے اور ناپاک بھی لیکن اس کی کھال دباغت سے پاک ہو گئی گروہ کھانے کے پہلو سے حرام ہی رہی — ذبح کی گئی گائے کی کھال کھانے میں حلال ہے جیسا کہ سری پائے میں بعض دفعہ کھال گوشت کے ساتھ بکتی ہے اور لوگ اسے کھالیتے ہیں اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حرام کبھی پاک بھی ہو جاتا ہے کہ وہ حرام بھی رہے اور پاک بھی سمجھا جائے جیسے مردہ گائے کی دباغت شدہ کھال — ہاں خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت سے بھی پاک نہ ہو سکے گی البتہ اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے ہاں خنزیر کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

گدھے اور کتے کی کھال

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :-

ایما اہاب دبغ فقد طہر [1]

ترجمہ جو بھی چمڑا ہو اسے دباغت کیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے

ایما کا عموم ان جانوروں کو بھی شامل ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان کو بھی جن کو کھانا حلال نہیں ہے جیسے گدھا اور کتا — علماء کی کثرت اسی طرف گئی ہے۔ خنزیر کا استثناء دوسرے دلائل کی وجہ سے ہے ورنہ وہ بھی اس عموم میں آجاتا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :-

ذکاۃ المیتۃ دباغھا [2]

ترجمہ مُردار کا ذبح کرنا اسے دباغت دینا ہے

ذکاۃ کا لفظ ذبح کرنے کے معنی میں آتا ہے اس سے مراد جانور کو پاک کرنا ہے۔ اب

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ [2] ایضاً

اگر کسی شخص نے اس جانور کو جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا ذبح کیا اور پھر ذبح سے اس کی رطوبات نجسہ دور ہو گئیں تو اب اس کی کھال کو وہ درجہ حاصل ہوگا جو دباغت سے ہوتا ہے. کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردار کو ذبح کرنا اس کی دباغت ہے سو یہ کھال ناپاک نہ ہوگی. جانور اصلاً ذبح سے پاک ہو جاتا ہے گو وہ کھانے کے لیے حرام رہے. یہ ذبح نہ ہو تو وہ کھال دباغت سے پاک ہو سکے گی اس کے بغیر نہیں.

اس بات کو غیر مقلد لوگ بایں عنوان پیش کرتے ہیں کہ حنفیوں کے ہاں کتا ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے اور آگے وہ یہ بات نہیں کہتے کہ وہ بدستور حرام رہتا ہے صرف اس کی کھال پاک ہوتی ہے — تاہم حنفی فقہ میں کتے کو ذبح کرنے کی کہیں تعلیم نہیں کہ اس کی کھال حاصل کرنے کے لیے اسے ذبح کیا کرو — یہ کہیں نہیں ہے.

مُردار کی صرف کھال پاک ہو سکتی ہے گوشت نہیں

(۱) قال کثیر من المشائخ انه یطهر جلده لا لحمه وهو الاصح واختاره الشارحون.[۱]

(۲) دون لحمه فلا یطهر علیٰ اصح ما یفتیٰ به.[۲]

(۳) الصحیح ان اللحم لا یطهر بالزکوٰۃ.[۳]

(۴) لا یطهر لحمه علی قول الاکثر ان کان غیر ماکول هذا اصح ما یفتی به.[۴]

حاصل ان عبارات کا یہ ہے کہ ذبح کرنے سے حرام جانور کا گوشت پاک نہیں ہوتا صرف اس کی کھال پاک ہو جاتی ہے اس کے خلاف کوئی قول لائق اعتبار نہیں — حنفی فقہ کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس کا گوشت حرام ہے.

اب دیکھیے کہ اس دقیقہ میں اور حنفیوں کے ہاں کتا پاک ہے کے شرمناک عنوان میں کتنا بڑا فرق ہے.

---

[۱] فتح القدیر لابن الہمام جلد ۱ صفحہ ۹۳ [۲] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح صفحہ ۹۶ [۳] غنیۃ المستملی صفحہ ۱۴۴ [۴] در مختار صفحہ

جو لوگ فقہ نہیں جانتے وہ سمجھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک گویا پورا کتا ذبح ہونے سے پاک ہو گیا محض تعصب مذہبی سے اس طرح کے الزامات لگانا گیا اس سے دین عوام کے سامنے ایک کھلا استہزاء ہو کر رہ جائے گا پھر یہ لوگ اصح اور مفتی بہ کی اصطلاحوں کو بھی نہیں سمجھتے صرف حنفیوں کے بعض میں عبارات لکھ دیتے ہیں جن سے عوام تو بہ تو بہ کہہ اٹھیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ فقہ میں کن کن باریکیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور یہی وہ دولت ہے جس سے یہ معترض لوگ بے نصیب ہیں

ذبح اور دباغت کا ایک عمل اور اثر

جس طرح دباغت سے مُردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ حرام جانور کھال کی حد تک مطلق ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اہلحدیث (باصطلاح جدید) حضرات کا بھی یہی موقف ہے مولانا وحیدالزمان لکھتے ہیں ،

مایطهر بالدباغة یطهر بالزکٰوة الا لحم الخنزیر بانه رجس.[1]

ترجمہ. جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے

دونوں میں علت مشترکہ یہ ہے کہ جس طرح دباغت سے رطوبات نجسہ زائل ہوتی ہے ذبح سے بھی یہ جاتی رہتی ہیں۔ مولانا وحیدالزمان کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث حضرات کے ہاں خنزیر کی کھال بھی ذبح سے پاک ہو جاتی ہے صرف گوشت ناپاک رہتا ہے. مولانا وحیدالزمان اس سے پہلے لکھ آئے ہیں ۔

ایما اهاب دبغ فقد طهر ومثله المثانة والکرش واستثنٰی بعض اصحابنا جلد الخنزیر والآدمی والصحیح عدم الاستثناء.[2]

ترجمہ. جو چمڑا رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے. اسی طرح مثانہ اور اوجھڑی

---

[1] نزل الابرار جلد ا صنٓ [2] ایضاً م۲۹

کا چمڑا بھی پاک ہو جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ خنزیر کا چمڑا اس سے مستثنیٰ ہے وہ پاک نہیں ہوتا صحیح یہ ہے کہ وہ بھی پاک ہو جاتا ہے
(استغفر اللہ العظیم)

کتے کے چمڑے کا جائے نماز اور پانی نکالنے کا ڈول

جب کتا ذبح کرنے سے یا اس کی کھال کو دباغت دینے سے پاک ہو گیا تو اس کی کھال سے کیا جائے نماز بنانا درست ہے؟

جواب: مولانا وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں :-
ویتخذ جلدہ مصلی ودلوا[1]

ترجمہ: اور کتے کی کھال سے مصلا اور ڈول بنائے جا سکتے ہیں۔
اس سے یہ دیکھنا چاہیئے کہ کتے کو ذبح کرنا جائز ہے اور اس کی کھال سے مصلے بنائے جائیں یہ بار یکی محض اس لیے بیان کی گئی ہے کہ حرام جانوروں کی کھالوں سے انسان زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔ ان مسائل میں صرف حکم بتلانا مقصود ہے ان کاموں کی ترغیب نہیں دی جارہی جیسا کہ غیر مقلد کہتے ہیں کہ حنفیوں کے ہاں کتا ذبح کرنا جائز ہے۔
اب آیئے دوسرے مسئلے میں چلیں۔

② اسلام میں وجوب غسل کے اسباب

① انزال خواب میں یا جاگتے، جائز عمل سے ہو یا ناجائز عمل سے ہر حال میں موجب غسل ہے بوجہ بیماری یا ناداری غسل نہ کر سکے تو تیمم کرے۔ بدوں غسل یا تیمم کے وہ ناپاک رہے گا۔

---

[1] نزل الابرار ص۳۰

(۲) فطری طریق جماع میں بغیر انزال علیحدگی اختیار کرلی تو بھی غسل واجب ہوگیا مگر غیر فطری ادخال سے وہ پیچھے میں ہو یا کسی نالی میں، ٹانگوں میں ہو یا بغل میں یا چوپائے میں، اس قسم کی حرکات شنیعہ میں سزا تو ہے لیکن اگر انزال نہیں ہوا تو غسل فرض نہ ہوگا

اس میں باریک فقہی نظر کار فرما ہے جو دو صورتوں میں فرق کر رہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان غیر فطری طریقوں کو اختیار کرنا جائز ہے۔ غیر مقلدین جب ان مسائل کے حوالوں سے عوام کو فقہ سے بدگمان کرتے ہیں تو اس بات کو وہ اس عنوان سے پیش کرتے ہیں:

"فقہاء کے نزدیک اگر کسی نے چوپائے سے شہوت رانی کی مگر عمل مکمل ہونے سے پہلے ہٹ گیا تو اس پر غسل فرض نہیں ہوتا" اس الزام کو اس صورت میں پیش کیا جاتا ہے گویا احناف کے ہاں چوپائے سے یہ عمل قابل سزا نہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس فعل شنیع پر سزا کا حکم واضح طور پر موجود ہے:۔

من وطئ اجنبیۃ فیما دون الفرج یعزر لانہ منکر لیس فیہ شئ مقدر [1]

ترجمہ: جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے شرمگاہ کے سوا صحبت کی اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی کیونکہ یہ بُرا عمل ہے جس پر کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

من وطئ بھیمۃ فلا حد علیہ لانہ لیس فی معنی الزنا الا انہ یعزر لما بیّنا [2]

ترجمہ: جس نے کسی چوپائے سے یہ بُری حرکت کی اس پر حدِ زنا جاری نہ کی جائے گی کیونکہ یہ زنا نہیں ہے ہاں اس پر جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی۔

---

[1] ہدایہ اوّلین ص۴۹۶ [2] ایضاً ص۴۹۷

افسوس کہ غیر مقلدین اس بحث کو مسائل غسل میں لاکر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا حنفیوں کے ہاں ایسے اعمال پر کوئی گرفت نہیں اور لوگ بھی جہالت کا شکار ہیں کہ سوچنے کی ذرا زحمت گوارا نہیں کرتے۔

یہ نہ بھولیے کہ امام بخاریؒ کے ہاں عورت سے صحبت کرنے والے پر بھی بلا انزال غسل واجب نہیں ہوتا ہاں وہ احتیاطاً غسل کر لینے کا مشورہ دیتے ہیں۔[1]

غیر مقلدوں کا ایک اور جھوٹ

(۴) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کھجور کی شراب سے وضو کرنا جائز ہے اور اس کا پینا بھی حلال ہے؟

الجواب: عربوں میں ایک مشروب نبیذ کے نام سے معروف تھا پانی میں کھجوریں ڈال دیں اور وہ پانی کو میٹھا کر دیں تو کھجور کی یہ نبیذ کسی امام کے ہاں ناجائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مشروب کو بہت پسند کرتے تھے لیکن اس میں اور شراب میں بہت فرق ہے اسے شراب بتلانا غیر مقلدانہ آوارگی ہے جو علمی شرافت کے سراسر خلاف ہے

اگر نبیذ اتنی دیر پڑی رہے کہ ابلنے لگے تو امام اعظمؒ کے ایک قول کے مطابق وہ نشہ آور ہوگئی اور ایک قول ان کا یہ ہے کہ یہ اس درجہ اشتداد میں دیر سے نشہ آور ہوتی ہے سو پہلے درجے میں یہ شراب کے حکم میں نہیں ہے نبیذ کے درجہ میں ہے

اب مسئلے کی صورت بالکل واضح ہے کہ اگر وہ شراب کے حکم میں نہیں تو پانی کے حکم میں ہے۔ پانی اسی وقت لائق وضو نہیں رہتا جب اس میں کوئی ناپاک چیز جو اس کے رنگ، ذائقہ یا خوشبو کو بدل دے مل جائے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ مشروب اگر حد مسکر کو نہیں پہنچا تو وہ پانی کے حکم میں ہے اس سے وضو جائز ہوگا اور اس کا پینا بھی جائز ہوگا۔ اعتراض کی کوئی وجہ بتایئے۔

---

[1] دیکھئے بخاری جلد ا صفحہ ۴۳

غیر مقلد اسے نہایت مکروہ عنوان سے پیش کرتے ہیں کہ "امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کھجور کی شراب سے وضو، جائز ہے۔"

حقیقتِ مسئلہ

اس مسئلہ میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عام پانی کے حکم میں ہے اس سے وضو جائز ہے۔ دوسری یہ کہ وہ اس اشتداد میں عام پانی نہیں رہا۔ اس میں نشہ پیدا ہوگیا ہے اب اس کا پینا حرام ہے اور اس سے وضو ناجائز ہے۔ امام ابویوسفؒ امام صاحبؒ کی اس دوسری روایت سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے :-

قال ابو یوسف یتیمم ولا یتوضأ به وھو روایة عن ابی حنیفة و به قال الشافعی۔[1]

ترجمہ۔ امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ اس صورتِ حال میں وہ تیمم کرے اور اس نبیذ سے وضو، نہ کرے امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور یہی امام شافعیؒ کا فیصلہ ہے۔

غور کیجئے غیر مقلدین کا امام صاحبؒ کے پہلے قول کو نقل کرنا اور فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ فیصلے کو جو امام محمدؒ سے منقول ہے نہ لینا اگر نیت کا فساد نہیں تو اور کیا ہے۔ معترضین اس اعتراض میں جو عبارت نقل کرتے ہیں وہ پوری عبارت اس طرح ہے :-

النبیذ المختلف فیه ان یکون حلواً رقیقاً یسیل علی الاعضاء کالماء وما اشتد منھا صار حراماً لا یجوز التوضی به وان غیرته النار فما دام حلواً فھو علی الخلاف وان اشتد فعند ابی حنیفة یجوز التوضی به لانه یحل شربه عنده وعند محمد لا یتوضأ به لحرمة شربه عنده

---

[1] ہدایہ صہ۳۲

ولا یجوز التوضی بما سواہ من الانبذۃ۔[1]

ترجمہ۔ نبیذ جس میں اختلاف ہوا کہ اس سے وضو کیا جائے یا نہ وہ ہے جو میٹھا پانی ہو اور اتنا پتلا ہے کہ آسانی سے اعضاء پر بہہ سکے جیسے عام پانی ہوتا ہے جب تک وہ میٹھا پانی رہے (کچھ گاڑھا نہ ہو) گو اشتداد پر آجائے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے کیونکہ ابھی وہ جس حالت میں ہے کہ اس کا پینا جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ اس کا پینا ان کے ہاں جائز نہیں اس کے سوا جو اور نبیذ یں ہیں ان سے وضو پہلے سے ہی جائز نہیں (کیونکہ وہ رقیق نہیں ہوتیں کہ بدن پر پانی کی طرح بہہ سکیں)۔

غور کیجئے فقہ حنفی کے مفتٰی بہ قول کو کس طرح چھوڑ دیا گیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کو کس احساس تعصب میں گھرے پیش کیا گیا ہے۔ اس قول میں بھی امام ابوحنیفہؒ اس نبیذ کو شراب تسلیم نہیں کرتے اور اسی وجہ سے اسے پینا جائز کہتے تھے۔ اب اسے کس عنوان سے پیش کرنا کہ حضرت امام کے نزدیک کھجور کی شراب سے وضو کیا جا سکتا ہے اگر کھلی بے ایمانی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

رہا یہ مسئلہ کہ عوام کو کس طرح فقہ حنفی سے متنفر کیا جائے تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ اگر اس طرح کا مواد لوگوں نے کتب حدیث میں دیکھ لیا تو پھر یہاں اہل قرآن ہی رہیں گے اہل حدیث اور اہل فقہ دونوں پر ایک ہی انداز کی یورش ہوگی کہ بھلا نبیذ سے وضو کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جو حضورؐ نے ایسا کیا۔

عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ قال سألنی النبیؐ مافی اداوتک فقلت نبیذ فقال تمرۃ طیبۃ ماء طھور قال فتوضأ منہ۔[2]

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں حضور اکرمؐ نے مجھ

---

[1] ہدایہ صد ۳۲ [2] جامع ترمذی جلد ا صد

سے پوچھا یہ تیرے اوداۃ میں کیا ہے؟ آپ نے کہا یہ نبیذ ہے (کھجور کا شربت ہے) آپ نے فرمایا پاک کھجور ہے اور یہ ماءِ طہور ہے (ایسا پانی ہے جو پاک کرے) پھر آپ نے اس سے وضو کیا۔

امام ترمذیؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں :۔

وقد رای بعض اھل العلم الوضوء بالنبیذ منھم سفیان وغیرہ ۔

ترجمہ بعض اہلِ علم کی رائے ہے نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے انہی میں (کوفہ کے امام مجتہد) سفیان الثوریؒ اور کئی حضرات اور ہیں۔

کوفہ کے دوسرے بڑے عالم امام سفیان الثوریؒ ہیں یہ مجتہد تھے اور ان کی بھی مدتوں تقلید ہوتی رہی۔ اتنے بڑے محدث اور مجتہد کا اس موقف پر ہونا یہ کوئی معمولی بات نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس بات کا اعتبار ہے۔

مولوی فضل احمد انصاری دلاوری نبیذ کی بحث میں لکھتے ہیں :۔

نبیذ کھجوروں کے شربت کو بولتے ہیں جو حدِ سکر کو نہ پہنچا ہو، جمہور اور امام ابو یوسفؒ کا یہ مذہب ہے کہ اس سے کسی صورت میں وضو جائز نہیں اور اسی کو طحاویؒ نے اختیار کیا ہے اور قاضی خاں نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے لیکن مشہور کتب فقہ میں یہ ہے کہ جب پانی میں کچھ کھجوریں ڈالی جائیں اور وہ پانی میٹھا ہو جائے اور اس سے اسم پانی بھی زائل نہ ہو تو اس سے وضوء جائز ہے دلیل ان کی یہی حدیث ہے [1]

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کتب فقہ میں جہاں نبیذ سے وضو جائز کہا گیا ہے وہاں یہ شرط ہے کہ اس سے اسم پانی زائل نہ ہوا ہو وہ شراب نہ ہو گئی ہو۔ کہاں یہ مسئلہ اور کہاں غیر مقلدوں کا یہ نعرہ کہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں شراب سے وضو جائز ہے۔ کاش کہ یہ لوگ شربت اور شراب

---

[1] ترجمہ ترمذی صہ ۲۹ لکھنو

میں فرق کر سکتے اور ائمہ دین پر اعتراض بلا سوچے سمجھے پرہیز کرتے

بعض اہلحدیث کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے ہم کہتے ہیں کہ فقہ میں آپ کا پیش کردہ حوالہ بھی آخری مفتیٰ بہ قول نہیں ہے۔ آپ ان حوالوں سے کتب فقہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور منکرین حدیث ان حدیثوں کی وجہ سے کتب فقہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ تو پھر اہلحدیث اور اہل قرآن دونوں میں کیا فرق رہا دونوں تعصب کا شکار ہیں۔

بعض غیر مقلد عوام کو دھوکہ دینے کے لیے امام صاحبؒ کے قول کو قول اخیر کہتے ہیں تاکہ ان کا اختلاف قائم رہے اور مقلدین اور غیر مقلدین آپس میں کہیں اتفاق سے نہ بیٹھ سکیں ہم کہتے ہیں ان کی یہ بات بالکل غلط ہے۔

علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) نے نوح بن ابی مریم، اسد بن عمرو اور حسن بن زیاد کی روایت سے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

انہ تیمم ولا یتوضأ بہ، قال قاضی خان وھو الصحیح و ھو قولہ الاخیر[۱]

ترجمہ۔ وہ تیمم کرے اس سے وضوء نہ کرے قاضی خان کہتے ہیں یہی صحیح ہے اور یہی آپ کا آخری قول ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) بھی کہتے ہیں۔

ذکر قاضی خان ان اباحنیفۃ رجع الیٰ ھذا القول[۲]

ترجمہ۔ قاضی خانؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ پھر اس بات کی طرف آ گئے تھے۔

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر قارئین کے سامنے آ گئی کہ فقہ حنفی حدیث کے کس قدر قریب ہے اور یہ کہ دقت نظری میں شاید اور کوئی فقہ اس کی برابری نہ کر سکے۔

اب ان غیر مقلدین کی ایک اور عبارت سنیئے۔

۱ؔ بنایہ شرح ہدایہ جلد ۱ ص۲۸۶ ۲ؔ فتح الباری جلد ۱ ص

(۴) تیمم پاک مٹی پر ہی ہو سکتا ہے قرآن پاک میں ہے۔ فتیمّموا صعیداً طیّباً حنفی فقہ میں تیمم پتھر اور چونے پر بھی ہو جاتا ہے اُن چٹانوں پر بھی ہو جاتا ہے جن پر مٹی کا کوئی گرد و غبار نہ ہو مٹی کے بغیر تیمم کی راہ فقہ حنفی نے ہی دکھائی ہے؟

الجواب: پختہ غور و فکر کے بغیر فقہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ سکتی قرآن پاک میں تیمم صعید طیب سے کرنے کا حکم ہے اس میں مٹی کی تخصیص نہیں اب دیکھنا ہے کہ صعید کسے کہتے ہیں۔ لغت میں صعید مٹی اور زمین دونوں کو کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو سبب طہور (تیمم) بتایا ہے مٹی سے اس کی تخصیص نہیں کی حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں:۔

جعلت لی الارض مسجداً و طہورًا [1]

ترجمہ: پورا صفحۂ مضمون میرے لیے سجدہ کی جگہ اور سبب پاکیزگی بنایا گیا۔

حضورؐ نے سارے روئے زمین کو تیمم کا محل بتایا ہے تو اب اس کی مٹی سے تخصیص کیسے جائز ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:۔

الصعید التراب او وجہ الارض۔ [2]

ترجمہ: صعید مٹی کا نام ہے یا روئے زمین کا

نواب صدیق حسن خاں صاحب اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

والثانی ھو الظاھر من لفظ الصعید لانہ ما صعد اعلا وارتفع علیٰ وجہ الارض وھذہ الصفۃ لا تختص بالتراب ویؤید ذٰلک حدیث جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً۔ [3]

ترجمہ: لفظ صعید کے یہ دوسرے معنی ظاہر ہیں اس سے مراد ہے جو اُوپر آئے یعنی بلند ہو اور زمین پر اوپر آئے اور یہ صفت مٹی سے خاص نہیں کی جا سکتی اور یہ حدیث کہ پوری زمین میرے لیے مسجد اور محل تیمم بنائی گئی اس کی تائید ہے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۹۹ [2] ہدایہ [3] روضہ ندیہ ص۴۹

علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) حدیث جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً کے تحت لکھتے ہیں
الارض میں الف لام جنس کا ہے سو جو پاک چیز بھی زمین پر ہو گی پتھر ہو یا مٹی (ریگ ہو یا چونہ یا ریت) اس سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔

لان الصعید لیس التراب انما ھو وجہ الارض ترابا کان او صخراً لا
تراب علیہ او غیرہ ... اللام فیھا للجنس فلا یخرج شئ منھا [1]

ترجمہ مٹی گرد کا نام نہیں مٹی سطح زمین کا نام ہے وہ گرد کی صورت میں ہو
یا پتھر کی صورت میں جس پہ کوئی گرد نہ پڑی ہو اس میں لام جنس کا ہے
مٹی کی صورت اس سے باہر نہیں رہتی۔

اگر کسی فقیہ کا حضرت امامؒ کے اس استدلال سے اختلاف ہو تو بطور مجتہد اسے اختلاف کا حق ہے لیکن فقہ حنفی کے اتنے کھلے دلائل سے اختلاف ان غیر مقلدوں کو زیب نہیں دیتا جو مجتہد نہیں اور حضرت امامؒ سے بدگمانی کے سوا کوئی چیز ان کے دامن نہیں۔ حدیث مذکور میں تیمم کو بھی طہور کہا گیا ہے۔ سو ضرورت کے وقت تیمم سے نماز پڑھنا حدیث لا صلوٰۃ الا بطہور کے خلاف نہیں ہے۔

غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر ایک اور اعتراض ملاحظہ ہو:-

⑤ قرآن کریم میں ہے کہ "پانی نہ ملے تو تیمم کرلو" مگر فقہ حنفی کہتی ہے کہ پانی ہونے کے باوجود اگر تم سمجھو کہ وضو کرلے میں تم سے نماز عید نکل جائے گی تو تیمم کر کے نماز عید میں شامل ہو جاؤ۔ یہ قرآن کریم کی نص قطعی کی مخالفت ہے۔

الجواب: بے شک قرآن کریم میں ہے کہ پانی نہ ملے تو تیمم کرو لیکن یہ اس حالت کے متعلق ہے کہ وضو کر کے نماز مل جائے ---- نماز عید رہ جائے تو یہ اکیلے نہیں پڑھی جا سکتی اب اگر وضو کرے اور نماز رہ جائے تو یہ اس آیت پر عمل نہ ہو گا سو بہتر ہے کہ وہ اس ضیق

---

[1] البنایہ شرح الہدایہ جلد ۱ صلا۳

وقت میں تیمم کرے اور نماز میں شامل ہو جائے. صحابہ کرامؓ نے اس آیت کریمہ کا یہی مطلب سمجھا ہے.

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت سے کیا سمجھا؟

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے کیا سمجھا؟ (کہ جب پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو) آپ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں وضو کرتے نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر کے نماز میں شامل ہو جاؤ.

عن ابن عباسؓ اذا خفت ان تفوتك الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم وصلّ. [1]

ترجمہ. حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب تجھے ڈر ہو نماز جنازہ میں نہ مل سکو گے اور تمہارا وضو نہ ہو تو (جلدی سے) تیمم کرو اور نماز میں شامل ہو جاؤ.

امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں حضرت ابن عمرؓ کا بھی اس پر عمل نقل کیا ہے.

عن ابن عمرؓ انه اتی الجنازة و هو علی غیر وضوء فتیمم ثم صلی علیها. [2]

ترجمہ. حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک جنازہ پر آئے آپ کا وضو نہ تھا. آپ نے تیمم کیا اور جنازہ کی نماز پڑھی.

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جو لوگ جنازہ پڑھ رہے ہیں ان کے پڑھ لینے کے بعد اب اس میں شامل نہ ہو سکنے والے پر کوئی گناہ نہ رہے گا. فرض کفایہ ادا ہو چکا لیکن جس کی عید کی نماز رہ گئی اس پر ترکِ واجب کا گناہ رہے گا ــــ سو جب نمازِ جنازہ میں اس صورت حال میں تیمم

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۳ صـ [2] الجوہر النقی جلد ۱ صـ ۵۹

کی اجازت ہے تو اس صورتِ حال میں تیمم سے نمازِ عید پڑھنے کی بصورتِ اولیٰ اجازت ہونی چاہیے

نوٹ : حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس صورتِ حال میں عید کی نماز کے لیے بھی تیمم کرنا نقل کیا ہے۔[1]

غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر ایک اور استہزاء

(۶) فقہ کی کتابوں میں ہے کہ کپڑوں پر ایک درہم کے برابر نجاست غلیظہ لگی ہو تو ان میں نماز پڑھنا جائز ہے ؟

الجواب : یہ صریح جھوٹ ہے۔ فقہ کی کتابوں میں کہیں نہیں لکھا کہ یہ جانتے ہوئے کہ کپڑوں پر اس قدر نجاست لگی ہے ان میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے بلکہ لکھا ہے کہ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس نجاست کا دور کرنا واجب ہے۔ ہاں اگر کسی نے بے خبری میں نماز پڑھ لی تو نماز ادا ہو جائے گی شارعؑ نے اس غلطی پر درگذر فرمایا ہے۔

حافظ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) کہتے ہیں۔

والصلوٰۃ مکروھۃ مع مالا یمنع[2]

ترجمہ جو نجاست ادائے نماز میں مانع نہیں اتنی بھی ہو تو نماز مکروہ شمار ہوگی

عفا الشارع عن قدر درھم وان کرہ تحریمًا فیجب غسلہ[3]

ترجمہ۔ شارع نے ایک درہم کے برابر نجاست کو معاف کیا ہے اگرچہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے (حرام کے قریب قریب ہے) سو ضروری ہے کہ وہ اسے دھو لے اور تب نماز پڑھے

سو یہاں معاف کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہ ہوگی وگرنہ اس کے

---

[1] دیکھئے عمدۃ الرعایہ صـ [2] فتح القدیر جلد ۱ صـ۱۳۱ [3] درمختار بحاشیہ رد المحتار جلد ۱ صـ

مکروہ تحریمی ہونے میں کسی کو کلام نہیں

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں :۔

المراد عفاعن الفساد به والافکراهة التحریم باقیه اجماعًا ان بلغت الدرهم۔[1]

ترجمہ: معاف ہونے سے مراد یہ ہے کہ نماز نہ ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا۔ ورنہ اس کی کراہت تحریمی اجماعًا باقی رہے گی اگر نجاست ایک درہم کے برابر جا پہنچی ہے۔

ایک درہم کی برابری کی بات

یہ ایک درہم کی برابری کی بات کہاں سے چلی ہے؟ یہ غیر مقلدین کا جھوٹ ہے کہ یہ بات امام ابوحنیفہؒ سے چلی ہے

علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) لکھتے ہیں :۔

والتقدیر بالدرهم مروی عن عمر و علی و ابن مسعود و هو مما لا یعرف بالرای فیحمل علی السماع۔[2]

ترجمہ: یہ ایک درہم کے اندازے کی بات حضرت عمرؓ سے حضرت علیؓ سے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے یہ ایسی بات ہے جو رائے سے نہیں کی جا سکتی پس ضروری ہے کہ اسے حضورؐ سے سننے پر محمول کیا جائے یعنی یہ حضورؐ سے سنی بات کا حاصل ہے۔

امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں :۔

انهم استکرهوا ذکر المقاعد فی مجالسهم فکنوا عنه بالدرهم۔[3]

---

[1] شرح مراقی الفلاح ص۸۹ [2] غنیۃ المستملی ص۔۔۔ [3] رد المحتار الشامی جلد ۱ ص۲۱۳

ترجمہ مقعد کا ذکر عام مجالس میں لوگ ناپسند جانتے تھے اس لیے انہوں نے درہم کے برابر ٹھہرانے میں کنایہ سے کام لیا ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں۔

ویعضده ماذکره المشائخ عن عمر انه سئل عن القلیل من النجاسة فی الثوب فقال اذا کان مثل ظفری هذا یمنع جواز الصلوٰة قالوا و ظفره کان قریباً من کفنا [1]

ترجمہ۔ اور اس کو وہ بات بھی تقویت دیتی ہے جسے مشائخ نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ کپڑے میں لگی کم سے کم نجاست کتنی ہے جس سے نماز نا جائز ٹھہرے؟ آپ نے کہا میرے اس ناخن کے برابر ہو تو یہ ادائے نماز میں مانع ہے اور آپ کا ناخن ہماری ہتھیلی کے قریب قریب تھا۔

افسوس ان غیر مقلد علماء پر ہے جو مناظروں اور جلسوں میں مقعد کا نقشہ بنا کر فقہ حنفی سے استہزا کرتے ہیں اور انہیں علم نہیں ہوتا کہ یہاں نجاست کا یہ پیرایۂ بیان خود صحابہؓ سے منقول ہے سواسے درہم تک ہی محدود رکھیں عوام کے سامنے انگلیوں سے مقعد کے نقشے نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حیا عطا فرمائے۔

شافعی فقہ بھی یہی کہتی ہے

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) فقہ شافعی کے جلیل القدر فقیہ ہیں آپ لکھتے ہیں۔

ان موضع الاستنجاء لا یطهر بالاحجار بل یبقی نجساً معفواً عنه فی حق الصلوٰة۔ [2]

---

[1] رد المحتار الشامی جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۶

ترجمہ جسم کا استنجے کا مقام صرف ڈھیلوں سے پاک نہیں ہوتا وہ ناپاک رہتا ہے لیکن نماز کے بارے میں اس سے درگذر ہے

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں :

قدرناہ بقدر الدرھم اخذا عن موضع الاستنجاء[1]

ترجمہ ہم نے اس ناپاکی کی مقدار قدرِ درہم بنائی ہے اسے استنجاء کی جگہ کے برابر سمجھتے ہوئے۔

حدیث میں کسقدر نجاست کی معافی

عن عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ذھب احدکم الی الغائط فلیستطب بثلثۃ احجار فانھا تجزئ عنہ[2]

احادیث الاکتفاء بالاحجار فی الاستنجاء تفید کون قدر الدرھم عفواً لان موضع الاستنجاء مقدر بہ[3]

عوام میں بے حیائی کی بات لانے کی ایک اور اہلحدیث کوشش

(۱) فقہ حنفی میں ہے کہ جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ہے اسے حد نہ ماری جائے۔ دیکھو حنفی اس کام کو جائز سمجھتے ہیں؟

۲. جو شخص کسی لڑکے سے یہ عمل کرے ان کے ہاں اسے بھی حد نہ لگے گی ؛

۳. جو شخص محرمات (جن عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے) سے نکاح کرے اُسے

---

[1] فتح الباری جلد ا صـ [2] رواہ ابوداؤد والنسائی واسنادہ حسن نیل الاوطار جلد ۱ صـ ۸۵
[3] اعلاء السنن جلد ۱ صـ ۲۸۷

بھی حد نہ لگے گی ؟

۴۔ جو دارالحرب یا دار البغی میں زنا کرے اسے بھی حد نہ لگے گی ؟
فقہ کی ان شرمناک تحریروں کو دیکھ کر غیر مسلم کیا کہتے ہوں گے حنفیوں نے ایسی باتیں کیوں لکھیں

الجواب :

غیر مسلم بھی مسلمانوں کے بارے میں وہی کچھ کہتے ہوں گے جو یہ غیر مقلدین حنفیوں کے بارے میں کہتے ہیں دونوں میں کیا فرق ہے۔ یہ آپ دیکھیں افسوس کہ یہ نام کے اہلحدیث کبھی یہ نہیں سوچتے کہ اس قسم کی باتیں اگر حدیث کے لٹریچر میں بھی پائی جائیں تو پھر اہل قرآن لوگوں کو اہلحدیث سے بھی تو اسی طرح متنفر کریں گے۔

لیجئے پہلے نمبر کے اعتراض کو لیجئے کیا یہ بات بعینہ جامع ترمذی میں موجود نہیں؟ فرق ہے تو فقہ حنفی میں یہ بات فقہاء کے نام سے ہوگی اور ترمذی میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام سے ـــــ آپ فرماتے ہیں :۔

من اتی بھیمۃ فلا حد علیہ ۔[1]

ترجمہ : جو کسی چوپائے سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں لگتی۔

اس پر امام ترمذیؒ کہتے ہیں :۔

وھذا اصح من الحدیث الاوّل والعمل علی ھذا عند اھل العلم وھو قول احمد واسحٰق ۔

ترجمہ : یہ بات حدیث اوّل سے زیادہ صحیح ہے اور اہل علم کے ہاں اسی پر عمل رہا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول بھی یہی ہے اور امام اسحٰق بن راہویہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

دیکھئے یہاں اسے بعض اہل علم کا عمل نہیں بتایا۔ پھر حنبلی فقہ میں بھی یہی ہے کہ چوپائے سے یہ عمل کرنے والا مستوجب حد نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں اسے کوئی سزا نہ ملے گی ـــــ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صـ۱۷۶ سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۶۱۳

فقہ حنفی میں ہے :۔

الا انہ یعزر۔ مگر اس کو تعزیری سزا ضرور ملے گی [1]

سو لاحد علیہ سے مطلق سزا کی نفی مراد نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلدوں نے سمجھ رکھا ہے

اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے ۔

۲۔ اس صورت میں بھی صرف حد کی نفی ہے مطلق سزا کی نفی نہیں ۔

حافظ ابن ہمام ؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :۔

ولکن یعزر ویسجن حتیٰ یموت او یتوب ولو اعتاد اللواطة قتل الامام محصناً کان او غیر محصن سیاسة اما الحد المقرر شرعاً فلیس حکماً له [2]

ترجمہ : لیکن اس لواطت کے مرتکب پر تعزیر لگے گی اسے جیل ڈالا جائے گا یہاں تک وہ مر جائے یا اپنی زندگی صحیح کرے اور اگر وہ اس کا عادی ہو رہے تو شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ امیر المؤمنین اصلاح احوال کے لیے اس کو سزائے موت دے لیکن شرع میں جو زنا کی حد مقرر ہے وہ اس پر نہ لگے گی ۔

شریعت نے غیر فطری فعل کرنے والے کے لیے سنگساری کا حکم یا سر کوڑوں کا حکم دیا ہمیں اس پر کوئی صحیح حدیث نہیں ملی ۔ تاہم فقہ حنفی میں اس کی سزا کا جو حکم ہے اسے ذکر کیے بغیر صرف اتنی عبارت پیش کرنا کہ احناف کے ہاں اس شخص پر حد نہیں اگر کسی اپنے بغض باطنی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے ؟ اب وہ عبارت بھی سن لیجئے :۔

ومن اتی امرأة فی الموضع المکروہ او عمل عمل قوم لوط فلا حد علیہ عند ابی حنیفة ویعزر وقال فی الجامع الصغیر ویودع فی السجن و

---

[1] ہدایہ جلد ۲ ص [2] فتح القدیر جلد ص

قالا ھو الزنا [1]

ترجمہ۔ اور جو شخص عورت سے خلاف فطرت کرے یا عمل قوم لوط کا مرتکب ہو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس پر حد زنا نہ لگے گی لیکن اس پر تعزیری سزا ضرور عائد کی جائے گی اور جامع صغیر میں ہے اسے جیل میں ڈالا جائے گا۔ صاحبین کہتے ہیں یہ زنا کی طرح ہے۔

۴۔ محرمات سے جو نکاح کرتا ہے تو یہ رشتے کچھ دور کے بھی تو ہو سکتے ہیں اسے ماں بہن یا بیٹی سے نکاح کا عنوان دینا محض ان لوگوں کے خبث باطن کی وجہ سے ہے۔ رضاعت سے بھی کئی ایسے رشتے حرام ہوتے ہیں جو بادی النظر میں حرام معلوم نہیں ہوتے۔۔۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مزنیہ کی ماں بھی محرمات میں سے ہے۔ اب اگر کسی نے اس سے نکاح کر لیا اور وہ جانتا ہے کہ جس سے اس نے نکاح کیا ہے یہ اس کی ماں ہے لیکن اسے مسئلے کا حکم معلوم نہیں اور وہ اس شبہ میں سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا ہے تو اس شبہ کے باعث اس پر زنا کی حد نہ لگے گی البتہ اسے سخت ترین سزا دی جائے گی۔

نکاح کا عنوان اتنا نمایاں ہے کہ یہ بدوں اس کے کہ کوئی اور کا رشتہ مراد ہو یا پھوپھی بھتیجی کے ایک شخص کے ہاں جمع ہونے کی صورت ہو جسے شیعہ ملاں کہتے ہیں منعقد ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی بدبخت نے بہن یا بیٹی سے ہی منہ کالا کرنا ہے تو غور کیجئے اسے نکاح کی کیا ضرورت ہے کیا وہ کھلے بندوں زنا کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ سوچئے نکاح کا عنوان کچھ نہ کچھ شبہ ضرور پیدا کر دیتا ہے اور فقہ میں اس شبہ کی رعایت کی گئی ہے۔

فقہ میں مذکورہ صورت شبے پر مبنی بتائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ شبہ دور کے رشتوں میں ہی ہو سکتا ہے قریب کے رشتوں میں ضروری نہیں۔ وہ شخص ان دور کے رشتوں کو جانتا تو ہے لیکن ان کے حکم شرعی میں وہ شبہ میں مبتلا ہوا ہے۔ اس صورت میں اس کو شک کا فائدہ دیکر

---

[1] ہدایہ اولین ص۴۹۶

حد اس سے ساقط کی جائے گی لیکن چونکہ اس نے اس عورت سے وطی کا ارتکاب کیا ہے اس لیے اسے سخت ترین سزا دی جائے گی۔

ہدایہ میں ہے:

انه ارتکب جریمة ولیس فیها حد مقرر فیعزر[1]

ترجمہ۔ اس نے ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کے لیے حد مقرر نہیں سو اس پر تعزیر کی سزا جاری کی جائے گی

حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

الا ترى ان ابا حنیفة الزم عقوبة باشد مایکون وانما لم یثبت عقوبة هی الحد فعرف انه زنا محض عنده الا ان فیه شبهة۔[2]

ترجمہ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس پر سخت ترین سزا لازم کی ہے کیونکہ اس پر معروف حد زنا کہیں ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے آپ کے ہاں یہ زنا محض ہے مگر اس شبہ نکاح سے اس پر حد مارنے کا حکم نہیں ہے

نکاحِ حرام پر ذاتِ رسالت نے حد جاری نہیں کی

حضرت براء بن عازب کہتے ہیں ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کی وفات کے بعد نکاح کر لیا حضور ﷺ نے حضرت براء کے ماموں حارث بن عمرو کو اس کے قتل کا حکم دیا یہ تعزیر تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ سوتیلی ماں محرماتِ ابدیہ میں سے ہے جس نے اس سے نکاح کیا حضور ﷺ نے اسے سخت ترین سزا دی لیکن اس پر زنا کی حد قائم نہ فرمائی۔ اس سے پتہ چلا کہ شبہ نکاح سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

---

[1] ہدایہ ص ۴۹۶ [2] فتح القدیر

حارث بن عمرؓ کہتے ہیں۔

ارسلنی رسول اللّٰہ الیٰ رجل تزوج امرأۃ ابیہ من بعدہ ان اضرب عنقہ او اقتلہ [1]

ترجمہ۔ حضرت براءؓ کے ماموں کہتے ہیں مجھے آنحضرتؐ نے ایک شخص کے پاس بھیجا جس نے اپنے باپ کے بعد اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا تھا

نکاح حرام پر صحابہ کرامؓ کا ردعمل

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم کہہ کر حرام رشتے بیان فرمائے ہیں وہاں ان عورتوں کو بھی ذکر کیا ہے جو کسی کے نکاح میں ہوں انہیں محصنٰت کہا گیا ہے۔ پانچویں پارے کی ابتداء اسی لفظ سے ہوتی ہے یہ عورتیں بھی محرمات میں سے ہیں عورت جب تک عدت میں رہے وہ اپنے پہلے نکاح کے ذیل میں شمار ہوتی ہے انقضائے عدت سے پہلے اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اب دیکھئے حرام نکاح کرنے والے پر صحابہؓ نے زنا کی کیا حد لگائی ہے یا انہیں کوئی اور سزا دی؟

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا جو اپنی عدت میں تھی (اس کے لیے اس وقت محرمات میں سے تھی) حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ لے جایا گیا آپ نے اسے کوڑوں کی سزا دی لیکن حد سے نیچے نیچے۔ کیوں کہ بوجہ شبہ نکاح وہ حد کا مستوجب نہ رہا تھا

امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں۔

عن سعید ابن المسیّب ان رجلاً تزوج امرأۃ فی عدتھا فرفع الیٰ عمر فضربھما دون الحد وجعل لھا الصداق و فرق بینھما۔ [2]

---

[1] طحاوی جلد ۲ صفحہ ۸۵ [2] شرح معانی الآثار جلد ۲ صفحہ ۸۵ الجواہر النقی جلد ۲ صفحہ ۱۷۱

ترجمہ سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے ایک شخص نے ایک عورت سے
اس کی عدت میں نکاح کیا یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس لے جایا گیا آپ
نے ان دونوں کو کوڑوں کی سزا دی لیکن حد جاری نہ فرمائی۔ اس عورت کو مہر
دلایا اور ان دونوں کے درمیان مفارقت کرا دی۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نکاح گو حرام ہو اس سے
حد ساقط ہو جاتی ہے۔ البتہ اس کے مرتکب کو حد سے نیچے نیچے دوسری سزا دی جائے گی۔ اور
بعض صورتوں میں اسے سزائے موت بھی دی جا سکے گی اگر وہ اس کا مستوجب ٹھہرے۔

امام طحاویؒ اس کے بعد لکھتے ہیں :۔

ثم هو رضی الله عنه لم يقم عليهما الحدّ وقد حضره اصحاب رسول
الله صلى الله عليه وسلم فتابعوه على ذلك ولم يخالفوه فيه فهذا
دليل صحيح ان عقد النكاح اذا كان وان كان لا يثبت وجب له
حكم النكاح فى وجوب المهر بالدخول الذى يكون بعده وفى العدّة
منه وفى ثبوت النسب وما كان يوجب ما ذكرنا من ذلك
فمستحيل ان يجب فيه حد۔

ترجمہ پھر حضرت عمرؓ نے ان دو پر حد قائم نہ فرمائی۔ آپ کے پاس اور کئی صحابہؓ بھی
موجود تھے سب نے اس مسئلے میں آپ کی بات مانی اور کسی نے آپ کی مخالفت
نہ کی یہ اس پر ایک پختہ دلیل ہے کہ عقد نکاح جب عمل میں آئے اگرچہ وہ مثبت
نہ ہو تو مہر لازم آنے سے لئے نکاح مانا گیا ہے اس سے (بعد مفارقت)
عدت بھی لازم آتی ہے اور نسب بھی ثابت ہوتا ہے جب یہ تمام باتیں لازم آ رہی
ہیں تو ناممکن ہے کہ اس پر حد جاری کی جا سکے (اسے شبہ نکاح کا فائدہ دیا جائیگا)

لہ طحاوی جلد ۲ صہ ۸۹ کتاب الحدود

کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اب جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو یہ مرد اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا تا انقضاء عدت وہ شخص انتظار کرے جس طرح عورت پر عدت لازم ہے مرد کے لیے تربص (انتظار) ضروری ہے۔ اب اگر یہ شخص اس تربص میں اس کی بہن سے نکاح کرتا ہے تو یہ نکاح بھی حرام ہوگا لیکن فریقین پر زنا کی حد نہ لگے گی۔

ایک اور مثال

ایک شخص کسی باکرہ عورت سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتا ہے وہ امام شافعیؒ کا مقلد ہے اور اس حدیث کو اپنے ظاہر پر صحیح مانتا ہے۔

ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاح باطل فنکاحھا باطل فان دخل بھا فلھا المھر بما استحل من فرجھا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی له [1]

ترجمہ: جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ نکاح نہیں ہوتا نہیں ہوتا نہیں ہوتا ایسا نکاح والا اگر اس عورت سے خلوت کرلے تو اسے مہر دینا لازم آئے گا پھر اگر اولیاء آپس میں اختلاف کریں تو بادشاہ اس کا ولی ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ایسا نکاح ہوا تو کیا شافعی مذہب میں اب ان دونوں پر زنا کی حد قائم کی جائے گی؟ نہیں۔ یہ نکاح بے شک اس حدیث کی رو سے باطل ٹھہرا لیکن عقد نکاح سے کم از کم اتنی بات ضرور ہے کہ ان پر زنا کی حد نہ لگے گی۔ نکاح حرام سے حد قائم نہیں ہوتی لیکن دوسری سزا ضرور ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہہ کر کہ ایسے شخص پر حد زنا نہیں، کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صہ

۴. دارالحرب میں زنا کرنے پر شرعًا حد نہیں لگتی

غیر مقلدوں نے فقہ حنفی پر ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ اس میں ہے کہ جو شخص دار الحرب میں یا دارالبغی میں زنا کرے پھر اسلامی حدود میں آکر اپنے اس جرم کا اقرار بھی کرلے تو اس پر زنا کی حد قائم نہ کی جائے گی۔

الجواب:

دنیا کے سب دساتیر میں یہ بنیادی اصول پایا جاتا ہے کہ جہاں کوئی جرم واقع ہو وہیں کی اس وقت کی حکومت اس پر احتساب کا حق رکھتی ہے۔ اسلام میں بھی یہی اصول کارفرما ہے امام محمدؒ سیر کبیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من زنی او سرق فی دار الحرب واصاب بھا حدًا ثم ھرب فخرج الینا فانہ لا یقام علیہ الحد[1]

ترجمہ: آنحضرتؐ سے مروی ہے آپ نے کہا جس نے دار الحرب میں زنا کیا یا چوری کی اور وہ حد تک پہنچا پھر وہ وہاں سے بھاگ گیا اور پھر دار الاسلام میں آیا اس پر وہاں (دار الاسلام میں) حد جاری نہ کی جائے گی۔

مجتہد جب کوئی روایت کرے اور کسی مسئلے کے بیان میں وہ اس روایت کو لائے تو یہ اس کی طرف سے اس روایت کی توثیق ہوتی ہے۔ امام محمدؒ مجتہد ہیں ان کا اس روایت سے استدلال کرنا اس روایت کی ان کی طرف سے تصحیح ہے۔

افسوس اس پر ہے کہ ہمارے غیر مقلد دوست مسئلہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے عوام میں تعجب پیدا کرنے کے لیے وہ فقہ حنفی کو سامنے لاتے ہیں یہ لوگ مسائل کی گہرائی میں نہیں اترتے بس مقصود ذکر رضاع و زنا کے عنوانوں سے فقہ حنفی کو عوام کے سامنے استہزائی پیرائے میں لانا

[1] سیر کبیر مع شرح السرخسی جلد ۵ فتح القدیر جلد ۵

دین کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں. اس چھوٹی سوچ پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

(۸) نماز میں تشہد کے بعد جان بوجھ کر ہوا نکالے یا لوگوں سے بات کر دے تو نماز پوری ہو گئی۔ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا ضروری نہیں، ہوا نکل جائے تو نماز نہیں جاتی. فقہ حنفی میں ہوا نکالنا اور سلام پھیرنا دونوں برابر ہیں؟

الجواب:

یہ جھوٹ ہے کہ فقہ حنفی میں نماز میں ہوا خارج کرنا اور سلام پھیرنا دونوں برابر ہیں. نماز سے سلام کے ساتھ نکلنا ضروری ہے حضورؐ نے فرمایا. تحلیلها التسلیم۔ اگر کوئی قصداً ایسا کرے اور ہوا خارج کر کے نماز سے نکلے تو یہ فقہ حنفی میں مکروہ تحریمی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ تشہد پر اس کی نماز ہوگئی. اب اگر اس کی ہوا خارج ہوئی تو سلام پھیر دے اور نماز سے نکل آئے. اس کی نماز ہوگئی. عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:۔

اذا احدث وقد جلس فی آخر صلوٰته قبل ان یسلم فقد جازت صلوٰته۔[1]

ترجمہ. وضو گیا اور وہ نماز کے آخر میں ہے سلام پھیر لے سے پہلے تو اس کی نماز ہو گئی.

اس حدیث کی سند میں گو کلام ہے لیکن اہل علم کی ایک جماعت نے اسے قبول کیا ہے۔

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

قد ذهب بعض اهل العلم الیٰ هذا قالوا اذا جلس مقدار التشهد و احدث قبل ان یسلم فقد تمت صلوٰته وقال بعض اهل العلم.. اعاد الصلوٰة۔[2]

ترجمہ. بعض اہل علم کہتے ہیں جب وہ تشہد کی مقدار بیٹھ چکا اور سلام پھیرنے سے پہلے اس کا وضو گیا تو اس کی نماز ہو گئی اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ وہ نماز دہرائے.

---

[1] جامع ترمذی جلد ص۔ [2] ایضاً

جب دونوں طرف بعض اہل علم ہیں تو معلوم ہوا اس مسئلے کی کچھ اصل ضرور ہے۔ اہلحدیث حضرات کو غور کرنا چاہیئے کہ اگر اس قسم کے مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر انہیں شرم آتی ہے تو ان مسائل کو کتب حدیث میں دیکھ کر انہیں شرم کیوں نہیں آتی۔ جان بوجھ کر جو اس طرح نماز سے نکلے تو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اسے نماز لوٹانا ضروری ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں:۔

اما استبعاد انہ کیف یخرج المصلی من الصلوٰۃ بالحدث فاستبعاد عامی قال علی القاری مکی فی رسالہ تشییع الفقہاء الحنفیۃ بتشنیع السفہاء الشافعیۃ اصل ھذہ المسئلہ الماخوذۃ من الروایۃ الحدیثیۃ کما رواہ الطحاوی وغیرہ باسانید متعددۃ وطرق مختلفۃ عن عبداللہ بن عمرو ... وکذا رواہ ابوداؤد والترمذی والبیہقی والدارقطنی وعن علی اذا قعد قدر التشہد ثم احدث فقد تمت صلاتہ ... فتبین بھذا الکلام ان من اعترض علی الامام الاقدم والہمام الاعظم فی مثال ھذہ المسائل المبرھنۃ بالدلائل فھو بالحقیقۃ معترض علی سید الرسل ھادی السبل صلی اللہ علیہ وسلم[1]

فقہ حنفی کا مذاق اُڑانے والوں کا ایک اور جھوٹ

ہاتھ سے اپنے آپ کو فارغ کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حنفیوں کے ہاں ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:

فتاوے عالمگیری میں ہے:۔

الصائم اذا عالج ذکرہ حتی امنی علیہ القضاء وھو المختار وبہ قال عامۃ المشائخ[2]

ترجمہ۔ روزہ دار نے اگر اپنی شرمگاہ کو ملا یہاں تک کہ انزال ہوگیا تو اس پر روزہ کی قضا لازم آئے گی۔ فقہ حنفی میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے اور عامہ مشائخ کا یہی فیصلہ ہے۔

---

[1] عمدۃ الرعایہ ص۱۶۱ [2] فتاوے عالمگیری جلد ۱ ص۱۶۳

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہدایہ میں ایک جگہ ہے :۔

وکالمستمنی بالکف علیٰ ماقالوا۔

ترجمہ ۔ اور جیسے ہاتھ سے پانی کا طلب کرنے والا جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے۔

یہاں الفاظ علیٰ ماقالوا قابلِ غور ہیں ۔ اس سے مراد ایسی ہے جس میں مشائخ کا اختلاف ہوا ہو۔ مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں :۔

لفظ قالوا یستعمل فیما فیہ اختلاف المشائخ۔[۱]

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :۔

عادتہ ای صاحب الھدایۃ فی مثل افادۃ الضعف مع الخلاف۔[۲]

ترجمہ ۔ صاحب ہدایہ کی عادت ہے کہ اس سے وہ اختلافی ہونے کے علاوہ اس بات کا ضعیف ہونا بتلاتے ہیں ۔

ہدایہ کے حاشیہ میں اسے صاف کر دیا گیا ہے اور صاف لفظوں میں اس پر روزہ ٹوٹنے کی تصریح کر دی گئی ہے :۔

وعامۃ المشائخ علیٰ ان الاستمناء مفطر وقال المصنف فی التجنیس انہ المختار۔[۳]

ترجمہ ۔ عامہ مشائخ کا یہی مذہب ہے کہ اس طرح پانی خارج کر دینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے صاحب ہدایہ اپنی کتاب التجنیس میں لکھتے ہیں کہ فتویٰ میں قولِ مختار یہی ہے ۔

کتاب التجنیس کے مصنف یہی صاحب ہدایہ ہیں ۔ ہدایہ میں جو بات ضعیف اور مختلف فیہ ٹھہرائی

---

[۱] عمدۃ الرعایہ ص۱ [۲] فتح القدیر [۳] ہدایہ ص۱۹۷ باب مایوجب القضاء والکفارہ

گئی اسے کتاب التجنیس میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ میرے یہاں یہی قول مختار ہے پس ہدایہ کی بات میں لفظ قالوا پر نظر ہونی چاہیئے تھی یہ لفظ ضعیف مع الخلاف کا پتہ دیتا ہے۔ کاش کہ غیر مقلد علماء اسے سمجھے ہوتے۔

ایک دقیق عبارت جسے غیر مقلد نہ سمجھ پائے

ایک شخص نے ایک بدکار عورت گھر میں صفائی کرنے کے لیے ایک مقررہ اُجرت پر ملازم رکھی بعد میں اس سے کہا کہ اسی اُجرت میں کبھی کبھی اس سے بدکاری بھی کر لیا کرے گا وہ عورت مان گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ جو اُجرت اس عورت نے حاصل کی وہ اس کے لیے حلال ہے یا حرام؟ اس میں دونوں کام شامل ہیں۔

فقہ میں یہ بحث کتاب الاجارہ کے تحت کی گئی ہے۔ اجرت پر معاملہ کرنے کو اجارہ کہتے ہیں اس عورت کو گھر کی صفائی کے لیے مقررہ اُجرت پر ملازم رکھنا صحیح تھا۔ بعد میں جو اس کے ساتھ شرط لگائی وہ ناجائز تھی جس سے وہ اجارہ فاسد ہو گیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس عورت کے لیے صفائی کر کے لی گئی اجرت اس کے لیے حرام ہو گی۔ وہ اجرت اس کے لیے جائز ہوتی چاہیئے، کیونکہ اس نے وہ کسی ناجائز کام پر نہیں لی۔ اس شخص نے جو نئی شرط لگائی اور اس سے بدکاری کرتا رہا اس فعل حرام کے تلبس سے وہ صفائی کرنے پر لی گئی اُجرت اس کے لیے حرام نہ ہو جائے گی۔ اجارہ فاسد ہو جائے گا اور وہ اُجرت پر کیا معاملہ درست نہ رہے گا۔ جتنا کام اس عورت نے کیا اس کی اُجرت اب اسے عوض بالمثل کے طور پر ملے گی جو معاملہ طے ہوا تھا (اجرہ مقررہ) اس کے مطابق نہ ملے گی۔ کیونکہ وہ معاملہ جو طے ہوا تھا اب وہ اس شرط کے باعث فاسد ہو چکا۔

اگر یہ نئی شرط اس فعل حرام کی نہ ہوتی کسی جائز فعل کی ہوتی۔ مثلاً یہ کہ صفائی کے علاوہ اس کے لیے وہ کبھی کبھی کھانا بھی پکا دیا کرے گی تو بھی پہلا اجارہ فاسد ہو جاتا۔ اُجرت پر ایک معاملہ طے کر کے بعد میں اس پر کوئی شرط لگانا وہ حرام کام کی ہو یا کسی جائز کام کی۔۔۔ اس سے پہلے طے

کیا گیا معاملہ فاسد ہو جاتا ہے۔ شرح وقایہ میں اس پر لکھا ہے۔

فیہا اجرالمثل۔ اس اجارہ پر اجرالمثل واجب ہو گا طے شدہ لازم نہ ہو گا۔
اس کے حاشیہ میں تملی کے علامہ چلپی محیا سے نقل کرتے ہیں۔

ای یجب اجرہ حتی ان ما اخذ تہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارۃ حلال
عنہ الامام الاعظم لان اجرالمثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب
وان کان السبب حرام [1]

ترجمہ۔ اس (جائز) معاملے کی اسے اُجرت دینا ضروری ہو گا یہاں تک کہ اس
زانیہ عورت نے جو مال لیا اگر وہ عقد اجارہ سے مخلوط وملتبس رہا تو وہ حضرت
امام کے نزدیک حلال ہے اجارہ فاسدہ میں اجر مثل پاک اور طیب ہے اگرچہ
اسے (اس اجارہ کو) فاسد ٹھہرانے کا باعث عمل حرام کی شرط تھی

یہ ساری بحث اجارہ فاسدہ کے متعلق ہے۔ اجارہ فاسدہ کہتے ہی اسے ہیں جس میں
کسی جائز کام پر کوئی اُجرت ٹھہرائی جائے کسی ناجائز کام پر اُجرت کا معاملہ اجارہ باطلہ ہوتا
ہے کہ سرے سے وہ معاملہ طے ہی نہیں ہو پاتا۔ سو جب یہ مذکورہ عبارت اجارہ فاسدہ کی بحث
میں ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں اُجرت سے مراد صفائی کرنے پر لی جانے والی اجرت ہے زنا پر
لی جانے والی خرچی مراد نہیں ہے۔ وہ ہوتی تو اس کی بحث اجارہ باطلہ کے تحت آتی۔ اجارہ فاسدہ
میں لی گئی اُجرت مال طیب اور حلال ٹھہرتی ہے۔

اس عبارت میں (بعقد الاجارہ میں) ب سبب کے لیے نہیں تلبس کے لیے ہے
کہ وہ صفائی کے کام کے لیے کیا گیا معاملہ زنا سے ملتبس ومخلوط ہوا یہ زنا اور اس کی لگائی گئی شرط
دونوں حرام ہیں لیکن اس عمل حرام کے ملتبس سے صفائی پر لی گئی اُجرت (جو اسے اجر مثل کے
پیمانے سے دی جائے گی) حرام نہ ہو گی۔

---

[1] شرح وقایہ صہ حاشیہ

غیر مقلد علماء اسے زنا کی خرچی ٹھہراتے ہیں اور پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ فقہ کی رُو سے زنا پر حاصل کی گئی یہ اُجرت امام اعظمؒ کے نزدیک حلال ہے۔ استغفراللہ ثم استغفراللہ ___ ان کے علم و فہم کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

علامہ حلبی کی مذکورہ عبارت میں اِن کان بعقد الاجارہ کی ضمیر زنا کی طرف لوٹتی ہے ما اخذته الزانیة کے ما کی طرف نہیں اور یہ معنی نہ ہو گا کہ جو مال وہ زانیہ عورت لے اس عقد اجارہ کے باعث وہ اس کے لیے حلال ہو گا۔

بعقد الاجارہ یں بامجارہ باء اختلاط وتلبس کے لیے ہے کہ جو مال اس زانیہ عورت نے لیا وہ ملتبس ہے اس اجارہ سے جو اپنی ذات میں صحیح تھا ___ سو اس زنا کے باعث وہ اپنے اصل کام (گھر کی صفائی) کی اجرت سے محروم نہ کی جائے گی۔ عقد اجارہ میں یہاں عہد زنا ہرگز مراد نہیں ہے۔

سو اس زانیہ عورت کا اس سے مال لینا اگر اس طرح واقع ہوا کہ فعل زنا کسی جائز کام سے جس کا عقد پہلے ہو چکا مشروط تھا تو اس جائز کام کے عوض اس کا عوض مثل وصول کرنا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا حق ہو گا اور یہ وصول کردہ مال اس کے لیے حلال ہو گا حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کے لیے یہ مال حرام ہو گا کیونکہ جائز اور ناجائز کام ایک اُجرت میں مخلوط ہو چکے۔

یہ مسئلہ فقہی اعتبار سے بہت دقیق مسئلہ ہے۔ حضرت امام حقوق العباد میں بہت ہی محتاط واقع ہوئے ہیں انہوں نے چاہا کہ ایک ناجائز فعل کے باعث وہ عورت اپنی جائز محنت پر بھی اجر مثل نہ پا سکے۔ اجرت مقررہ اس لیے فاسد قرار پائی کہ کہیں اس میں دونوں کاموں کی اجرت شامل نہ ہو۔

طلبہ اگر پھر بھی اس موضوع پر کچھ دقت محسوس کریں تو فقہ کی کتابوں میں اجارہ کی یہ تین قسمیں پھر سے دیکھ لیں:۔

۱. اجارۂ صحیحہ ۲. اجارۂ فاسدہ ۳. اجارۂ باطلہ

اجارہ صحیحہ وہ ہے جس میں اصل کام جس کے لیے اجرت ٹھہرائی جائے شرعاً جائز ہو اور اس کے ساتھ کوئی ناجائز شرط بھی نہ ہو۔

اجارہ فاسدہ وہ ہے جس میں اصل کام شرعاً جائز اور درست ہو اور کسی خارجی شرط کے باعث وہ معاملہ فاسد ہو جائے۔

اجارہ باطلہ وہ ہے جس میں اصل کام ہی شرعاً ناجائز اور نادرست ہو جیسے کسی کے ہاں بُت تراشی کی نوکری کرنا۔

حاشیہ چلپی کی مذکورہ عبارت جب اجارہ فاسدہ کی بحث میں ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں عقد اجارہ سے مراد صفائی کے عوض اُجرت لینا ہے جو اپنی ذات میں کسی اعتبار سے ناجائز نہیں یہاں زنا کی خرچی ہرگز مراد نہیں ہمیں اپنے غیر مقلد دوستوں پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس طرح جہالت کے سائے میں فقہ حنفی پر دن رات برستے ہیں اور انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ لکھا ہوا کیا ہے اور وہ سمجھ کیا رہے ہیں۔

خون سے آیت لکھنے کا عمل حرام

اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ خون حرام اور ناپاک ہے اس سے قرآن کریم کی کوئی آیت لکھنا جائز نہیں ایسا کرنا حرام ہے ایک صورت پیش آئی کہ کسی مریض کی نکسیر نہیں رک رہی اور خون بہتا جا رہا ہے۔ اب اگر کسی کو معلوم ہو کہ وہ اس خون سے اس کے ماتھے پر کوئی آیت لکھ دے تو اسے شفا ہو جائے گی ورنہ وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ تو اس اضطراری حالت میں کیا اس کے لیے یہ کرنا جائز ہو گا؟

جس طرح قرآن کریم نے اضطراری حالت میں سؤر کو مباح کیا ہے تو تداوی بالمحرم کے طور پر اسے ایسا کرنا جائز ہو گا؟

اضطراری حالت کی ایک مثال

ایک شخص کھانا کھا رہا تھا اور اس کے پاس پانی نہ تھا اتفاق سے لقمہ اس کے گلے میں اٹک گیا اب مائعات میں سے کوئی چیز پاس نہیں جس سے وہ اس لقمے کو حلق سے نیچے اتارے۔ ہے پاس کسی کی شراب پڑی تھی اب اگر وہ شراب سے اس لقمے کو نیچے اتار لے ہے تو اس حالت اضطراری میں کیا اس کے لیے شراب کا پینا جائز ہوگا؟ اس کے بغیر اس کے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے اضطراری حالات میں حرام چیز سے انتفاع ہرگز ممنوع نہیں ان خاص حالات میں حرام چیز ضرورت مند کے لیے حرام نہیں فعل حرام کا ایسے حالات میں عملاً مباح ہونا شریعت اسلامی میں بطور قاعدہ جائز ہے۔ اس میں کسی ایک حرام کی تخصیص نہیں ہے کفر و شرک سے بڑھ کر کوئی چیز ممنوع نہیں قرآن کریم نے بحالتِ اضطرار کلمہ کفر زبان پر لانے کو بھی جائز ٹھہرایا ہے تو اب اگر کسی نے کسی کی جان بچانے کے لیے اس کے ماتھے پر خون سے کوئی آیت لکھ دی تو تداوی بالمحرم کے سوا اس نے کیا جرم کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔

فقہ حنفی میں گو تداوی بالمحرم (حرام چیز سے علاج کرنا) سے ظاہر الروایہ میں منع کیا گیا ہے لیکن یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کی متاخرین کو بحالتِ اضطرار اجازت دینی پڑی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ اجازت حضرت امام کی طرف منسوب نہ ہوگی

تداوی بالمحرم پر حدیث کی رُو سے ایک اعتراض

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔

ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم [1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی جو اس نے تم پر حرام کی ہے

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۰

جب حرام میں شفا نہیں تو تداوی بالمحرم کیوں کر جائز ہوگا؟

الجواب:

شریعت میں جو چیزیں حرام ہیں جیسے خنزیر، خون، خمر، مردار سب بحالت اضطرار مباح ہو جاتے ہیں۔ اب جب وہ حرام نہ رہیں تو اس حدیث کی رو سے ان کے استعمال سے شفاء کی نفی نہ ہو سکے گی حدیث سے مراد یہ لی جائے گی کہ جو چیز جس وقت تک حرام رہے اس وقت تک اس میں شفا نہ آسکے گی جب بحالت اضطرار وہ مباح ہو جائے حرام نہ رہے تو اسے بطور علاج کے استعمال کرنا حدیث کے خلاف نہ رہا نہ یہ کہا جا سکے گا کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اب اس کے استعمال سے شفا ہو گئی ہے

اسلام میں اپنے اختیار سے حرام چیزوں سے علاج ممنوع ہے اور بحالت اضطرار انہیں بطور علاج استعمال کرنا مباح ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کے لیے نہایہ سے دو شرطیں نقل کی ہیں:

ويجوز ان علم فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر[1]

ترجمہ۔ اور حرام چیز سے دوا جائز ہے بشرطیکہ اس سے شفا واقعی ہو اور کوئی اور دوا اس کے لیے نہ جانی گئی ہو

اس مسئلے میں فقہ شافعی کا فیصلہ

قالت الشافعية يجوز التداوى بالبول ونحوه من النجاسات خلا الخمر والمسكرات وقال مالك لا يشربها لانه لا تزيد الا عطشا وجوعا وأجاز ابوحنيفة ان يشرب منها مقدار ما يمسك به رمقه.[2]

ترجمہ۔ شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ پیشاب اور اس جیسی دوسری نجاسات کو ماسوائے شراب اور نشہ آور اشیاء کے دوا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے امام

---

[1] ردالمحتار جلد ۵ [2] عینی علی البخاری جلد ۵ حاشیہ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۲

مالکؒ کہتے ہیں پیشاب نہ پیئے اس سے پیاس اور بھوک بھڑکتی ہے. امام ابوحنیفہؒ
کہتے ہیں کہ اس مقدار میں پی سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ سکے

پیشاب کو بطور دوا استعمال کرنے پر استہزاء

فقہ پر اعتراض کرنے والے فقہ میں جب ایسے موضوعات سے گزرتے ہیں تو عجیب پیرایہ استہزاء اختیار کرتے ہیں کہ غیر مسلم جب اسلام کے ان مسائل کو دیکھتے ہوں گے تو کیا کہتے ہوں گے ہم کہتے ہیں کہ غیر مسلم حضرات اس پیرایہ استہزاء میں صرف فقہ کی کتابوں سے ہی نہیں گزرتے حدیث کی کتابوں میں بھی ایسے مسائل کچھ کم نہیں ہیں غیر مقلدین حضرات سوچیں کہ غیر مسلم حضرات جب ان کتب حدیث سے گزرتے ہوں گے تو کیا سوچتے ہوں گے.

صحیح بخاری میں ایک باب ہے الدواء بابوال الابل اونٹوں کے پیشاب کو بطور دوا لینا۔ اس میں ہے حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں :۔

ان ناساً اجتروا فی المدینۃ فامرھم النبیؐ ان یلحقوا براعیہ یعنی الابل فیشربوا من البانھا وابوالھا. [1]

ترجمہ کچھ لوگ تبدیلی ہوا سے پیٹ کے مرض میں گھر گئے حضورؐ نے انہیں کہا کہ وہ واپس اپنے اونٹوں کے پاس جائیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں

دیکھئے یہ کیا بیان ہو رہا ہے ان لوگوں کو اونٹوں کے پیشاب پینے کا حکم دیا جا رہا ہے غیر مسلم (ہندو لوگ) اگر ہمارے حدیث لٹریچر پر وہ پیرایہ استہزاء اختیار کریں گے جو یہ غیر مقلدین فقہ کی کتابوں پر اختیار کرتے ہیں تو ہم ان پنڈتوں کو کہیں گے کہ گائے کا پیشاب پینے والو! تم اونٹوں کا پیشاب پینے پر کس جہت سے معترض ہوتے ہو۔ پہلے وہ جہت بتاؤ پھر ہم اس کا جواب اسی جہت سے دیں گے فقہ اور حدیث کی کتابوں میں ایسے مسائل دیکھ کر کسی کو پیرایہ استہزاء اختیار نہ کرنا چاہیئے.

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۸

غیر مقلدین فقہ کی یہ عبارت سمجھ نہ پائے

ولو رعف فکتب الفاتحۃ بالدم علی جبہتہ وانفہ جاز ان علم فیہ شفاءً [1]

ترجمہ۔ اور اگر نکسیر جاری ہو تو شفا کے لیے اس کی پیشانی یا ناک پر خون سے سورۃ فاتحہ لکھنا جائز ہے اگر اس میں شفا کا یقین ہو اور کوئی اور دوا اس کے حق میں معلوم نہ ہو

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ اس صورت میں کیا خون سے سورت فاتحہ لکھنا ناجائز ہے یا اس کی یہ اضطراری حالت اس کے لیے ایسا کرنا جائز ٹھہرائے گی

صرف احساسِ نفرت سے خون سے لکھنے میں بے ادبی ہے

خون ناپاک ہے احساسِ نفرت کے پیرایہ میں جو اس سے قرآن کی آیت لکھے گا وہ قرآن کی اس بے ادبی پر کافر ہو جائے گا۔ لا یمسّہ الّا المطھّرون لیکن اگر کوئی حالتِ اضطرار میں ایسا کرے استخفافاً نہیں تو وہ احساسِ ضرورت میں ایسا کرے گا نیتہً وہ قرآن کریم کی بے ادبی نہ کرے گا۔ ادب اور بے ادبی دونوں کا تعلق انسان کے احساس اور نیت سے ہے۔ بُری نیت سے راعنا کہنا بے شک کفر ہے لیکن کتنے مسلمان تھے جو احساس بے ادبی کے بغیر ایسا کہنا کفر نہ سمجھتے تھے۔ بغیر استخفاف ایسا کہنا کفر نہیں ہے

سو تداوی بالمحرم کے طور پر خون سے قرآن پاک کی آیت لکھنا اس میں بے ادبی کا پہلو نہیں یوں سمجھیے جس طرح شہیدوں کے خون کی عظمت اللون لون دم والریح ریح مسک کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور خون کے ناپاک ہونے کا احساس بالکل دب گیا ہے۔ اسی طرح اس ضرورت کے وقت ایسا کرنے میں بھی کوئی استخفاف اور احساسِ نفرت ساتھ نہیں رہا۔ تداوی بالمحرم میں

---

[1] در مختار جلد ۵ صہ

بے ادبی کے تصور تک کو راہ نہیں ملتی۔ افسوس کہ فقہ سے محروم اس باریک فرق کو پا نہیں سکتا۔
ایک شاعر ایک مصنف کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے :-

مداد ما یجری به اقلامه　　ازکی واطیب من دم الشهداء

رجمہ وہ سیاہی جس کے ساتھ اس کا قلم چلتا ہے۔ شہداء کے خون سے بھی
زیادہ پاک اور صاف ہے۔

پیشاب سے لکھنے کی تعلیق بالمحال

فقہ میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ اس حالتِ اضطرار میں پیشاب سے بھی لکھ سکتا ہے وہاں
یہ بھی تصریح ہے لکن لم ینقل کہ ایسا کہیں نہیں۔

وبالبول ایضاً ان علم فیه شفاء لا بأس به لکن لم ینقل۔[1]

ترجمہ۔ اور پیشاب سے بھی لکھ سکتا ہے اگر اسے اس سے شفا کا یقین ہو۔
اس میں حرج نہیں لیکن اس سے شفا ہونا نقل میں کہیں نہیں ملتا سوالیانہ کرے)
حضرت مولانا میر محمد میرٹھی رح شامی کی اس عبارت کا حاصل یہ لکھتے ہیں :-
سو اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ حالتِ اضطرار ہو مگر چونکہ اس میں شفا کا
ہونا معلوم نہیں ہے تو الحمد وغیرہ کا پیشاب سے لکھنا بدستور حرام اور معصیت ہے
کیونکہ بحالتِ اضطرار وہی امر حرام جائز و مباح ہو جایا کرتا ہے جس سے شفا کا
ہونا معلوم ہو جیسے کسی کے حلق میں لقمہ پھنس گیا اور اتفاق سے وہاں کوئی چیز
سوائے شراب کے موجود نہ ہو اور اس کی جان پر آبنی ہو سو ایسی حالت میں شراب سے
لقمہ کا اتارنا جائز ہوگا۔ مگر جس چیز میں حصولِ شفا محتمل ہو وہ بحالتِ اضطرار بھی
جائز نہیں رہتی بلکہ بدستور حرام رہتی ہے۔[2]

---

[1] ردالمحتار جلد صـ　[2] الجواب الکامل صـ ۳۲

قارئینِ کرام! آپ خود سوچیں کہ فقہ میں اس عمل کو کیا جائز کہا گیا ہے یا حرام — اور حنفیہ کرام نے اس عبارت سے اس کام کی راہ نکالی ہے یا اس میں جائز الاستشفاء کو یقین بالمحال کے طور پر ذکر کیا ہے یہ فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین سے یہ استدلال کرنا کہ حضور خدا کے بیٹے کی عبادت کے لیے تیار ہو گئے تھے اگر دھوکہ اور فریب نہیں تو اور کیا ہے۔ اہل علم انتفائے شرط سے انتفائے جزاء پر استدلال کرتے آتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں جہاں مقدم اور تالی میں برابر کی نسبت ہوتی ہے وہاں سلب مقدم کو سلب تالی لازم ہوا کرتا ہے مگر افسوس کہ علماء غیر مقلدین اہل علم کی اس صف میں نہیں آتے

فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے ایک اور اعتراض

(کھجور کی شراب) نبیذ اگر نو پیالے پیے اور نشہ نہ آئے دسواں پیالہ پینے کے بعد نشہ آئے تو حد نہ جاری کی جائے گی۔ ؎

فتاوےٰ عالمگیری جلد پنجم صفحہ ۱۴۳ میں عبارت اس طرح ہے:۔

اذا شرب تسعة اقداح من نبيذ التمر فاوجر العاشر فسكر لم يحد لان السكر يضاف الى ما هو اقرب.

ترجمہ: جب اس نے نبیذ تمر کے نو پیالے پیے پھر دسواں پیالہ اس کے منہ ڈالا گیا اور اسے نشہ ہوا تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ نشہ اس دسویں پیالے کی طرف مضاف ہو گا پہلے نو پیالوں کی طرف نہیں۔

یہ بات نبیذ تمر کے بارے میں کہی جا رہی ہے کھجور کی شراب کے بارے میں نہیں معترض نے شروع میں یہ الفاظ اپنی طرف سے بریکٹ میں لکھ دیئے ہیں تاکہ اگلی بات نبیذ کی نہ شراب

؎ دیکھئے پمفلٹ غیر مقلدین فتاوےٰ عالمگیری اور فتاوےٰ حدیث صفحہ ۱

کی سمجھی جائے غیر مقلدوں کے اس دھوکہ اور فریب پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کھجور کی نبیذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیتے تھے۔ ترمذی شریف میں جلد صہ پر یہ حدیث موجود ہے۔ اب اگر کوئی اس کے نو پیالے پیئے یا بیس اس نے شراب ہرگز نہیں پی

نبیذ اور شراب کا فاصلہ

نبیذ اگر زیادہ دیر پڑی رہے تو اس میں گرمی سے جوش آجاتا ہے اور اس اشتداد سے وہ شراب ہو جاتی ہے کھجور کے شربت میں جب یہ تغیر آجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے گرا دیتے تھے استعمال نہ فرماتے تھے کہ اب یہ مسکر ہے اور جو چیز کثیر مقدار میں نشہ لائے اس کا قلیل مقدار میں پینا بھی جائز نہیں

کھجور کا نبیذ بیس پیالوں پر بھی نشہ نہیں لاتا ہاں اگر وہ دیر تک پڑا رہے لیکن ابھی اس میں نشہ پیدا نہیں ہوا اب اگر کسی نے اس کے نو پیالے پیئے اور اس کے بعد اس میں نشہ پیدا ہو گیا تو اب اس کے لیے اس کا دسواں پیالہ پینا جائز نہ ہوگا نبیذ کے شراب بننے سے اب اس کا پینا حرام ٹھہرا

یہ علم فقہ کی باریک نظری ہے کہ جونہی مشروب کی حالت بدلی اس کا حکم بدل دیا جب یہ شراب نہ تھی اس کے نو پیالے بھی ممنوع نہ ہوئے اور جب یہ شراب بن گئی اس میں نشہ پیدا ہو گیا تو اب اس کا ایک پیالہ پینا بھی جائز نہ رہا۔

جو لوگ اس صحیح مسئلے کو اس استہزائی انداز میں عوام کے سامنے لاتے ہیں کہ دیکھو دس پیالے پینے تو جائز رکھے اور گیارہواں پیالہ ناجائز کر دیا کیا عجیب شانِ فقہ ہے۔ وہ خدا سے ڈریں اور دین کو ٹھٹھا اور مذاق نہ بنائیں۔

منکرین حدیث اسی قسم کا ٹھٹھا کتب حدیث سے کرتے ہیں علماء اہل سنت حدیث اور فقہ دونوں کا دفاع کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ہر بات اپنے محل میں صحیح ہے۔

اہلحدیث کو یہ باریک مسائل کیوں سمجھ میں نہیں آتے

اہلحدیث (باصطلاح جدید) فقہ کی کتابیں فقہ کے ماہر علماء سے نہیں پڑھتے محض مطالعہ سے انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ایک مسئلہ کتنے ابواب سے تعلق رکھتا ہے اور ہر باب میں اس کا اسی جہت سے بیان ہوتا ہے جو اس باب سے متعلق ہو۔ ہم پیچھے صفحہ ۴۲۲ پر اس موضوع پر کچھ بحث کر آئے ہیں

وان اولج بھیمۃ اومیتۃ ولم ینزل لا یفسد صومہ ولا یلزم الغسل۔

ترجمہ: اور اگر کسی نے روزہ میں کسی جانور یا کسی مردہ انسان سے صحبت کی اور انزال نہ ہوا تو نہ روزہ گیا نہ اس پر غسل لازم آیا۔

اس سے علماء اہل حدیث (باصطلاح جدید) عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک گویا ایسا کرنا جائز ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ پہلے دیکھئے کہ اس مسئلے کے کتنے پہلو ہیں:

1. یہ فعل شرعاً جائز ہے یا ناجائز
2. یہ فعل پورا ہوا یا بغیر انزال رہا
3. کیا اس سے غسل جنابت لازم آیا۔ دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟
4. اگر کسی نے روزہ کی حالت میں یہ کیا تو کیا روزہ جاتا رہا۔ دونوں صورتوں میں اس کا کیا حکم ہوگا۔
5. یہ برا کام کرنے والے کو کوئی سزا دی جائے گی یا نہ؟
6. اس جانور کا کیا حکم ہے جس سے یہ فعل کیا گیا وہ حلال جانور ہے تو کیا اسے ذبح کے بعد کھایا جاسکتا ہے یا نہ؟
7. اس کا گوشت پاک شمار ہوگا یا ناپاک۔

فقہاء نے قرآن وسنت کی روشنی میں ان تمام سوالوں کا جواب ان کے متعلقہ ابواب میں دیا ہے

مسل کا واجب ہونا یا نہ ہونا کتاب الطہارت میں ملے گا روزے کا ٹوٹنا یا نہ ٹوٹنا مفسدات صوم میں ملے گا۔ ایسا کام کرنے والا کس سزا کا حقدار ہے یہ مسئلہ کتاب الحدود میں ملے گا۔

قاضی خاں کا مذکورہ بالا مسئلہ در مختار کے باب الحدود جلد ۳ صفحہ ۱ پر حد زنا کی بحث میں اس طرح مذکور ہے۔ مگر افسوس کہ غیر مقلدین نے اسے اس باب سے نہیں لیا :-

ولا یحد بوطی بھیمۃ بل یعزر وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیۃ اومیتۃ

ترجمہ۔ جانور سے وطی کرنے پر شرعی حد نہیں لیکن تعزیر کی سزا ہے اور اس جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور اس سے کوئی فائدہ نہ لیا جائے۔ نہ زندہ کی حالت نہ مُردہ کی حالت میں

فقہ میں جب اس جانور سے اتنی نفرت کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ ہی غور کریں کیا اس شخص پر جس نے یہ حرکت کی کیا کوئی سزا نہ آئے گی ـــــ فقہ میں پوری صراحت سے یہ مسئلہ آیا ہے کہ اسے تعزیر دی جائے گی۔ شریعت میں اس کے لیے کوئی معین سزا نہیں حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں من اتی بھیمۃ فلاحد علیہ۔ سو یہ بات قاضی کے فیصلے پر رکھی گئی درمختار میں ہے کہ اسے قتل تک کی سزا دی جا سکے گی :-

والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رای القاضی وعلیہ مشائخنا زیلعی ویکون التعزیر بالقتل۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۹۶)

یہ مسئلہ اگر اس نے بلا تکمیل فعل اسے چھوڑ دیا تو کیا اس کا روزہ جاتا رہا؟ دلیل شرعی کا محتاج تھا اور اس میں شریعت سے کوئی دلیل نہ ملی کہ روزہ جاتا رہا تو اب فقہاء اس پر روزہ ٹوٹنے کا حکم کیسے جاری کردیں۔ افسوس کہ علماء اہل حدیث (باصطلاح جدید) اس پر کوئی دلیل نہیں لا سکے اور محض بناء بر ضد قاضی خاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ رہا مسئلہ غسل لازم ہونے کا، تو اُسے امام بخاری بھی تو ضروری نہیں سمجھتے۔ تو اب قاضی خاں اور امام بخاری میں کیا فرق رہا امام بخاری

صرف بطور احتیاط غسل کا حکم دیتے ہیں بطور لزوم نہیں اور قاضی خاں بھی و لا یلزم الغسل سے صرف لزوم کی نفی کر رہے ہیں احتیاط کی نہیں صحیح بخاری میں ہے۔

قال ابوعبداللہ ھذا اجود واوکد وانما بیّنا الحدیث الآخر لاختلافھم والغسل احوط (جلد ۱ ص ۴۳)

غیر مقلدین کو چاہیئے کہ جب انہیں فقہ کے کسی خاص مسئلے میں تردد یا غلط فہمی ہو تو وہ اسے اس کے تمام دوسرے ابواب متعلقہ میں بھی دیکھ لیا کریں۔ پھر صورت حاصلہ کو کسی حدیث کے خلاف پائیں تو حنفیہ کے بڑے علماء سے پوچھ لیں۔ ان مسائل کو بغیر جانے استہزائی انداز میں پیش کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

پاک چیز ضروری نہیں کہ حلال بھی ہو

مُردار حرام ہے اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر اس کا کھانا دباغت کے بعد بھی جائز نہ ہو گا وہ حرام ہی رہے گی معلوم ہوا کہ پاک ہونا اور چیز ہے اور حلال ہونا اور چیز حلال ذبیحہ کی کھال حلال ہے سری پائے میں اسے عام کھایا جاتا ہے۔ لیکن مردہ بکری کی کھال جو دباغت سے پاک ہوئی وہ پاک تو ہے مگر وہ کھانے میں حرام ہی رہے گی

قرآن کریم میں ہے۔

حرّمت علیکم المیتۃ ... الا ما ذکّیتم۔ (پ المائدہ)

ترجمہ حرام ہے تم پر مُردار ... چوٹ کھا کر مر جانے والا جانور، لڑھک کر مر جانے والا جانور سینگوں کی زد سے مرا جانور اور جسے کسی درندہ نے پھاڑ دیا مگر جس کو تم ان میں سے پاک کر لو۔

یہ پاک کرنا کس طرح ہوتا ہے؟ انہیں ذبح کر لینے سے، ان میں کچھ بھی جان باقی ہو تو ذبح کرنے سے وہ پاک ہو جائے گا۔

شریعت میں پاک ہونے کا طریقہ

(۱) اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے حلال جانور مع اپنی کھال کے پاک ہو جاتے ہیں، خون رطوبات و فضلات اپنی جگہ حرام ہی رہیں گے۔

(۲) مردہ جانوروں اور آیت میں مذکور دوسرے مرے جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جائے گی

اب یہاں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ دباغت سے کھال پاک ہونے میں ایک مُردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور ایک ذبیحہ کی کھال خود ہی پاک ہے اس کی دباغت کی ضرورت نہیں —— یہ فرق کیوں ؟

یہ فرق اس لیے ہے کہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور مردار پر اللہ کا نام نہ لیا گیا تھا معلوم ہوا کہ اللہ کا نام لیا جانا اس ضرورت کو پورا کر دیتا ہے جو مُردار کی صورت میں دباغت سے پوری کی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام لیا جانا کھال تک اپنا اثر دکھا دیتا ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مُردار کی کھال اور شیر کی کھال میں کیا فرق ہے. مردار اب مردار ہے گو اصلًا حلال تھا مگر جب مردار ہو گیا تو اب اس میں اور ایک بھیڑیئے یا شیر میں کیا فرق رہا. یہ درندے سؤر کی طرح نجس العین تو نہیں ہیں صرف خنزیر ہے جو بجمیع اجزائہ ہمیشہ تک کے لیے حرام ہے. قرآن کریم میں اسے پورے کو نجس (ناپاک) کہا گیا ہے اسے چھوڑ کر دوسرے درندوں کو دیکھیے ان میں کوئی نجس العین نہیں ہے. اب ان میں سے کسی کو اگر کسی نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا تو وہ گو حرام ہی رہے گا. لیکن اگر کوئی اسے مردار گائے کے درجے میں لے کر اس کی کھال کو اسے حرام جاننے کے باوجود پاک کہے تو وہ کون سی شرعی دلیل ہے جس سے ہم اسے ایسا کہنے سے روک سکیں گے ؟ اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے پاس اس کی کوئی دلیل ہو تو آپ ان سے دریافت فرمالیں.

ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال اگر پاک ہوئی تو صرف اللہ کے ذکر کی بدولت —— اور مُردار

کی کھال پاک ہوتی تو دباغت سے ــــ تو معلوم ہوا کہ اس پاکی میں اس جانور کی حلت کو کوئی دخل نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جو جانور اصلاً حلال ہو اگر اس کا کوئی حصہ گوشت اسے ذبح کیے بغیر اس سے کاٹ لیا جائے تو اس کے بے جان ہونے کے بعد اس کی کھال پاک سمجھی جائے کیونکہ وہ جانور اصلاً حلال تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حدیث میں اسے مُردار اور حرام ہی کہا گیا ہے حضورؐ نے فرمایا:

ماقطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة ولا تؤكل.

سو یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ اللہ کا نام لے کر حرام جانور کو ذبح کیا جائے تو گو وہ حرام ہی رہے گا حلال نہ ہو گا لیکن اللہ کا نام لینے سے وہ ناپاک ہونے کے حکم سے اسی طرح نکل جائے گا جس طرح مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ ہاں جس طرح اس کھال کا کھانا پھر بھی حرام ہی رہے گا حرام جانور ذبح کرنے سے حلال ہرگز نہ ہو سکے گا۔

قاضی خاں کی اس عبارت میں یہ ہرگز نہیں کہ اب اس کا کھانا بھی جائز ہو گیا۔ پاک ہونا اور بات ہے اس سے حلال ہونا لازم نہیں آتا۔

اذا صلی علی جلد کلب او ذئب قد ذبح جازت صلوٰته.

یہ صرف ایک عمل کا حکم ہے کہ اس کی نماز ہو گئی۔ یہ نہیں کہ لوگ اب اسی قسم کے مصلوں پر نماز پڑھا کریں۔ اگر کوئی عالم یہ مسئلہ بتائے کہ اگر کوئی شخص زمین پر پیشاب کرے تو وہ زمین خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے تو اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے گا کہ لوگ صحن مسجد میں پیشاب کر لیا کریں اور جہاں وہ خشک ہو جائے وہاں نماز پڑھا کریں۔

کسی اتفاقی صورتِ عمل کا حکم بیان کرنے سے اسے عادۃً اختیار کرنا ہرگز ثابت نہیں ہوتا یہی بات بھیڑیے یا کتے کی کھال کی طہارت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا کیا کرو ـــ مگر افسوس کہ ہمارے اہل حدیث (باصطلاح جدید) دوست ان دقیق باتوں کو سمجھ نہیں پاتے۔

فقہ کی ضرورت ہر طبقے میں محسوس کی گئی ہے۔ ائمہ اربعہ کے پیرو اپنی علیحدہ علیحدہ فقہ کے باوجود ایک ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ ان کے مقابل فقہ جعفری ہے۔ غیر مقلدین کی اپنی فقہ ہے

اب ہم طلبہ کو ان مختلف انواع فقہ کا کچھ مختصر تعارف کراتے ہیں

مختلف انواع الفقہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

فقہ کے عنوان سے کئی طرح کی فقہ اپنے اپنے حلقہ میں متعارف ہے۔ اہل السنۃ کے ہاں پہلے دور میں سات مجتہدین کی فقہ ان کے مقلدین میں جاری رہی لیکن رفتہ رفتہ یہ چار فقہوں پر کاربند رہے اور امام سفیان الثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحٰقؒ کے مقلدین ناپید ہوتے گئے۔ اثناعشریوں نے حضرت امام جعفر صادقؒ کے نام سے ایک اپنی فقہ ترتیب دے لی۔ اسے وہ فقہ جعفری کہتے ہیں۔ بیسویں صدی میں ہندوستان میں اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے نام سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا اور ان کے علماء نے حوادثِ پیش آمدہ میں اپنے اپنے خیال کے مطابق اپنے فتوے دیئے۔ یہ چھ نوع کی فقہ ہیں جن کا ابتدائی تعارف اسلامیات کے طلبہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔

فقہ وحدیث کے پچھلے ذخائر اور حالات حاضرہ کی نقل وحرکت میں ہم اپنے گردوپیش چار فقہوں کا نام ہی سنتے آئے ہیں اور ان میں بھی صرف فقہ حنفی ہے جسے ان بلاد میں اسلامی فقہ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش میں نوے فیصد مسلمان حنفی فقہ کے پیرو پائے جاتے ہیں یہی حال ترکی، افغانستان اور اقصائے چین کا ہے۔ پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے نام سے اب ایک اور فقہ کا نام بھی سُنا جا رہا ہے۔ سو ضروری معلوم ہوا کہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ کے ساتھ کچھ فقہ جعفری کا تعارف بھی کرا دیا جائے۔

برصغیر پاک وہند میں غیر مقلدین مسائل غیر منصوصہ میں پہلے فقہ حنفی کو تسلیم کرتے تھے فتاوی نذیریہ اس کی ایک کھلی شہادت ہے۔ مگر اب ان حضرات نے اپنے اکابر کے فتاوے وغیرہ علیحدہ مرتب کر لیے ہیں اور اب یہ ایک مستقل فقہ کے علمبردار بنے ہیں جو ان کی کتب فتاویٰ میں ملتی ہے سو مناسب معلوم ہوا کہ ہم اسے بھی چھٹی فقہ کے نام سے آپ کے سامنے پیش کریں واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

فقہ اپنے پہلے دور میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی مسلمانوں میں فقہ کا آغاز ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہ میں وسعت کی راہیں جاری رکھیں لیکن آپ کے ہوتے ہوئے فقہ میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ صحابہؓ کے عہد میں بعض صحابہؓ میں کچھ اختلاف رائے پیدا ہوا اور اس نے مختلف علاقوں میں وسعتِ عمل کی صورت اختیار کی۔ یہ علاقے حجاز، عراق، شام، یمن اور مصر وغیرہ تھے جہاں اکابر صحابہؓ میں سے کسی نہ کسی کا اثر و رسوخ کار فرما رہا ہے۔

عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا زیادہ اثر تھا بعد میں حضرت علی المرتضیٰؓ بھی وہاں آٹھہرے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ انتقال فرما چکے تھے اور ان کے شاگرد حضرت علقمہؒ بن قیسؒ آپ کے مدرسہ کے صدر مدرس بنے۔ آپ کے شاگرد پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کے شاگرد بھی بنے۔ حضرت علیؓ سے پھر دو طرح کی روایات چلیں محققین نے ان میں سے انہی روایات کا اعتبار کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے سوا صرف انہی کی روایات لی گئیں جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے گھر کے لوگ تھے۔ جو لوگ ان کے حلقہ میں تھے مگر دل سے حضرت علیؓ کے ساتھ نہ تھے (جیسے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف اٹھنے والے) ان کی روایات کا عراق میں کوئی اعتبار نہ کیا گیا۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی صلح کے بعد حضرات حسنینؓ مدینہ تشریف لے آئے اور کوفہ میں فقہ کی مسند علمی حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) حضرت علامہ شعبیؒ (۱۰۳ھ) مسروق بن اجدعؒ (۶۲ھ) حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) کے نام سے آباد رہی۔

عراق کی مسند علمی

اگلے دور میں حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور سفیان ثوریؒ (۱۶۰ھ) کوفہ کے مسند آرائے علم ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسندِ علم کے جانشین امام ابوحنیفہؒ مانے گئے تاہم

حضرت سفیان ثوری بھی فقہ میں اہل عراق کے ساتھ ساتھ چلے ہیں نماز میں رفع الیدین عند الرکوع کے بارے میں اہل عراق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب پر تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ بھی اس مسئلہ میں انہی کے ساتھ رہے۔ امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:۔

وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة۔[1]

ترجمہ: نماز میں رفعیدین صرف شروع میں کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ اور تابعینؒ کا یہی موقف ہے۔ امام سفیان ثوریؒ اور سب اہل کوفہ اس موقف پر رہے ہیں۔

اب ذرا آگے چلیئے!

حضرت سفیان ثوریؒ کس پایہ کے محدث ہیں اسے عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) کی زبان سے سُنیئے۔ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ائمة الحديث الذين يقتدى بهم اربعة سفيان بالكوفة ومالك بالحجاز والاوزاعي بالشام وحماد بن زيد بالبصرة۔[2]

ترجمہ: فن حدیث میں امام چار ہیں کوفہ میں سفیان الثوریؒ حجاز میں مالکؒ شام میں اوزاعیؒ اور بصرہ میں حماد بن زیدؒ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ رفع الیدین عند الرکوع میں امت میں اختلاف اس لیے نہیں رہا کہ کسی امام کو رفع یدین عند الرکوع کی روایت پہنچی اور کسی کو نہ پہنچی تھی۔ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ امام اوزاعیؒ سے رفع الیدین عند الرکوع کی روایت سُن چکے تھے۔ حضرت امام محمدؒ امام مالکؒ سے یہ روایت سن چکے تھے (گو امام مالک بعد میں اس سے دستبردار ہو گئے تھے) بایں ہمہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی عمل رہا۔ سو اس مسئلہ میں اگر دونوں طرف صحابہؓ نہ

---

[1] ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۵ [2] ترتیب المدارک جلد ۱ صفحہ ۱۰۳

ہوتے اور ان میں یہ اختلاف وسعتِ عمل کا اختلاف نہ سمجھا جاتا تو کم از کم امام سفیان ثوریؒ تو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ نہ ہوتے وہ تو رفع یدین عند الرکوع پر عمل پیرا ہوتے اور اس کے قائل ہوتے مگر سب جانتے ہیں کہ آپ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہی رہے ہیں

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ درحقیقت شخصی فقہ نہ تھی۔ آپ نے چالیس علماء کا ایک بورڈ بناکر فقہ اسلام کی تدوین کی تھی۔ الجواہر المضیئہ میں تمام ارکانِ بورڈ کے نام دیئے ہیں۔ ان میں امام ابویوسفؒ (۱۸۲ھ) جیسے کثیر الحدیث رکن بھی تھے۔ استحسان وقیاس کے بادشاہ اور متفنن جلیل امام زفرؒ (۱۵۸ھ) بھی تھے۔ ادب وعربیت کے امام حضرت امام محمد بن حسنؒ (۱۸۹ھ) بھی تھے۔ اور علم و تقوے کے پہاڑ حضرت داؤد طائیؒ بھی تھے۔ ان سب حضرات نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی صدارت میں فقہ اسلام کی تدوین کی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ فقہ حنفی ایک شورائی فقہ ہے حضرت امام کے مقلدین بایں طور ان کے مقلد ہیں کہ یہ سب علماء اعلام حضرت امام کے اصولوں کے تحت چلے ہیں اس فقہ معین کے ماننے کو اس جہت سے تقلید شخصی کہتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ عظیم جبال العلم کی مشترک شورائی فقہ ہے۔

شام کی مسند علمی

شام میں علمی مسند جلیل القدر صحابیِ رسول حضرت ابوالدرداءؓ کے نام سے قائم تھی۔ آپ کے بعد امام مکحول شامیؒ (۱۰۱ھ) اہلِ شام کے مفتیٔ اعظم رہے۔ پھر امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) ان کے مسند آرائے علم ہوئے۔ امام اوزاعیؒ کی بھی آگے تقلید چلی اور تیسری صدی تک آپ کے مقلدین پائے جاتے تھے۔ امام دحیم بن عبدالرحمٰن (۲۴۵ھ) آپ کے مقلد تھے [۱]

آپ کی تقلید شام اور سپین میں زیادہ رہی۔ تیسری صدی میں وہاں مالکی مذہب کا فروغ ہوا اور امام اوزاعیؒ کے مقلدین آہستہ آہستہ ناپید ہوتے گئے۔

---

[۱] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۵۸

حجاز کی مسندِ علمی (مالکی فقہ)

حجاز کی مسندِ علمی کے صدر نشین امام دار الہجرت حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) تھے. آپ امام مجتہد تھے. آپ عمل اہل المدینہ کو پورا علمی وزن دیتے تھے اور اس کے خلاف کسی روایت کو جلدی قبول نہ کرتے تھے. آپ روایات پر نہیں تعاملِ امت پر فقہ کی تاسیس چاہتے تھے: تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سنت اور علم حدیث دونوں میں امام تھے.

مصر عراق، شام ہر جگہ ان کے متقلدین رہے ہیں. امام محمد بن عبداللہ بن الحکمؒ (۲۰۸ھ) مصر میں امام اسماعیل قاضی (۲۸۲ھ) عراق میں ان کے مسلک پر چلے. شام میں امام اوزاعیؒ کے دورِ تقلید کے بعد تیسری صدی میں امام مالکؒ کے طریقے کا فروغ ہوا — انقلابِ خلافت کے وقت شام کے جو لوگ سپین جا نکلے اور وہاں اموی خلافت قائم کی تو امام مالکؒ کا مسلک بھی شام سے وہاں ساتھ گیا. امام محمد بن یحییٰ اندلسیؒ (۲۴۴ھ) امام ابو بکر محمد بن عبداللہ الاندلسیؒ (۳۲۷ھ) امام ابن عبد البرؒ (۴۶۳ھ) علامہ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) مفسر جلیل عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (۶۷۱ھ) مالکی مسلک کے اساطین سب اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں.

امام مالکؒ کے صفِ اوّل کے شاگرد

حضرت امام مالکؒ کے حدیث میں تو ہزاروں شاگرد ہوئے لیکن تدوینِ فقہ میں آپ کے صفِ اوّل کے شاگرد یہ حضرات رہے ہیں:

(۱) شیخ عبداللہ بن وہب مصریؒ (۱۹۷ھ)

آپ نے محدث وقت لیث بن سعد مصریؒ سے حدیث پڑھی. لیث بن سعد مصریؒ زیادہ تر حنفی طریق پر چلتے تھے. شیخ عبداللہؒ نے مدینہ منورہ آکر پھر امام مالکؒ سے حدیث پڑھی اور ان کی روایات مسموعاتِ مالک کے نام سے جمع کیں.

(۲) — شیخ ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسمؒ (۱۹۱ھ)

مالکی مذہب کی پہلی کتاب المدونۃ الکبریٰ آپ کی تصنیف ہے۔ آپ بیس سال امام مالکؒ کے ساتھ رہے۔ صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں آپ کے بیٹے ابوسعید خلف بن ابی القاسمؒ نے المدونۃ کا اختصار جو کتاب التہذیب کے نام سے چھپ چکا ہے۔

(۳) — ابومحمد عبداللہ بن نافع المدنیؒ (۱۸۶ھ)

(۴) — شیخ معن بن عیسیٰ المدنیؒ (۱۹۸ھ)

امام مالکؒ کے چالیس ہزار کے قریب فتاوے ان کو یاد تھے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ الاساتذہ ہیں۔ ممتاز ائمہ حدیث سے تھے۔ [۱]

(۵) — ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ (۲۱۴ھ)

ان سے ابراہیم بن حبیبؒ ابن المواذؒ اور ربیع سلیمانؒ نے روایت کی ہے۔

(۶) — یحییٰ بن مالکؒ (ھ)

امام مالکؒ کے بیٹے ہیں۔ یمن میں موطا ان کے ذریعہ پہنچا ان سے محمد بن مسلمہؒ نے اسے روایت کیا ہے۔

(۷) — محمد بن مالکؒ (ھ)

مصر میں ان کے ذریعہ مالکی مذہب کو فروغ ملا۔ ان سے حارث بن مسکینؒ اور زید بن بشرؒ نے فقہ پڑھی۔

(۸) — ابراہیم بن حبیبؒ (ھ)

آپ ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ کے بھی شاگرد تھے۔

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۵۷

امام مالکؒ سے مؤطا روایت کرنے والے ممتاز شاگرد

1. ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم المصریؒ (۱۹۱ھ)
2. ابو عبداللہ محمد بن وہبؒ (۱۹۷ھ)
3. یحییٰ بن یحییٰ المصمودی الاندلسیؒ (۲۰۴ھ)
4. امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ)
5. عبداللہ بن یوسف ابو محمد الدمشقیؒ (۲۱۸ھ)
6. ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ القعنبیؒ (۲۲۱ھ)
7. سعید بن کثیر بن عفیرؒ (۲۲۶ھ)
8. ابو مصعب الزہری احمد بن ابی بکرؒ (۲۴۲ھ)
9. مصعب بن عبداللہ الزبیریؒ (۲۳۶ھ)
10. یحییٰ بن یحییٰ التمیمیؒ (۲۲۶ھ)

فقہ مالکی کے مشہور فقہاء

ابو محمد بن عبداللہ بن عبدالحکمؒ (۲۱۴ھ) احد فقہاء مصر من اصحاب مالک[1]

عیسیٰ بن دینارؒ (۲۲۲ھ)

ابو عبداللہ محمد بن سحنون الامامؒ (۲۵۵ھ)

امام اسمٰعیل قاضیؒ (۲۸۲ھ) شیخ المالکیہ بالعراق[2]

ابو بکر بن علاء قشیریؒ (۳۴۴ھ) ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔

---

[1] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۱۴ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۸۰

فقہ مالکی کے چوتھی صدی کے فقہار

① محمد بن احمد المغربی رح (۳۳۳ھ)

② امام وہب بن مسرۃ تمیمی رح (۳۴۶ھ)

③ ابو بکر بن ملا رح (۳۴۴ھ)

④ محمد بن یحییٰ اندلسی رح (۳۴۶ھ)

⑤ ابو اسحٰق محمد قاسم رح (۳۵۵ھ)

⑥ محمد بن حارث بن اسد الخشنی رح (۳۶۲ھ)

⑦ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعیطی رح (۳۶۷ھ)

⑧ امام ابو بکر قاضی محمد بن عبد اللہ رح (۳۷۵ھ)

⑨ ابو بکر الابہری رح (۳۹۵ھ)

⑩ ابن جلاب صاحب کتاب التفریع (۳۷۸ھ)

مالکی فقہ کے پانچویں صدی کے اساطین

- امام ابو عمر عثمان بن سعید الداوین رح (۴۴۴ھ)
- امام عمرو بن یوسف بن عبد البر رح صاحب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی (۴۶۳ھ)

چھٹی صدی کے ممتاز مالکی علمار

- قاضی عیاض رح (۵۴۴ھ)
- امام ابو الولید ابن رشد رح صاحب بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد (۵۹۵ھ)
- فقہ مالکی کی کتابوں کا ذکر آپ کو کتب فقہ کے ذیل میں ملے گا یہاں صرف یہ یاد رکھیں کہ

جس کے پاس فقہ مالکی کی یہ دو کتابیں ہوں تو وہ کافی ہیں. ایک مدونۃ الکبریٰ عبدالرحمٰن بن القاسمؒ (۱۹۱ھ) اور دوسری الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی للحافظ ابن عبدالبر المالکی القرطبی (۴۶۳ھ) موطا امام مالک حدیث کی کتاب ہے. اس میں کئی ایسی روایات بھی ہیں جو سنداً صحیح ہیں مگر امام مالکؒ کا خود اپنا عمل ان پر نہیں۔۔۔ امام مالکؒ صرف حدیث کو نہ دیکھتے تھے اس پر امت کے تعامل کو ساتھ رکھتے تھے. اس رائے میں امام ترمذیؒ بھی آپ کے نقش قدم رہے. جامع ترمذی میں تقریباً ہر روایت پر آپ تعامل امت کو ساتھ لاتے ہیں.

فقہ مالکی کی ایک جھلک

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) حدیث میں کس پایہ کے امام ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں. امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) صرف حدیث کے امام بتلائے گئے. امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سنت کے امام کہلاتے اور امام مالکؒ حدیث اور سنت دونوں کے امام کہلائے. اتنے بلند پایہ محدث کی فقہ کے چند مسائل ملاحظہ کریں آپ دیکھیں گے کہ فقہ مالکی فقہ حنفی کے کس قدر قریب ہے. حضرت علامہ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) فقہ مالکی اس طرح لکھتے ہیں.

لا بد من قرأۃ فاتحۃ الکتاب للامام والمنفرد فی کل رکعۃ من الفریضۃ والنافلۃ لا یجزیٔ عنہا غیرہا. وروی عن مالک انہ قال من لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فی رکعتین من صلوتہ فسدت صلاتہ ..... اما الماموم فالامام یحمل عنہ القرأۃ لاجماعہم علی انہ اذا ادرکہ راکعا انہ یکبر و یرکع ولا یقرأ شیأ ولا ینبغی لاحد ان یدع القرأۃ خلف امامہ فی صلوٰۃ السر . فان فعل فقد اساء ولا شیٔ علیہ عند مالک واصحابہ واما اذا اجہر الامام فلا قرأۃ بفاتحۃ الکتاب ولا بغیرہا قال اللہ عزّو جلّ واذا قریٔ القرأن فاستمعوا لہ وانصتوا وقال رسول اللہ ﷺ

صلی اللہ علیہ وسلم مالی انازع القرآن وقال فی الامام فاذا قرأ فانصتوا[1]

ترجمہ: امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا ہر رکعت میں ضروری ہے۔ نماز فرض ہو یا نفل سورۃ فاتحہ کا کوئی بدل نہیں اور امام مالکؒ سے مروی ہے کہ جس نے نماز میں پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز فاسد ہوگئی رہا مقتدی تو اس کے پڑھنے کا بوجھ امام نے لیا ہے کیونکہ فقہاء کا اجماع ہے کہ مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا تو وہ تکبیر کہے اور رکوع میں چلا جائے اور کچھ نہ پڑھے اور نہ چاہیئے کہ کوئی شخص سری نماز (ظہر و عصر) میں امام کے پیچھے پڑھنا چھوڑے لیکن اگر اس نے نہ پڑھا تو بُرا کیا مگر امام مالکؒ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک اس کی نماز ہوگئی اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے جیسا کہ قرآن کا حکم ہے جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں کیوں کھجاڑ کیا جائے (یعنی میرے پیچھے مقتدی قرآن نہ پڑھے یہ مجھ سے کھینچا تانی ہے) اور آپ نے یہ بھی فرمایا جب امام پڑھنا شروع کرے تو تم چپ رہو۔

مولانا مبارک پوری بھی لکھتے ہیں،

امام مالکؒ سری نمازوں میں وجوب قرأۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔[2]

کتاب الکافی کے حاشیہ میں حدیث واذا قرأ فانصتوا پر امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے اس طرح لکھا ہے۔

فی منتقی الاخبار لابن تیمیہ رواہ الامام احمد عن ابی موسیٰ الاشعری۔ قال الشوکانی وھذا اللفظ ثابت عند ابی داؤد وابن ماجہ والنسائی وقال مسلم ھو صحیح۔[3]

---

[1] کتاب الکافی جلد ۱ ص ۴۲ [2] تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۵ [3] نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱

ترجمہ۔ امام ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمدؒ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت کیا ہے اور علامہ شوکانیؒ نے کہا ہے کہ یہ الفاظ امام ابو داؤدؒ، ابن ماجہؒ اور امام نسائیؒ کے ہاں ثابت ہیں۔ امام مسلمؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ حافظ ابن عبدالبرؒ کتاب الکافی میں آگے جاکر لکھتے ہیں :۔

وتسقط عن المأموم مع امامه قرأة ام القرآن اذا ادركه راكعا فركع قبل ان يرفع الامام راسه۔[۱]

ترجمہ۔ امام کے پیچھے ہونے سے مقتدی سے سورۃ فاتحہ پڑھنی ساقط ہو جاتی ہے جب وہ اسے رکوع میں پالے بشرطیکہ مقتدی نے رکوع اس وقت کیا ہو کہ ابھی امام نے سر اٹھایا ہو

آپ نے قرأت خلف الامام کے متعلق مالکی فقہ کی ایک جھلک دیکھ لی ہے آئیے نماز میں ہاتھوں کو باندھنے اور چھوڑے رکھنے اور آمین کے بارے میں بھی فقہ مالکی سے کچھ معلوم کرلیں۔ امام عبدالبرؒ لکھتے ہیں :۔

ووضع اليمنى منهما على اليسرى او ارسالهما كل ذلك سنة فى الصلوٰة ثم القرأة بام القرآن فاذا فرغ منها قال اٰمين سرًا او اسمع نفسه۔[۲]

ترجمہ۔ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے یا ہاتھ چھوڑے رکھے نماز میں دونوں طریقے معمول بہا ہیں پھر نمازی سورۃ فاتحہ پڑھے جب فارغ ہو تو آمین کہے، مگر آہستہ یہ اس طرح کہ خود سُن پائے۔

پھر رفع الیدین عند الرکوع کے بارے میں لکھا ہے :۔

ان شاء رفع يديه وان شاء لم يرفع۔[۳]

---

[۱] نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ [۲] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ [۳] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۷

ترجمہ۔ چاہے تو رفع یدین کرے اور چاہے نہ کرے (یعنی کسی ایک طریقے کو لازمی سنت نہ سمجھے

فقہ مالکی وتر کے بارے میں یہ ہے کہ ایک وتر نہ پڑھے۔

یہ صلوٰۃ بتیراء ہے جس سے منع کیا گیا ہے جس سے منع کیا گیا ہے اس سے پہلے دو یا چار رکعت ملالے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رات کی نماز جوڑا جوڑا کرکے پڑھو[1]

دو ساتھ ملالو تو ایک جوڑا آگیا اور وتر تین ہو گئے

پھر دعائے قنوت کے بارے میں فقہ مالکی یہ ہے۔

ان شاء قبل الركوع وان شاء بعده ككل ذلك واسع والا شهر عن مالك القنوت قبل الركوع وهو تحصيل مذهبه[2]

ترجمہ چاہے قنوت رکوع سے پہلے پڑھے چاہے بعد میں۔ دونوں کی گنجائش ہے امام مالک کا قول مشہور یہ ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھے یہی آپ کے مذہب کا حاصل ہے (یعنی قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا)

پھر نکاح متعہ کے بارے میں فقہ مالکی دیکھ لیں۔

ونهى رسول الله عن نكاح الشغار ونكاح المتعة ونكاح المحرم[3]

ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار نکاح متعہ اور نکاح محرم تینوں سے منع فرمایا ہے۔

آگے جاکر لکھتے ہیں۔

ونكاح المتعة باطل منسوخ وهو ان يتزوج الرجل المرأة بشيء مسمى الى اجل مسمى[4]

---

[1] نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۷ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵۲۰ [4] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵۲۳

اور نکاح متعہ باطل ہے اور ہو جائے تو خود فسخ ہے متعہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کو کچھ مال دے کر ایک معین مدت کے لیے اس سے شادی کرے

جو لوگ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک متعہ جائز ہے وہ مالکی فقہ سے بے خبر ہیں۔

آیئے اب فقہ شافعیؒ کے حال پر نظر کریں۔

عالمِ قریش کی مسندِ علمی

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) آنحضرتؐ کے دادا کے دادا عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہیں اور عالمِ قریش کے طور پر مشہور رہیں آپ شیخ الحرم مسلم بن خالد الزنجیؒ امام مالکؒ امام محمدؒ کے شاگرد اور مشہور امام حدیث و فقہ امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں آپ مجتہد مطلق تھے آپ کی فقہ شافعی فقہ کے نام سے مشہور ہے اصولِ فقہ میں دو اماموں کا کام تاریخی حیثیت رکھتا ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور امام شافعیؒ کا۔ ان کے مابین امام محمدؒ ہیں

آپ بے شک امام الائمہ ہیں لیکن آپ اپنے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے اصول فقہ پر چلے ہیں امام شافعیؒ نے اپنے اصول خود وضع کیے ہیں اور اصولِ فقہ میں مجتہدانہ روش اختیار کی ہے تاہم امام شافعیؒ نے بار بار اعتراف کیا ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں امام ابوحنیفہؒ اصولِ فقہ کے بانی اور موجد ہیں لیکن امام شافعیؒ نے اس فن کو جو نکھار دیا اور اس میں جو وسعت پیدا کی وہ بھی کوئی کم خدمت نہیں ہے امام مالکؒ اور امام احمدؒ زیادہ حدیث میں مشغول رہے ہیں ان کی فقہ کے اصول ان کے پیروؤں نے ان کی فقہ سے استنباط کیے ہیں

امام مالکؒ کے اصولِ فقہ معلوم کرنے کے لیے ابن رشد اندلسی کی کتاب بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد اور اصولِ فقہ حنبلی کے لیے روضۃ الناظر لائق مطالعہ کتابیں ہیں

فقہ شافعیؒ کا فروغ عرب ممالک میں

ائمہ اربعہؒ میں امام شافعیؒ سب سے زیادہ کثیر الاسفار رہے ہیں. جس طرح امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے عراق اور حجاز میں جم کر کام کیا امام شافعیؒ کسی ایک جگہ نہ جمے. آخری دنوں میں آپ نے مصر میں جم کر کام کیا اور یہیں سے آپ کا مذہب شمالی افریقہ میں گیا. آپ نے پہلے مکہ میں شیخ الحرم مسلم بن خالد الزنجیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور مجاز فتوے ہوئے. پھر امام مالکؒ کے حلقہ درس میں بیٹھے. کچھ عرصہ یمن کے قاضی رہے اور پھر آکر امام محمد بن حسن کے حلقہ درس میں شامل ہوتے. پھر مکہ چلے آئے اور وہاں علم کی مسند لگائی ۱۹۵ھ میں دوبارہ عراق گئے اور پھر مصر چلے آئے. یہاں آپ کا سب سے بڑا علمی حلقہ بنا اور یہیں آپ نے وفات پائی.

مصر میں شیعہ حکومت کے قیام سے فقہ شافعی بہت پیچھے چلی گئی. سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب مصر فتح کیا تو فقہ شافعی کو وہاں پھر سے فروغ ہوا. شیخ ابن الرافعہؒ اور شیخ تقی الدین بن دقیق العیدؒ اور شیخ تقی الدین السبکیؒ نے مصر میں اور امام محی الدین نوویؒ اور شیخ عز الدین بن عبدالسلامؒ نے شام میں فقہ شافعی کو بہت فروغ دیا. ترکی. ہندوستان. افغانستان اور سکندری کے چینی علاقوں اور لنکا میں ان کے پیرو بہت کم پائے گئے ہیں.

امام شافعیؒ کے بعض ممتاز تلامذہ

(۱) اشہب بن قاسم (ھ) (۲) ابن المواز (ھ)

(۳) ابوابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی (۲۶۴ھ)

(۴) ابو یعقوب شیخ یوسف بن یحییٰ البویطی المصری (۲۳۱ھ)

یہ امام شافعیؒ کے جانشین ہوئے. قاضی مصر امام ابن ابی اللیثؒ نے ان کی سخت مخالفت کی.

(۵) حرملہ بن یحییٰؒ (۲۶۶ھ) مصر میں

تیسری صدی کے مرکزی شافعی فقہاء

(۱) حسن بن محمد زعفرانیؒ (۲۶۰ھ)

(۲) اسماعیل بن یحییٰ ابو ابراہیم المزنیؒ (۲۶۴ھ) یہ امام طحاوی کے ماموں تھے

(۳) شیخ ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار مرادیؒ (۲۷۰ھ)

(۴) موسیٰ بن اسحٰق القاضیؒ (۲۹۷ھ)

(۵) امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)

(۶)

(۷) عباسی خلیفہ جعفر بن معتصم (۲۴۶ھ) یہ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے شافعی مذہب قبول کیا۔

چوتھی صدی کے نامور فقہاء شافعیہ

(۱) ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیادؒ (۳۲۴ھ)

عراق میں یہ شافعی حضرات کے قائد تھے ان کے بعد وہاں ابوبکر محمد بن عبداللہ (۳۵۴ھ) ان کا مرکز بنے۔

(۲) یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنیؒ (۳۱۶ھ)

هو اوّل من ادخل كتب الشافعي ومذهبه الاسفرائن[1]

(۳) محمد بن یوسفؒ (۳۳۰ھ)

(۴) امام ابوالعباس بن القاصؒ (۳۳۵ھ)

(۵) ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہؒ (۳۷۵ھ)

(۶) امام ابوعبداللہ الحسین بن حسن الحلیمیؒ (۴۰۳ھ)

---

[1] تذکرہ جلد ۳ ص۳

یہ اپنے حلقہ میں رئیس اہلحدیث سمجھے جاتے تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہلحدیث سے مراد غیر مقلدین نہ ہوتے تھے علامہ طیبی شافعی المسلک تھے۔

پانچویں صدی کے نامور فقہاء شافعیہ

(۱) امام ابو بکر احمد بن محمد البرقانی رح (۴۲۵ھ)
(۲) ابوالقاسم ہبۃ اللہ اللکائی رح (۴۱۸ھ)
(۳) ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی رح (۴۵۸ھ)

چھٹی صدی کے نامور شافعی حضرات

(۱) امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی رح (۵۱۶ھ) صاحب تفسیر معالم التنزیل و شرح السنۃ
(۲) امام ابن عساکر ابوالقاسم علی بن الحسین رح (۵۷۱ھ)
(۳) ابو بکر محمد بن موسیٰ الحازمی رح (۵۸۴ھ) صاحب کتاب الاعتبار فی الناسخ المنسوخ من الآثار
(۴) امام ربیعۃ الحسن رح (۶۰۹ھ)

ساتویں صدی کے نامور شافعی حضرات

(۱) امام تقی الدین اسماعیل بن عبداللہ الخالطی رح (۶۱۹ھ)
(۲) امام ابن الصلاح (۶۴۳ھ) صاحب مقدمہ ابن الصلاح
(۳) ابو شامہ رح (۶۵۵ھ) عبدالرحمٰن بن اسماعیل
(۴) شرف الدین النابلسی رح (۶۷۰ھ)
(۵) امام یحییٰ بن شرف النووی رح (۶۷۶ھ) صاحب شرح المہذب و شرح صحیح مسلم
(۶) امام محب الدین الطبری رح (۶۷۵ھ)

⑦ علی بن عبد الکافیؒ (۲ ۷۶ھ) صاحب شفاء السقام

⑧ جمال الدین المزیؒ (۷۴۲ھ) صاحب تہذیب الکمال

⑨ شہاب الدین ابن الفرجؒ (۶۹۹ھ)

⑩ ابن دقیق العید ابو الفتح محمد بن علیؒ (۷۰۳ھ)

⑪ شرف الدین الدیباطیؒ (۷۰۵ھ)

امام شافعیؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اتصالِ سند پر زور دیا آپ سے پہلے اعتماد کا دور تھا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں مرسل روایات حجت سمجھی جاتی تھیں۔ امام شافعیؒ نے اختلاف الحدیث میں صحت سند اتصال روات اور رفع حدیث پر بہت زور دیا ہے۔ تاہم آخری دور میں آپ کو بھی اعتماد سے کام لینا پڑا

تراویح کی رکعات کتنی ہیں؟ آپ کو اس میں کوئی صحیح حدیث نہ ملی تو آپ نے تعامل امت کو اپنے لیے سند بنایا۔ امام ترمذیؒ آپ سے نقل کرتے ہیں :

وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔ ؎۱

ترجمہ۔ اور امام شافعیؒ نے کہا اور اسی طرح پایا ہم نے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی۔

اس سے فقہ شافعی کا مزاج سمجھنے میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔

اسلام کی چوتھی متداول فقہ (حنبلی فقہ)

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) چوتھے امام مجتہد ہیں جو مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے تھے ان کے بعد ائمہ اربعہ کے اصولوں پر چلنے والے مجتہدین تو بے شک بہت آئے لیکن مجتہد مطلق کے درجہ میں کوئی عالم آپ کے بعد نہیں دیکھا گیا۔ سعودی عرب کے علماء زیادہ تر انہی کے مقلد ہیں۔

؎۱ جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۳۹

آپ بغداد میں پیدا ہوئے آپ نے بصرہ، شام، عراق اور حجاز کے سفر کیے۔ امام ابو یوسف رح
امام محمدؒ امام زفرؒ امام شافعیؒ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ امام بخاریؒ امام مسلمؒ اور امام ابو داؤدؒ
آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ کے عہد میں خلیفہ مامون الرشید نے خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا آپ
نے اس میں ثابت قدمی دکھائی اور برملا کہا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یہ مخلوق نہیں اس کی صفت ہے
اس سے آپ امام اہلسنّت والجماعت کے لقب سے معروف ہوئے۔

فقہ میں آپ کے طریقے کے بڑے علمبردار تھے اور انہوں نے فقہ حنبلی کی تاسیس کی۔ ان میں
سرفہرست امام ابراہیم ابن الحربیؒ ہیں۔ امام کا اپنا دور تیسری صدی کا نصف اول ہے۔ دوسرے نمبر
پر امام ابوبکر بن محمد الاثرمؒ (۲۶۰ھ) فقہ حنبلی کے موسس رہے

تیسری صدی کے حنبلی فقہاء

(۱) امام اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ)

فقہ حنفی اور فقہ حنبلی میں بہت سے متقارب مسائل ہیں جن کی وجہ سے بعض علماء نے انہیں
حنفی مسلک کے قریب لکھا ہے یہ مجتہد بھی تھے اور ان کا اجتہاد حضرت امام احمدؒ سے بہت متوارد رہا۔

(۲) امام ابوبکر بن محمد الاثرمؒ (۲۶۰ھ)
(۳) ابوالحسن عبدالملک بن المیمونؒ (۲۷۴ھ)
(۴) ابوبکر احمد بن محمد المروزیؒ (۲۷۵ھ)
(۵) حرب بن اسماعیل الکرمانی رح (۲۸۰ھ)
(۶) امام ابوبکر احمد الهذلیؒ (۳۱۱ھ)

چوتھی صدی کے نامور حنبلی فقہاء

(۱) امام ابوالقاسم عمرو بن الحسین البغدادی الخرقیؒ (۳۳۴ھ)

② امام ابوبکر احمد بن سلیمانؒ (۳۴۸ھ)

پانچویں صدی کے ممتاز حنبلی فقہاء

① ابوالوفا علی بن عقیلؒ (ھ)
② ابوسعید مبارک بن علی مخزومیؒ (ھ)
③ محمد بن حسن ابوغالب باقلانیؒ (۴۰۳ھ)
④ ابوالحسن محمد بن قاضی ابویعلیٰ (ھ)
⑤ محمد بن حسین بن فراء الحنبلیؒ (ھ)

چھٹی صدی کے نامور حنبلی فقہاء

① شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ)
② امام عبدالغنی بن عبدالواحدؒ (ھ)
③ امام عبدالرزاق جیلانیؒ (۶۰۳ھ)

ساتویں صدی کے نامور حنبلی فقہاء

① ابن الحصری نصر بن ابی الفرجؒ (۶۱۹ھ)
② امام عبدالقادر بن عبداللہؒ (۶۱۲ھ)
③ عزالدین ابوالفتحؒ (۶۱۳ھ)
④ موفق الدین بن قدامہؒ (۶۲۰ھ)
⑤ بہاؤالدین ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابراہیم المقدسیؒ (۶۲۴ھ)
⑥ ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد الضیاء المقدسیؒ (۶۴۳ھ)

(۷) جمال الدین عبداللہ بن حافظ عبدالغنیؒ (۶۲۹ھ)

(۸) امام ابن نقطہؒ (۶۲۹ھ)

(۹) امام یونینی ابوعبداللہ محمد بن ابی الحسینؒ (۶۵۸ھ)

(۱۰) شیخ شمس الدین یوسف سبط الجوزیؒ (۶۵۴ھ)

حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) نے طبقات الحنابلہ میں حنبلی فقہا طبقہ وار بیان کیے ہیں۔

آٹھویں صدی کے علماء حنابلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) سرفہرست ہیں۔

فقہ حنبلی میں شیخ الاسلام موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہؒ (۶۲۰ھ) کی کتاب العمدہ اور المغنی مرکزی کتابیں سمجھی گئی ہیں۔ مغنی بن قدامہ، امام ابوالقاسم عمرو بن الحسن الخرقی کی المختصر کی دس ضخیم جلدوں میں شرح ہے۔

کتاب العمدہ پر بہاؤ الدین ابومحمد عبدالرحمٰن المقدسیؒ (۶۲۴ھ) نے العدہ کے نام سے عظیم شرح لکھی ہے حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ شام میں امام اوزاعیؒ (۱۵۰ھ) کے بعد شیخ موفق الدین ابن قدامہؒ جیسا بلند پایہ فقیہ نہیں ہوا۔

فقہ حنبلی کے مسائل کی ایک جھلک

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) العمدۃ باب صفۃ الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔

ویرفع یدیه عند ابتداء التکبیر الی حذو منکبیه او الی فروع اذنیه ویجعلهما تحت السرة ... ثم یقرأ الفاتحة ولا صلوٰة لمن لم یقرأ بها الا المأموم فان القرأة الامام له قرأة [1]

ترجمہ: اور ابتدا تکبیر میں اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر یا کانوں کی لَو کے برابر اٹھائے

[1] العدۃ شرح العمدۃ ص۶۵

اور انہیں ناف کے نیچے باندھے ...... پھر سورۃ فاتحہ پڑھے۔ اور اس شخص کی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے نماز نہیں ہوتی ماسوائے مقتدی کے۔ کیونکہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے

گویا مقتدی نے بھی سورۃ فاتحہ پڑھ لی ہے گو حکماً ـــ لفظاً سورۃ فاتحہ پڑھنے والا امام ہی ہے ـــ شیخ بہاؤالدین ابومحمد عبدالرحمٰن المقدسیؒ الا المأموم کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

لقوله سبحانه واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون وروى الامام احمد عن وكيع عن سفيان عن موسى بن ابى عائشة عن عبدالله بن شداد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقرأة الامام له قرأة وروى الخلال والدارقطنى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال يكفيك قرأة الامام خفت او جهر ولان القرأة لو كانت واجبة عليه لم تسقط عن المسبوق كبقية اركانها۔[1]

ترجمہ: مقتدی امام کے پیچھے (جہری نماز میں) سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور خود چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ امام احمد اپنی سند سے عبداللہ بن شداد سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کا پڑھنا مقتدی کا بھی پڑھنا ہے۔ اور خلال اور دارقطنی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تجھے امام کا پڑھنا کافی ہے نماز سری ہو (ظہر و عصر) یا جہری قرأت اگر مقتدی پر واجب ہوتی تو جماعت میں بعد آکر ملے اس سے یہ ساقط نہ ہوتی جیسے اور ارکان اس کے ذمہ سے نہیں اترے

المختصر للخرقی (م ۳۳۴ھ) فقہ حنبلی کا پرانا متن ہے، اس میں بھی ہے کہ:۔

---

[1] العدۃ شرح العمدۃ ص ۷۵

والماموم اذا سمع قرأة الامام فلا يقرأ بالحمد ولا بغيرها يقول الله تعالیٰ واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون ولما روی ابوهریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال مالی انازع القران؟ قال فانتهی الناس یقرءوا فیما جهر فیه النبی ؐ [۱]

ترجمہ: اور مقتدی جب قرأت سنے تو نہ سورتِ فاتحہ پڑھے نہ اگلی سورت کیونکہ خدا کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے سنو اور خود چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں یہ جھگڑا کیوں؟ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرآن پڑھنے سے رُک گئے ان نمازوں میں جن میں قرأت بالجہر ہوتی ہے۔

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) سے نقل کرتے ہیں:-

قال احمد ما سمعنا احدًا من اهل الاسلام یقول ان الامام اذا جهر بالقرأة لا تجزی صلوة من خلفه اذا لم یقرأ وقال هذا النبی ؐ واصحابه والتابعون وهذا مالک فی اهل الحجاز وهذا الثوری فی اهل العراق وهذا الاوزاعی فی اهل الشام وهذا اللیث فی اهل مصر ما قالوا الرجل وقرأ امامه ولم یقرأ هو صلاته باطلة [۲]

ترجمہ: امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ امام جب اونچی آواز سے پڑھے تو مقتدی اگر پیچھے نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ہیں یہ تابعین ہیں۔ حجاز میں یہ امام مالکؒ ہیں، عراق میں سفیان الثوریؒ ہیں، شام میں اوزاعیؒ ہیں، مصر میں

---

[۱] المختصر صفحہ ۶۲ [۲] المغنی جلد ۱ صفحہ ۵۶۲

لیث بن سعدؒ ہیں۔ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اگر کسی نے نماز پڑھی اور اس نے امام کے پیچھے قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھا تو اس کی نماز باطل ہے

حضرت امام احمدؒ امام شافعیؒ کے شاگرد رشید ہیں معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ نے ان سے بھی اس کے خلاف نہ سنا ہوگا۔ نہ ان کے شاگرد امام بخاریؒ نے کبھی استاد کے سامنے یہ کہنے کی ہمت کی ہوگی کہ حدیث " لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القراٰن " مقتدی کو بھی شامل ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء حنابلہ حدیث عبادہ بن صامت (لا صلوٰۃ لمن لم (الحدیث) کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو امام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے۔

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) کہتے ہیں :۔

فاما حدیث عبادۃ الصحیح فھو محمول علی غیر المأموم۔ [1]

ترجمہ۔ یہ جو حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القراٰن سورہ مقتدی کے سوا دوسری صورتوں (منفرد ہو یا امام) پر محمول ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ نے بھی حضرت امام احمدؒ سے اس حدیث کی یہی تشریح نقل کی ہے :۔

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ [2]

فقہ حنبلی میں دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث بھی درج ہے :۔

صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ فلما قضاھا قال ھل قرأ احد منکم بشیء من القراٰن؟ قال رجل من القوم انا یا رسول اللہ فقال فانی اقول مالی انازع القراٰن؟ اذا اسررت بقرأتی فاقرؤا واذا جھرت بقرأتی فلا یقرأن معی احدا۔ [3]

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) نماز پڑھائی جب نماز پوری

---

[1] المغنی جلد ۱ صفحہ ۵۶۱ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۷ [3] المغنی جلد ۱ صفحہ ۵۶۱

کر لی تو پوچھا کیا تم نے (میرے پیچھے) قرآن کا کوئی حصہ (سورت فاتحہ یا کوئی اور سورت) پڑھی۔ ایک شخص نے کہا میں نے پڑھا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں کہہ رہا تھا (کلام نفسی میں نہ لفظی میں) میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں منازعت کیوں کی جارہی ہے، میں جب قرأت آہستہ کروں تو پڑھ لیا کرو اور جب بلند آواز سے پڑھوں تو ہرگز میرے ساتھ کوئی شخص قرآن نہ پڑھے۔

یاد رہے کہ آہستہ پڑھنے کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا کہ یہاں پڑھنا ضرور ہے اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔

مذکو بالا تفصیلات سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ فقہ حنبلی قرأت خلف الامام کے بارے میں فقہ حنفی کے بہت قریب ہے۔

فقہ حنبلی کا ایک اور مسئلہ ملاحظہ کیجئے نماز میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں اس کے بارے میں فقہ حنبلی کی تصریح دیکھیں المختصر الخرقی (۳۳۴ھ) فقہ حنبلی کا پرانا متن ہے اس میں ہے:۔

ثم یضع یدہ الیمنی علی کوعہ الیسریٰ و یجعلھما تحت سرتہ [۱]

ترجمہ پھر اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کے پہنچے پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے۔

تراویح کے بارے میں فقہ حنبلی کا موقف کیا ہے؟ اسے بھی حافظ ابن قدامہؒ سے سنتے چلیں:۔

التراویح وھی عشرون رکعۃ بعد العشاء فی رمضان [۲]

ترجمہ تراویح بیس رکعات ہیں جو رمضان میں بعد نماز عشاء پڑھی جاتی ہیں۔

العمدہ کے شارح علامہ بہاؤالدین ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابراہیم المقدسی لکھتے ہیں:۔

قال السائب بن یزید لما جمع عمر الناس علی ابی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعۃ والسنۃ فعلھا جماعۃ کذلک اخرجہ البخاری [۳]

---

[۱] شرح مختصر الخرقی جلد ۱ ص ۲۸۰ [۲] العمدہ ص ۹۰ [۳] العدہ بشرح العمدۃ ص ۹۰

ترجمہ سائب بن زید کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو (تراویح کے لیے)
حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کردیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ اور
سنت یہ ہے کہ تراویح جماعت سے ہو۔

یہ فقہ حنبلی کی چند جھلکیاں ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ نماز کے مسائل مشہورہ اختلافیہ میں حضرت امام احمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کتنے قریب ہیں۔ جو لوگ فقہ حنفی پر قلت حدیث کا الزام لگاتے نہیں تھکتے کیا وہ امام بخاریؒ کے استاد حضرت امام احمدؒ پر بھی قلتِ حدیث کا الزام لگانے کی بھی ہمت کریں گے؟ اگر نہیں تو انہیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد (رحمہم اللہ اجمعین) میں سے جب تین اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بام القرآن مقتدی کو شامل نہیں تو پھر اس مسئلہ میں تشدد اختیار کرنا ہرگز جمہور امت کا موقف نہیں جو حضرات اس حدیث کو مقتدی پر بھی لاگو کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ امام بخاریؒ کے شاگرد امام ترمذیؒ نے صریح لفظوں میں اسے شدت قرار دیا ہے۔

وشدّد قوم من اهل العلم فی ترك قرأة فاتحة الكتاب وان كان خلف الامام
فقالوا لا تجزی صلوٰة الا بقرأة فاتحة الكتاب وحده كان او
خلف الامام۔[1]

ترجمہ بعض اہل علم نے نماز میں سورۃ فاتحہ چھوڑنے میں بہت تشدد سے کام
لیا ہے گو وہ امام کے پیچھے کیوں نہ ہو۔ انہوں نے کہا ہے کہ نمازی اکیلا ہو یا
امام کے پیچھے جب تک سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں ہوتی۔

اس وقت ہمارا مقصد ان مسائل مشہورہ اختلافیہ کی چھان بین نہیں ہم صرف اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وہ محدثین جن کی علمی اور محدثانہ شان کسی کے ہاں بھی متنازعہ فیہ نہیں، نماز کے مسائل مشہورہ میں وہ بھی فقہ حنفی کے بہت قریب ہیں۔ فقہ حنبلی اور فقہ حنفی دونوں میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص۴۲

پڑھنی فرض نہیں

سعودی علماء پر غیر مقلد ہونے کا غلط الزام

سعودی علماء زیادہ تر فقہ حنبلی کے پیرو ہیں وہ ہرگز غیر مقلد نہیں نہ وہاں اہلحدیث کے نام سے آپ کو کوئی مذہبی تنظیم ملے گی غیر مقلد لوگ جو برصغیر پاک و ہند میں اہلحدیث کہلاتے ہیں سعودی عرب جا کر وہ بھی سلفی بن جاتے ہیں اہلحدیث کہلا کر انہیں اپنا مستقبل وہاں تاریک نظر آتا ہے

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدے کے تھے۔ وہ برملا کہتے تھے ہم ائمہ اربعہ کے مقلدین میں سے کسی پر انکار نہیں کرتے اور ہم ائمہ اربعہ کے اختلاف کو امت کے لیے ہرگز کوئی مصیبت نہیں سمجھتے رحمت سمجھتے ہیں وہ شخص مفتری ہے جو اس کے خلاف کوئی بات ہماری طرف منسوب کرے۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں :۔

ان الرجل افتریٰ عليّ اموراً لم اقلها ولم يأت اكثرها على بالی (فمنها) قوله انی مبطل كتب المذاهب الاربعة وانی اقول ان الناس من ستمائة سنة ليسوا على شئی وانی ادعی الاجتهاد وانی خارج عن التقليد وانی اقول ان اختلاف العلماء نقمة وانی اكفر من توسل بالصالحين۔[1]

ترجمہ: اس شخص نے مجھ پر بہتانات باندھے ہیں جن میں سے کوئی بات میں نے نہیں کہی نہ ان کی مجھ پر کوئی ذمہ داری آتی ہے ان میں سے ایک یہ افتراء ہے کہ میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو غلط ٹھہراتا ہوں دوسرے یہ کہ میں کہتا ہوں لوگ چھ سو سال سے راہِ مستقیم چھوڑے ہوئے ہیں (تقلید پر قانع ہو گئے ہیں) اور یہ کہ میں مجتہد ہونے کا مدعی ہوں (خود اجتہاد کرتا ہوں) اور یہ کہ میں تقلید

---

[1] مؤلفات الشیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب جلد ۱۱ صہ۱۲، صہ۹۳ مطابع الریاض

چھوڑے ہوئے ہوں اور یہ کہ میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اختلاف موجب مصیبت ہے اور یہ کہ جو صالحین امت سے توسل کریں میں انہیں کافر سمجھتا ہوں

اس میں یہ تصریح ہے کہ فقہاء کے اختلاف کو مصیبت کہنا جیسا کہ آج کل کے غیر مقلد کہتے ہیں کہ امت کا یہ سارا انتشار مذاہب اربعہ کی وجہ سے ہے ہرگز اہل حق کا موقف نہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے اسے ایک افتراء اور بہتان سے زیادہ وقعت نہیں دی ان اختلاف العلماء نعمة کبھی اہل حق کا عقیدہ نہیں ہو سکتا۔

اسلافِ امت کیا صرف صحابہ و تابعین ہیں یا ائمہ اربعہ بھی

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے سلفِ صالحین کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی ہے ۔

نشهد ان رسول الله صلی الله علیه سلم الشافع المشفع صاحب المقام المحمود نسأل الله الكريم رب العرش العظيم ان يشفعه فينا و يحشرنا تحت لوائه هذا اعتقادنا و هذا الذي مشى عليه السلف الصالح من المهاجرين والانصار والتابعين والتابع التابعين والائمة الاربعة رضی الله عنهم اجمعين وهم احب الناس لنبيهم واعظمهم في اتباعه و شرعه[1]

ترجمہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپ صاحب مقام محمود ہیں ہم اللہ کریم وعرش عظیم کا رب ہے سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ حضورؐ کو ہمارا شافع ٹھہرائے اور ہمیں آپ کے جھنڈے تلے اُٹھائے یہی ہمارا اعتقاد ہے اور یہی وہ عقیدہ ہے جس پر سلف صالحین گزرے ہیں جو مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ

---

[1] الہدیۃ السنیۃ ص ۴۹

تابعین تبع تابعین اور ائمہ اربعہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا یہ حضرات اپنے نبی کی سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور آپ کی اتباع میں اور آپ کی لائن میں سب سے آگے چلنے والے تھے

پھر آپ نے یمن کے والی البکیلی کو خط لکھا۔ اس میں بھی آپ لکھتے ہیں ؛۔

واما ماذکرتم من حقیقة الاجتهاد فنحن مقلدون الکتاب والسنة وصالح سلف الامة وما علیه الاعتماد من اقوال الائمة الاربعة ابی حنیفة النعمان بن ثابت ومالك بن انس و محمد بن ادریس و احمد بن حنبل۔[1]

ترجمہ۔ اور آپ نے جو اجتہاد کا ذکر کیا ہے سو معلوم رہے کہ ہم مقلد ہیں کتاب و سنت کے اور سلف صالح امت کے اور ائمہ اربعہ کے اقوال کے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے ان کی بات اعتماداً مانی جاتی ہے (ان سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا) اور وہ امام ابوحنیفہ رح امام مالک رح امام شافعی رح اور امام احمد رح ہیں۔

اعتماد کی ضرورت کب ہوتی ہے ؟

جن مسائل میں قرآن و حدیث کی صریح رہنمائی موجود ہو ان میں کسی پر اعتماد کی ضرورت نہیں ہوتی قرآن و حدیث کی نصوص ہوتے ہوئے کسی کی پیروی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ جب کوئی مسئلہ واضح طور پر قرآن و سنت سے نہ ملے اس میں اجتہاد درکار ہو اور انسان اپنے میں اجتہاد کی شرطیں نہ پائے تب وہ کسی مجتہد پر اعتماد کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

سعودی عرب کی وزارت، اسلامی امور کے شعبہ مطبوعات و نشر نے امام موفق الدین ابن قدامہ الدمشقی المقدسی رح (۶۲۰ ھ) کا ایک رسالہ لمعة الاعتقاد جناب عبدالقادر ارناووط کی تحقیق و تعلیق سے ۱۴۱۱ھ میں شائع کیا ہے اس میں گمراہ فرقوں کی ایک یہ فہرست پیش کی ہے :۔

---

[1] ایضاً ص۹۶

مثلاً رافضہ جہمیہ خوارج قدریہ مرجیہ معتزلہ کرامیہ اور کلابیہ وغیرہ یہ سب کے سب گمراہ اور بدعتی فرقے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے ہم کو بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ [۱]

دیکھئے آپ نے اس میں کہیں احناف و موالک اور شوافع و حنابلہ کو ذکر نہیں کیا اور نہ کوئی نیک نصیب ان کو بدنصیب کہہ سکتا ہے۔ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں :۔

فروعی مسائل میں کسی امام کی طرف نسبت کرنا مثلاً چاروں فقہی مذاہب میں کسی کی طرف منسوب ہونا (حنفی شافعی مالکی حنبلی کہلانا) ہرگز مذموم نہیں ہے کیونکہ فروعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے اور مجتہدین اختلاف میں بھی لائق تعریف ہیں اور اجتہاد کرنے پر ثواب کے مستحق ہیں۔ [۲]

غیر مقلدین جہاں بھی ان کا بس چلے فقہی اختلافات اور فقہی مذاہب کے قائم ہو جانے کی مذمت کرتے ہیں سو وہ غلطی پر ہیں اور مذمت کے مستحق ہیں۔ جناب عبدالقادر ارناؤوط لمعۃ الاعتقاد کی مذکورہ عبارت پر لکھتے ہیں :۔

اس جگہ (فقہی) اختلاف کی مذمت کی نفی مراد ہے کیونکہ ائمہ نے اجتہاد کیا ہے۔ [۳]

اگر ہندوستان اور پاکستان کے اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) سعودی عرب کی اس پالیسی کو دل سے قبول کریں اور مذاہب اربعہ کی مذمت کرنا چھوڑ دیں اور اس اختلاف کو کبھی امت میں انتشار کا سبب نہ کہیں تو پاک و ہند میں بھی فقہی اختلافات کے باوجود اتحاد و تالیف کی وہ فضا بآسانی قائم ہو سکتی ہے جو سعودی عرب میں ہے۔

افسوس کہ اہلحدیث حضرات وہاں جا کر اپنے کو غیر مقلد ظاہر نہیں کرتے اپنے کو سلفی کہہ کر ان حضرات علماء کو مغالطہ دیتے ہیں اور خود یہ سلف کی تقلید کے قائل نہیں ہیں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اپنے فقہی مسلک میں حنبلی تھے اور مقلد تھے۔ وہ اپنے مقلد ہونے کو عیب نہ

---

[۱] رسالہ لمعۃ الاعتقاد ص۸۱ [۲] ایضاً ص۸۲، ۸۳ [۳] ایضاً ص۸۲

سمجھتے تھے۔ یہ تقلید کتاب وسنت کے مقابل کوئی چیز نہیں یہ قرآن وحدیث کے ماتحت ہے اور اس کا موضوع صرف غیر منصوص مسائل ہیں یا منصوص مسائل کے ظاہری تعارض کو اٹھانا اور ناسخ و منسوخ عام وخاص اور مجمل ومفسر کو سلجھانا اور انہیں تعامل امت کی روشنی میں ایک وسیع شاہراہ عمل سمجھنا

حدیث اور سنّت میں کیا فرق ہے؟

حدیث اور سنّت میں وہی فرق ہے جو سننے اور سمجھنے میں ہے. حدیث سُن کر بھی معلوم ہو جاتی ہے مگر سنت بلا سمجھے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی جس طرح سمجھنا سننے کے آگے کا درجہ ہے سنّت بھی حدیث کے آگے کا درجہ ہے. یہ وہ باریک فرق ہے جس کے باعث اہل حق شیعہ وخوارج اور معتزلہ وکرامیہ کے بالمقابل اہل سنّت کہلانے اور اہل حدیث ہونے کی ادا کسی نے قبول نہ کی

اب آیئے آپ کو پانچویں فقہ میں لے چلیں جو پانچویں فقہ کے نام سے موسوم ہے یہ حقیقت میں حضرت امام جعفر صادق کی ترتیب وتدوین نہیں. ان کے نام سے لوگوں نے کچھ رسالے لکھے اور ان کی طرف منسوب کر دیئے حضرت امام جعفر صادق سنی العقیدہ تھے وہ شیعہ ہرگز نہ تھے

حافظ ابن تیمیہ اس فقہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

ومن اکاذیبھم زعمھم ان ھذہ الرسائل من کلام جعفر بن محمد الصادق والعلماء یعلمون انھا انما وضعت لحوالمائۃ الثالثۃ زمان بناء القاھرۃ [1]

ترجمہ. ان کے جھوٹوں اور گمان میں سے ہے کہ یہ رسائل حضرت جعفر صادق کے لکھے ہیں اور علماء جانتے ہیں کہ یہ تیسری صدی میں جب قاہرہ بسایا گیا اس وقت کے وضع کردہ ہیں.

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ جلد ۴ ص۱۲۱

ایک پانچویں فقہ کا تعارف (فقہ جعفری)

یہ فقہ اس نام فقہ جعفری) سے سامنے آرہی ہے قبل اس کے کہ فقہ جعفری کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے آئیں پہلے یہ معلوم کرلینا چاہیئے کہ :۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق رح کون تھے ان کا تعارف کیا ہے ؟

(۲) ان کے نام پر جو فقہ بنائی گئی ہے کیا دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اس کا کہیں نام بھی سنا گیا ؟

(۳) اثنا عشری شیعوں نے اس نام سے جو فقہ بنائی ہے اس کی اہم کتابوں کے نام کیا ہیں ؟

اس کے بعد آپ کو فقہ جعفری کے چند مسائل یہاں بطور نمونہ بتائے جاسکیں گے۔ان سے اس تحریک کی غرض و غایت بھی واضح ہو جائے گی

حضرت امام جعفر صادق رح (۱۴۸ھ) ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہیں آپ امام محمد باقر رح (۱۱۴ھ) کے بیٹے اور امام زین العابدین رح (۹۴ھ) کے پوتے ہیں اہل السنۃ والجماعۃ جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رض کو اپنا خلیفہ چہارم سمجھتے ہیں اسی طرح حضرت حسن رض اور حضرت حسین رض کو بھی وہ اپنے بزرگوں میں سے سمجھتے ہیں اور انہیں سُنی العقیدہ جانتے ہیں۔

اب ہم حضرت حسین رض کے بیٹے امام زین العابدین رح کا تعارف اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب رجال سے پیش کرتے ہیں اس وقت تک اثنا عشری عقیدہ قائم نہ ہوا تھا

امام زین العابدین رح (۹۴ھ)

آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور لقب زین العابدین رح ہے۔ آپ نے اپنے والد حضرت حضرت حسین رض اور تایا حضرت حسن رض ام المومنین حضرت عائشہ رض ام المومنین حضرت ام سلمہ رض حضرت صفیہ رض حضرت ابن عباس رض حضرت ابو ہریرہ رض حضرت عبداللہ بن عمر رض حضرت مسور بن مخرمہ رض اور

دیگر بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا[1]

آپ علم حدیث میں امتیازی شان رکھتے تھے علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے :-

کان ثقة ماموناً کثیرا الحدیث عالیة رفیعا[2]

ترجمہ۔ آپ روایت میں ثقہ ہیں، آپ پر کسی نے جرح نہیں کی بڑے محدث ہیں اور اونچے مرتبہ کے ہیں۔

آپ سے آپ کے بیٹوںؒ زید بن اسلمؒ، عاصم بن عمرؒ، عاصم بن عبید اللہؒ، طاؤس بن کیسانؒ امام زہریؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ، ہشام بن عروہؒ، ابو الزنادؒ اور دوسرے کئی لوگوں نے روایت لی ہے۔[3]

فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حسینؒ سے زیادہ کسی کو فقہ جاننے والا نہیں پایا[4]

آپ کے فقہی کمال کی بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور سات فقہاء کے بعد آپ ہی کا نمبر آتا ہے[5]

آپ کی صحابہ کرامؓ کی شاگردی بتلاتی ہے کہ آپ سراپا سُنی العقیدہ تھے ورنہ آپ حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد نہ بنتے نہ ان سے روایت لیتے صحاح ستہ کی کتاب سنن نسائی کی ایک سند ملاحظہ فرمائیے۔ آپ حضرت زینبؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ام المومنین حضرت سلمہؓ سے آنحضرتؐ کی حدیث روایت کرتی ہیں،

اخبرنا محمد بن المثنیٰ قال حدثنا یحییٰ عن جعفر بن محمد عن ابیه عن علی بن الحسین عن زینب بنت ام سلمه عن ام سلمه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل کتفا ۔ الحدیث[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ [2] تہذیب التہذیب جلد ۷ صـ ۳۰۴ [3] طبقات ابن سعد جلد ۵ صـ ۱۶۳ [4] تذکرہ جلد ۱ [5] تہذیب التہذیب جلد ۷ صـ ۳۰۵ [6] دیکھئے اعلام الموقعین جلد ۱ صـ ۲۶ [6] سنن نسائی جلد ۱ صـ ۱۲

جامع ترمذی کی ایک سند ملاحظہ ہو اس میں آپ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں،

حدثنا علی بن حجر قال حدثنا اسمٰعیل بن جعفر قال حدثنا جعفر بن محمد

عن ابیہ عن جابر[1]

وھکذا روی سفیان الثوری عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن

النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

اس تفصیل سے یہ بات اور کھل جاتی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب حدیث میں ائمہ اہلبیت کی روایات اسی طرح ملتی ہیں جس طرح ان کے اپنے دوسرے محدثین کی اور ان کے دلوں میں ان حضرات کی طرف سے کسی قسم کا کوئی بوجھ نہ تھا

حضرت امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ)

آپ کا نام محمد، کنیت ابوجعفر اور لقب باقر ہے، علم حدیث میں آپ کا مقام کیا تھا؛ اسے علامہ ابن سعدؒ سے سنیے:۔

کان ثقۃ کثیر الحدیث والعلم.[2]

عربی میں باقر بہت وسیع علم والے کو کہتے ہیں.

آپ مدینہ منورہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے آپ نے اپنے والد علی بن حسینؓ کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت ابوسعید الخدریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انس بن مالکؓ اور کئی دوسرے حضرات سے اکتساب علم کیا. آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو نہیں دیکھا لیکن ان سے ارسالاً روایت کرتے ہیں. ام المومنین حضرت عائشہؓ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے بھی مرسلاً روایت کرتے تھے.[3]

امام ترمذیؒ نے آپ کا حضرت جابرؓ سے روایت کرنا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۱۶۱ [2] طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۳۸ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ... طبقات ابن سعد صفحہ ۲۳۵

عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جابر کی سند آپ ابھی دیکھ آئے ہیں

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ سنی العقیدہ تھے ورنہ آپ اصحاب رسول کی شاگردی

اختیار نہ کرتے۔

آپ سے آپ کے بیٹے امام جعفرؒ امام زہریؒ امام ابوحنیفہؒ امام اوزاعیؒ امام اعمشؒ

ابن جریجؒ عمرو بن دینارؒ اور قرہ بن خالدؒ نے علم حاصل کیا اکابر تابعین میں سے بھی کئی آپ کے

تلامذہ میں سے تھے [۱]

آپ کو فقہ میں خاص دستگاہ حاصل تھی امام نوویؒ لکھتے ہیں آپ کا شمار مدینہ کے فقہاء

و ائمہ میں ہوتا تھا [۲]

امام نسائی بھی آپ کو فقہاء میں شمار کرتے ہیں [۳]

اب ظاہر ہے کہ امام نسائی کی مراد اس سے آپ کا سنی فقیہ ہونا ہے نہ کہ امام مامور من اللہ

سنن نسائی میں آپ کی اپنے نانا سے بھی روایت موجود ہے اس میں آپ کی روایت حضرت

عائشہ صدیقہؓ سے بھی مرسلاً مروی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ)

مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں حضرت قاسم بن محمدؒ کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف

نہیں آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور امام جعفر صادقؒ کے نانا تھے حضرت امام جعفر صادقؒ

کی جلالتِ علم مسلم ہے۔ حدیث میں آپ کا مقام کیا تھا اسے حضرت علامہ ابن سعدؒ سے سنیے:

کان کثیر الحدیث [۴]

آپ نے اپنے والد امام باقرؒ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ حضرت عروہ بن الزبیرؓ حضرت محمد بن

منکدرؒ حضرت نافعؒ امام زہریؒ اور کئی دوسرے حضرات اکابر سے علم حاصل کیا امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ

---

[۱] تذکرہ جلد ا ص ۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۵۱ [۲] تہذیب الاسماء جلد ا ص ۸۱ [۳] تہذیب جلد ۹ ص ۳۵۱ [۴] ایضاً جلد ۲ ص ۱۰۳

سفیان الثوریؒ سفیان بن عیینہؒ، حاتم بن اسماعیلؒ یحییٰ بن سعید القطانؒ اور ابو عاصم نبیلؒ آپ کے تلامذہ میں سے تھے امام شافعیؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمدؒ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

امام ترمذیؒ نے سفیان الثوریؒ کے واسطے سے آپ کی روایت لی ہے :-

روی سفیان الثوری عن جعفر بن محمد عن ابیہ [2]

امام ابوحنیفہؒ اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے اپنے ماسوا کے بارے میں کہہ رہے ہیں

حضرت امام زین العابدینؒ امام جعفر صادقؒ کا اکابر صحابہؓ سے کسب فیض کرنا صاف بتلاتا ہے کہ یہ حضرات سنی العقیدہ تھے اگر حقیقت حال اس کے برعکس ہوتی تو یہ حضرات کبھی بھی ان اکابر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کرتے۔

سو حضرت امام جعفر صادقؒ کا علم آپ کے شاگردوں کے ذریعہ اہل سنت کے ذخائر حدیث و فقہ میں جذب ہو چکا ہے آپ نے کوئی علیحدہ فقہ تدوین نہیں کی۔ اس وقت تک شیعہ مذہب وجود میں نہ آیا تھا۔ اثنا عشری مذہب بارہویں امام کی پیدائش کے بعد بنا ہے۔ بارہویں امام کی پیدائش شیعہ عقیدے میں ۲۵۴ھ بتائی جاتی ہے اس سے پہلے شیعہ کا لفظ صرف ایک سیاسی پارٹی کے طور پر معروف تھا عقیدہ شیعہ مذہب ابھی قائم نہ ہوا تھا۔

جس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کی شخصیت ایک عکس مثنیٰ ہے (ایسی تصویر جس کے دو رُخ ہوں) اہل سنت کے ہاں ان کا تعارف اور ہے ــــ اور اثنا عشری شیعوں کے ہاں اور ــــ اسی طرح حضرت امام جعفر صادقؒ کا تعارف بھی دو مختلف انداز کا ہے آپ کی وفات کے تقریباً ایک صدی بعد آپ کے نام سے ایک فقہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اسے شیعہ حلقوں میں فقہ جعفری کا نام دیا جاتا ہے۔

---

[1] دیکھئے جلد ۱ ص ۳۶ا تہذیب جلد ۲ ص ۱۰۳ [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۶ا

ائمہ اربعہ کی فقہ اور جعفری فقہ میں ایک جوہری فرق

فقہ کے سابق مباحث میں یہ بات بقدر مشترک ذہن میں ہوگی کہ فقہ مجتہدین کا موضوع ہے وہ ان مسائل میں جن میں نص موجود نہیں اجتہاد کرتے ہیں اور پیش آمدہ حوادث میں یہ پچھلے مسائل کی روشنی میں قیاس اور ردالنظر الی النظیر سے کام لیتے ہیں ائمہ اربعہ چاروں مجتہدین تھے۔ ان پر کسی آسمانی علم کا دروازہ نہ کھلا تھا۔ ان کے مجتہد فیہ مسائل میں صواب وخطاء دو احتمال پائے جاتے ہیں۔ گو یہاں باب خطاء میں کوئی مؤاخذہ نہیں اہل السنۃ کے ہاں امام جعفر صادقؒ بھی اسی درجہ کے فقیہ تھے اور ان کے اجتہاد میں بھی صواب وخطاء کا احتمال کارفرما رہتا تھا۔

لیکن شیعوں کے ہاں امام مامور من اللہ اور معصوم ہوتا ہے اسے غلطی نہیں لگتی۔ وہ امام پر وحی باطنی آنے کے بھی قائل ہیں اس صورت میں ان کے پاس امام جعفرؒ کی جو باتیں پہنچیں گی وہ ان کے عقیدہ میں نصوص ہوں گی نہ کہ اجتہادات احادیث ہوں گی نہ کہ فقہ۔

اس صورت حال میں فقہ جعفری کی اصطلاح پڑھے لکھے طبقے میں کافی حد تک ناقابل فہم سمجھی جاتی ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ یہ وہ مسائل ہیں جو حضرت امام جعفرؒ کے نام شیعہ مجتہدین نے خود وضع کئے اور ترتیب دیئے ہیں تو بات کافی حد تک آسان ہو جاتی ہے۔

اسلام کی دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی تک فقہ جعفری کے عنوان سے اس فقہ کا تعارف نہ کبھی سنا گیا نہ کہیں دیکھا گیا۔

ہم اس وقت یہ بحث نہیں کرنا چاہتے کہ اس فقہ کی نسبت امام جعفرؒ کی طرف درست ہے یا نادرست نہ یہ اس وقت ہمارا موضوع ہے۔ یہاں اتنی بات جان لینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جس طرح ائمہ اربعہ کی فقہ میں تو صواب وخطا کے دو احتمال موجود ہوتے ہیں۔ شیعہ فقہ میں تقیہ اور عدم تقیہ کے احتمالات ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ان دو کا فاصلہ صواب وخطا کے فاصلے سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔

جعفری فقہ کی شیعی اعتماد کی کتابیں

(۱) فروع کافی علامہ محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ)
(۲) من لایحضرہ الفقیہ لابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ)
(۳) تہذیب الاحکام لمحمد بن حسن الطوسی (۴۶۰ھ)
(۴) الاستبصار فیما اختلف من الاخبار (ھ)
(۵) جامع عباسی لبست بابی بھی اسی فقہ کی کتاب ہے۔
(۶) متاخرین میں فقہ جعفر الصادق چھ ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر ذخیرہ ہے۔

فقہ جعفری امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب ہے۔ تاہم اسے فقہ جعفری کہتے ہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں چونکہ ہر مکتبِ فکر کے طالب علم موجود ہوتے ہیں اس لیے درسی کتابوں میں اور امتحانی مطالعات میں اس فقہ کا کچھ مختصر مطالعہ ضروری ہے۔ ہم اس کے چند مسائل یہاں درج کرتے ہیں۔

وضو اور غسل کے مسائل

(۱) فقہ جعفریہ میں وضو میں پاؤں نہ دھوئے جائیں ان پر مسح کیا جائے۔
(۲) مذی اور ودی نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔
(۳) مادہ بہہ کر ایڑیوں تک آ جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا
(۴) ریح نکلنے میں آواز نہ دے نہ بو تو اس سے وضو نہ ٹوٹے گا
(۵) جانور سے صحبت کرنے سے غسل فرض نہیں ہوتا
( ) ان سال من ذکرلہ شیءٌ من مذی او ودی و انت فی الصلوٰۃ فلا تغسلہ ولا تقطع تقطع الصلوٰۃ ولا تنقض الوضوء وان بلغ عقبیك۔[1]

---

[1] من لایحضرہ الفقیہ جلد صــ

- قال الامامیۃ لا ینقض الوضوء الا اذا خرجت متلطخۃ بالعذرۃ۔[1]
- فلا ینقض الوضوء الا ریح تسمعها او تجد ریحها۔[2]
- فاما اذا ادخل ذکرہ فی فرج بہیمۃ او حیوان آخر فلا نص علیہ فینبغی ان یکون المذاھب الا یتعلق بہ غسل لعدم الدلیل الشرعی علیہ والاصل براءۃ الذمۃ۔[3]

پاک اور ناپاک کی امتیازی حدود

1. پانی بڑے مٹکے کے برابر ہو تو چوپایوں کے پیشاب اور کتوں کے اس میں منہ مارنے اور جنابت سے اس میں غسل کرلے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا
2. گدھے کے گوشت اور گوبر سے بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

- عن محمد بن مسلم قال سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الماء الذی فیہ بول الدواب وتلغ فیہ الکلاب ویغتسل فیہ الجنب قال اذا کان الماء قدر کر لم ینجس شیء۔[4]
- ما یکرہ لحمہ فلا بأس ببولہ وروثہ مثل البغال والحمیر۔[5]

نماز اور زکوٰۃ کے مسائل

1. نماز میں ہاتھ نہ باندھیں چھوڑے رکھیں
2. سجدہ دری اور کارپٹ وغیرہ پر نہ ہو مٹی یا مٹی سے نکلی چیز پر ہو
3. نماز میں عورت بچے کو دودھ پلا سکتی ہے
4. خاوند نماز میں بیوی کو گلے لگا سکتا ہے۔

---

[1] الفقہ علی مذاہب الخمسہ ص۲۳ [2] وسائل الشیعہ جلد ص [3] المبسوط جلد اص۲۸ [4] من لا یحضرہ الفقیہ ص۹ [5] المبسوط ص۳۶

(۵) نمازِ جنازہ کے لیے طہارت اور ستر عورت شرط نہیں۔

(۶) جنبی (جس پر غسل فرض ہو) اذان دے سکتا ہے۔

(۷) میت کی دبر اور قبل کو روئی سے بند کر دو۔

(۸) شیعہ میت اکیلی ہو تو شیطان اسے نہیں چھوڑتا۔

(۹) زکوٰۃ حکومت کو نہیں دی جا سکتی۔

(۱۰) سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

○ عبداللہ بن جعفر نے موسیٰ بن جعفر سے پوچھا تو انہوں نے کہا لا بأس (کوئی حرج نہیں) [1]

○ حضرت علی المرتضیٰؓ سے بیوی یا لونڈی کو نماز کے دوران گلے لگانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ لا بأس (کوئی حرج نہیں) [2]

○ لیست الطهارة ولا ستر العورة بشرط الصحة [3]

○ وضعه على فرجه قبل ودبر واحش القطن في دبره لئلا يخرج منه شيئ [4]

○ لا تدعن ميتك وحده فان الشيطان يعبث به في جوفه [5]

○ ولا بأس ان يؤذن المؤذن وهو جنب [6]

○ عن الرفاع قال سمعت اباعبد الله عليه السلام وسأله بعضهم عن الحلي فيه زكوٰة؟ فقال لا ولو بلغ مائة الف [7]

روزہ اور حج کے مسائل

(۱) عورت سے خلافِ وضعِ فطرت کرنے سے روزہ نہیں جاتا۔

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۷۳ [3] ایضاً صفحہ ۸۰ [4] من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۹۲ [5] ایضاً صفحہ ۸۶
[6] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ [7] وسائل الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۵

(۲) حج میں عورت کے ساتھ محرم ہونا ضروری نہیں وہ اکیلی سفر حج کرسکتی ہے۔

○ فی الرجل یاتی المرأة فی دبرها وهی صائمة قال لا ینقض صومها ولیس علیها غسل [۱]

○ الجماع قبلاً و دبراً فاعلاً والمفعول به حیاً ومیتاً ولا یبطل الصوم اذا قصد التفخیذ مثلاً - فدخل فی احد الفرجاین من غیر قصد [۲]

ترجمہ: جماع دونوں طرف کا - کرتے یا کراتے زندوں کا ہو یا مُردہ سے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اگر نیتِ جماع نہ ہو تفخیذ ہو لیکن جماع ہو جائے تو روزہ نہیں جاتا قائم رہے گا۔

○ لقد سئل الامام عن امرأة وهی حرورة اعــــلم تحج بعد ولا یاذن لها زوجها بالحج قال تحج وان لم یاذن لها وقال الامام . . . لا طاعة له علیها فی حجة الاسلام۔ [۳]

○ ولیس من شرط الوجوب ولا من شرط صحة الاداء وجود محرم لها ولا زوج۔ [۴]

نکاح کے مسائل

(۱) نکاح کے لیے دیانتہً گواہوں کی ضرورت نہیں۔

(۲) بیوی سے غیر فطری فعل جائز ہے۔

(۳) بیوی کے اندامِ نہانی کا بوسہ لینا جائز ہے۔

(۴) محرم عورتوں سے بدوں کپڑے کے حائل ہونے کے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] تہذیب الاحکام جلد ۴ ص ۳۱۹ [۲] منہاج الصالحین جلد ۱ ص ۲۵۴ لابی القاسم الموسوی الخوئی طبع بیروت
[۳] فقہ الامام جعفر الصادق جلد ۲ ص ۱۴۴ [۴] المبسوط جلد ۱ ص ۳۰۳

⑤ متعہ کے لیے ضروری نہیں کہ نیچی ذات کی ہو ہاشمیہ ملے تو اس سے بھی کرلو
امام جعفر صادق سے کسی نے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا :

- امافیما بینه وبین الله عزوجل فلیس علیه شیء .[1]
- الرجل یأتی امرأة فی دبرها قال نعم ذلك له .[2]
- الرجل یقبل قبل امرأته قال لا بأس .[3]
- جماع در فرج محارم بلف حریر جائز ست .[4]
- ولا بأس بالتمتع بالهاشمیه .[5]

ایک چھوٹی فقہ کا تعارف (فقہ غیر مقلدین)

یہ بات پچھلے مباحث میں بیان ہو چکی ہے کہ پچھلے مباحث کے ہوتے ہوئے مسائل غیر منصوصہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اجتہاد و فقہ کی ضرورت ہے۔ غیر مقلدین نے جوش مخالفت میں پہلے ائمہ کی تقلید کا تو انکار کیا لیکن بوقتِ ضرورت مسائل غیر منصوصہ میں پھر اپنے کو کسی نہ کسی فقہ کا محتاج ہی پایا۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اہل حدیث کہلانے والے علماء نے جو فقہ ترتیب دی اور فتاوے لکھ جو کتابیں شائع کیں انہیں ہم چھوٹی فقہ کے نام سے یاد کرتے ہیں
مولانا نذیر حسین دہلوی. نواب صدیق حسن خاں بھوپالی. نواب نور الحسن خاں دہلوی.
مولانا وحید الزمان حیدرآبادی. مولانا محمد حسین بٹالوی. مولانا عبد الجبار غزنوی. مولانا ثناء اللہ امرتسری. مولانا عبد اللہ روپڑی اور ان کے دوسرے علماء نے اپنے اپنے وقت میں مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کیا اور اسے کتابوں اور رسالوں میں باقاعدہ جگہ دی.

پھر ان کے بعد دوسرے اہلحدیث علماء نے سوالات کے جوابات دیئے (آج بھی غیر

---

[1] من لا یحضره الفقیه جلد ۳ صفحہ ۳۰۱ [2] تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ [4] ذخیرۃ المعاد صفحہ ۱۵ [5] تہذیب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۲۷۱

مقلدین کے ماہانہ اور ہفتہ وار رسائل میں یہ باب نظر آتا ہے تاآنکہ بعض متقدمین نے اپنے مسلک کی اس فقہ کو کتابی شکل دی ہے۔ اب اس وقت اہل حدیث عوام مسائل و احکام میں انہی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں وہاں سے اپنی فقہ اور اپنے فتاوے مل جاتے ہیں۔

اس وقت پاک و ہند میں غیر مقلد علماء کے مندرجہ ذیل فتاوے ملتے ہیں:۔

(۱) فتاویٰ نذیریہ

یہ بانی فرقہ مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ) کے اردو فتاویٰ ہیں۔

(۲) نزل الابرار من فقہ النبی المختار

مولانا وحید الزمان حیدرآبادی (۱۳۳۸ھ) (عربی)

(۳) ہدیۃ السائل الیٰ ادلۃ المسائل

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (۱۳۰۷ھ) (فارسی)

(۴) فقہ محمدیہ

(۱) فتاوے اہل حدیث (دو جلد)

یہ حافظ عبداللہ روپڑی (۱۳۸۴ھ) کے فتاویٰ و مضامین ہیں۔ اسے مولانا محمد صدیق صاحب فیصل آبادی نے مرتب کیا ہے اور سٹیلائٹ ٹاؤن سرگودھا سے شائع کیا ہے۔

(۲) فتاوے ثنائیہ (دو جلد)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتاوے کا مجموعہ ہے جو مولانا محمد داؤد راز نے مرتب کیا ہے اسے شیش محل روڈ لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔

(۳) فتاوے ستاریہ

مولانا عبدالستار دہلوی غیر مقلدوں کے فرقہ امامیہ کے بانی ہوئے ہیں۔ یہ انہی کا مرتب کردہ ہے۔

④ فتاوے علماء حدیث

یہ چھوٹی چھوٹی چودہ جلدوں میں ہے اس میں ان حضرات کے تفصیل فتاوے موجود ہیں مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی نے اسے مرتب کیا اور خانیوال سے شائع کیا ہے۔

ان حضرات نے اپنے عوام میں تو فقہ سے نفرت پیدا کی۔ انہیں اس بات پر اٹھایا کہ ہم قرآن و حدیث کے بعد کسی چیز کو نہیں مانتے اور خود اپنی ضرورات پوری کرنے کے لیے ایک فقہ مرتب کر ڈالی۔ ؎

اے دوست ہم نے ترک محبت کے باوجود محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

اہلحدیث کے چند مسائل فقہ

اس وقت ہمارا موضوع ان مسائل کی تحقیق یا تسدید نہیں ہے۔ ہم یہاں صرف اس چھوٹی فقہ کا تعارف کرا رہے ہیں جو غیر مقلدین کی فقہ کے نام سے معروف ہے۔ طلبہ میں چونکہ ہر مکتب فکر کے طالب علم ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم نے مناسب جانا کہ اہل حدیث طلبہ کو اپنے مذہب کی سہولتوں کا کچھ پتہ دیں۔ تاکہ وہ ان سے بوقت ضرورت فائدہ اٹھا سکیں اور انہیں عمل میں لا سکیں۔

طہارت کے مسائل

مسائل طہارت میں اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ:۔

① انسان کی منی پاک ہے۔
② گائے کا پیشاب پاک ہے۔
③ کتے کا پیشاب بھی نجس نہیں
④ شراب پاک ہے۔
⑤ حیض اور نفاس کے سوا سب خون پاک ہیں۔

⑥ خنزیر کے ناپاک ہونے پر قرآن سے استدلال کرنا درست نہیں. اس کا پیشاب پاک ہے

⑦ کتے اور خنزیر کا جوٹھا بھی پاک ہے.

⑧ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بلا کراہت جائز ہے.

⑨ حالتِ حیض میں قرآن کی تلاوت جائز ہے.

چند حوالجات

① در نجاست منی آدمی د لیلے نیامدہ [۱]

② منی ہر چند پاک است [۲]

③ (مرد و عورت) دونوں کی منی پاک ہے [۳]

④ کتوں کا پیشاب نجس نہیں ہے. [۴]

⑤ کتے کا پیشاب اور پاخانہ بھی پاک ہے. [۵]

⑥ ہر حلال اور حرام جانور کا پیشاب پاک ہے. [۶]

⑦ خنزیر کے ناپاک ہونے پر آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ اس کے پاک ہونے پر دال ہے. [۷]

⑧ منی شراب مُردار کتا خنزیر کا پیشاب سوائے حیض و نفاس کے خون کے اور تمام جانوروں اور انسانوں کا خون پاک ہے. [۸]

⑨ (کتے اور خنزیر کا جھوٹا پاک ہے) والحق عدم النجاسة. [۹]

⑩ حرام جانوروں کو اگر اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو سوائے خنزیر کے باقی سب کا گوشت پاک ہو جاتا ہے. [۱۰]

---

[۱] بدور الاہلہ ص۱۵ [۲] عرف الجادی ص۱۰ [۳] فقہ محمدیہ جلد ۱ ص۴۱ [۴] ہدیۃ المہدی جلد ۳ ص۶۴ [۵] نزل الابرار ص۵۰ جلد ۱
[۶] ایضاً جلد ۱ ص۴۹ [۷] بدور الاہلہ ص۱۶ [۸] ایضاً ص۱۵ ص۱۶ ص۱۸ [۹] ہدیۃ المہدی جلد ۳ ص۲۷ [۱۰] نزل الابرار ص۳۰ جلد ۱

(۱۱) کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے۔[1]

(۱۲) اگر کوئی کھڑے ہو کر پیشاب کرے تو بلا کراہت جائز ہے۔[2]

(۱۳) کتے کی کھال کا ڈول بنانا جائز ہے۔[3]

(۱۴) حائضہ یا جنبی قرآن پڑھے یا نہیں؟ اس بارے میں لکھتے ہیں حدیث اور اثر سے صاف طور سے جواز قرأۃ القرآن للجنب ثابت ہوا۔[4]

(۱۵) ہمارے اصحاب کے نزدیک حائضہ اور جنبی عورت بہ نیت تلاوت قرآن پڑھ سکتی ہے۔[5]

(۱۶) کتے کو اٹھا کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔[6]

(۱۷) کتا اور اس کا لعاب محققین اہلحدیث کے نزدیک پاک ہے۔[7]

وضو اور غسل کے مسائل

وضو اور غسل کے مسائل میں علماء اہلحدیث کا مذہب یہ ہے:۔

(۱) ٹخنوں سے پاجامہ نیچا ہوا تو وضو جاتا رہا۔

(۲) نیل پالش کے اوپر وضو جائز ہے۔

(۳) بدن سے خون نکلے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۴) صحبت میں انزال نہ ہو تو غسل فرض نہیں ہوتا۔

(۵) جانور سے وطی پر غسل فرض نہیں ہوتا۔

چند حوالجات

(۱) ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والوں کو از سر نو وضو کرنا چاہیئے۔[8]

---

[1] تیسیر الباری جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ [2] فیض الباری جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ از مولوی ابوالحسن [3] نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۳۰ [4] فتاوے ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۱۹ [5] نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۲۵ [6] ایضاً ۳۰ [7] ایضاً [8] صلوٰۃ النبی صفحہ ۷۲

(۲) ناخن پالش مہندی کی قسم سے ہے مہندی کا رنگ بھی دو تین دفعہ لگانے سے گاڑھا ہو جاتا ہے جو بالاتفاق ہے ایسا ہی ناخن پالش کو سمجھ لینا چاہیئے[۱]

(۳) بدن سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا[۲]

(۴) بغیر انزال کے غسل واجب نہیں[۳]

(۵) جانور چوپائے کی پیشاب گاہ میں کوئی شخص اپنا ذکر داخل کرے تو ہمارے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اس شخص پر غسل نہیں ہے[۴]

(۶) کسی لڑکے سے جماع کیا تو غسل واجب نہیں ہوتا[۵]

(۷) مُردہ عورت سے جماع کر بیٹھا تو غسل فرض نہ ہوا[۶]

(۸) غسل فرض ہوا اور پردے کی جگہ نہ ہو تو دوسرے مردوں کے سامنے ننگے ہو کر غسل کر سکتا ہے کیونکہ یہ فرض ٹھہرا[۷]

(۹) کپڑا ہوتے ہوئے ننگے نماز پڑھی تو نماز ہوگئی[۸] (بحوالہ نواب صدیق حسن صاحب)

مسائل اذان

اذان کے بارے میں اہلحدیث کا مذہب یہ ہے:۔

(۱) اذان ہوتے ہوئے سلام کہنا جائز ہے۔

(۲) عورت اذان دے سکتی ہے۔

حوالجات

(۱) اذان ہوتے ہوئے سلام کہنا کسی حدیث میں منع نہیں ہے[۹]

---

[۱] فتاوے اہل حدیث جلد ۱ ص۳۵۱ [۲] صلوٰۃ النبی ص۳۷ [۳] اخبار اہلحدیث ص۱۲، ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء [۴] ہدیۃ المہدی ص۱۲۴ [۵] نزل الابرار حصہ اول ص۲۳ [۶] ایضاً [۷] ایضاً ص۲۲ [۸] ایضاً ص۶۵ [۹] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص۵۱۸

(۲) اذان کے وقت السلام علیکم کہا تو اس کے جواب میں بھی کوئی شبہ نہیں کیونکہ اذان کے جواب کا ذکر آیا ہے۔ اذان کے سماع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ موذن کھینچ کر الفاظ کہتا ہے [۱]

(۳) عورت اذان دے سکتی ہے [۲]

یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ تکبیر کہاں کہے؟ پہلی صف میں یا کہیں اور؟

مسائل نماز

نماز کے بارے میں اہلحدیث کا مذہب ملاحظہ ہو:

(۱) بدن ناپاک ہو (غسل فرض ہو) تو بھی نماز ہو جائے گی
(۲) نماز میں قرآن دیکھ کر تلاوت کی جا سکتی ہے
(۳) جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔
(۴) نماز میں کپڑا سنوارا جا سکتا ہے
(۵) بے نمازی کافر ہے۔
(۶) بے نمازی کا ذبیحہ مثل اہل کتاب کے ہے۔
(۷) بے نمازی کے گھر سے کھانا جائز نہیں۔
(۸) بے نمازی کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں طلاق خود بخود ہو جاتی ہے۔
(۹) بے نمازی کا جنازہ پڑھنا بھی جائز نہیں
(۱۰) عورت مردوں کی جماعت کرا سکتی ہے۔
(۱۱) عورت بغیر پورے ستر کے مردوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتی ہم اسے نہیں مانتے۔
(۱۲) نمازی سلام کا جواب اشارے سے دے سکتا ہے۔

---

[۱] فتاویٰ اہلحدیث جلد ۱ ص۵۳۳ [۲] بدور الاہلہ ص۴۲

(۱۴) نابالغ بچہ امامت کرا سکتا ہے۔

(۱۵) عورت جمعہ اور عید کی نماز بھی پڑھا سکتی ہے

(۱۶) عورت خطبہ بھی دے سکتی ہے۔

(۱۷) نماز سر ڈھانک کر پڑھنی چاہیئے۔

(۱۸) فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا مانگنا جائز ہے

(۱۹) نماز تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں تین وتر پڑھتے درمیانی قعدہ کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق نہیں

بعض حوالجات

(۱) پس مصلی با نجاست بدن آثم است و نمازش باطل نیست [۱]

(۲) دیکھ کر پڑھنا ثابت شدہ فعل کے قریب ہے ترجیح اس کو ہے کہ دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں [۲]

(۳) نماز میں کپڑا وغیرہ سنوارنا ضرورت کے لیے جائز ہے [۳]

(۴) بے نماز بے شک کافر ہے خواہ ایک نماز کا تارک ہو یا سب نمازوں کا ... رہا بے نماز کے ذبیحہ کا حکم سو وہ اہل کتاب کے حکم میں ہونے کی وجہ سے درست ہو سکتا ہے ... بے نماز جب کافر ہوا تو اس کا کھانا مثل عیسائی کے کھانے کے سمجھ لینا چاہیئے [۴]

(۵) بے نماز کی بابت صحیح یہی ہے کہ بالکل کافر ہے اس کے ساتھ کافروں کا سا سلوک چاہیئے اور کفار کے متعلق ایک یہ بھی آیا ہے کہ ان کے برتن بھی دھو کر برتنے [۵]

(۶) تارک الصلوٰۃ بہت علماء کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص کافر ہو جائے اس کا

---

[۱] بدور الاہلہ ص ۳۸ [۲] فتاوے اہلحدیث جلد ۱ ص ۴۹۱ [۳] ایضاً جلد ۱ ص ۵۲۹ [۴] ایضاً جلد ۱ ص ۳۷۷

[۵] ایضاً جلد ۲ ص ۲۸۱

(۷) نکاح فسخ ہو جاتا ہے تو اس بنا پر طلاق کی ضرورت نہیں [1]

(۸) بے نمازی کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے [2]

(۹) بے نماز کافر ہے اور کافر کی نماز جنازہ نہیں ہوتی [3]

(۱۰) بے نماز کے جنازہ میں شامل ہونے کی ممانعت ہے [4]

(۱۱) دلیلے صریح صحیح کہ مانع از امامت زن برائے مرد باشد نیامدہ [5]

ترجمہ: ایسی صحیح اور صریح دلیل جو عورت کو مردوں کی امامت سے مانع ہو کہیں نہیں ملی۔

(۱۲) بوڑھا مرد اور غلام اگر عورت کے پیچھے نماز پڑھے تو جائز ہے۔ [6]

(۱۳) نمازِ زن اگرچہ تنہا باشد ہر یا دیگر محارم باشد بے ستر تمام عورت صحیح نیست پس علیہ مسلم است [7]

(۱۴) حالتِ نماز میں سلام کرنا جائز ہے [8]

(۱۵) کسی نے نمازی سے پوچھا کتنی رکعتیں ہوئیں؟ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتا دیا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ [9]

(۱۶) امام نے نماز کے بعد کہا میں کافر ہوں مقتدیوں کی نماز صحیح ہے دہرانے کی ضرورت نہیں [10]

(۱۷) صحیح است امامت طفل نابالغ [11]

(۱۸) نابالغ لڑکا جس کو قرآن زیادہ یاد ہو اور نماز پڑھنے پڑھانے کا طریقہ جانتا ہو اس کی امامت صحیح اور جائز ہے۔ [12]

(۱۹) مولانا نذیر حسین دہلوی سے پوچھا گیا کہ ایک امام دو جماعتوں کی علیحدہ علیحدہ امامت کرا سکتا ہے؟ آپ نے کہا روا و صحیح ہے [13]

(۲۰) امام نے نماز پڑھانے کے بعد کہا میں بے وضو تھا تو مقتدی نماز نہ دہرائیں ان کی نماز ہو گئی [14]

---

[1] فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ ص۲۹۷ [2] ایضاً جلد ۱ ص۲۸۵ [3] ایضاً ص۲۸۶ [4] ایضاً ص۲۹۶ [5] عرف الجادی ص۲۷
[6] فقہ محمدیہ جلد ۱ ص۷۶ [7] بدور الاہلہ ص۲۹ [8] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص۵۱۸ [9] نزل الابرار جلد ۱ ص۱۱۵ [10] ایضاً ص۱۰۱
[11] عرف الجادی ص۲۷ [12] فتاویٰ اہلحدیث جلد ۱ ص۵۱ [13] فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص۲۲۱ [14] نزل الابرار جلد ۱ ص۱۰۱

(۲۱) (عورت کی جمعہ میں امامت کے لیے) پانچ وقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ جب ایک نماز میں ایک چیز ثابت ہو جائے تو سب نمازیں اس میں یکساں ہوتی ہیں جب تک کوئی مانع نہ ہو۔ جمعہ تو پانچ وقتی نمازیں شامل ہے کیونکہ ظہر کے قائم مقام ہے تو اس میں عورت کی امامت بدعت نہیں ہو سکتی۔[1]

(۲۲) (عیدین میں عورتوں کی علیحدہ امامت) کے متعلق خاص واقعہ ملنا تو بہت مشکل ہے ہاں پانچ وقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے اس لیے اس کے متعلق کوئی واقعہ نہ ملے تو اس سے اس کا عدم جواز یا بدعت ہونا لازم نہیں آتا۔[2]

(۲۳) نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے تراویح خاص رمضان میں ہے اگر کوئی شخص پہلے وقت میں تراویح نہ پڑھے آخر وقت میں پڑھے تو نماز تہجد بھی ہو جائے گی اور تراویح بھی۔ زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔[3]

(۲۴) کسی خطیب نے بغیر وضو خطبہ پڑھا تو مع الکراہتہ جائز ہے۔[4]

(۲۵) عورت کا خطبہ دینا جائز ہے۔ امامت کے فعلوں میں یہ بھی ایک فعل ہے۔[5]

(۲۶) فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جلدی ہو یا دیر سے جائز ہے۔[6]

(۲۷) فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرعاً درست ہے۔[7]

(۲۸) تین رکعت وتر میں درمیانی قعدہ نہ کرنا حدیث سے ثابت ہے اس طرح وتر پڑھنے اور درمیانی قعدہ کرنے میں کوئی فرق نہیں دعائے قنوت دونوں میں جائز ہے۔[8]

(۲۹) بیس رکعات تراویح کی روایت کو اہلحدیث بوجہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ضعیف کہتے ہیں اور بیس رکعت تراویح کو بدعت۔ مگر فتاوے ثنائیہ میں ہے:

---

[1] فتاوے اہلحدیث جلد ۲ صلا [2] دیکھئے فتاویٰ اہلحدیث جلد ۱ ص۶۲ [3] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص۴۵۶
[4] نزل الابرار جلد ۱ ص۱۵۶ [5] اخبار اہلحدیث ۲۶ فروری ۴۳ء [6] فتاوے ثنائیہ جلد ۱ ص۵۱۸
[7] فتاوے اہلحدیث جلد ۱ ص۵۲۰ [8] اخبار اہلحدیث ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء

(۲۹) ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہوتا۔ ایسا قطعاً ذکر نا اچھا نہیں ہوتا۔[1]

مسائل زکوٰۃ

(۱) جن حضرات کو عورتیں تنگ کرتی ہیں کہ وہ اپنا سارا اثاثہ زیورات پر لگا دیں ان کے لیے مندرجہ ذیل مسائل میں بڑی سہولت ہے اس میں زکوٰۃ سے بھی بچ نکلنا ہو گا اور بیگمات بھی خوش رہیں گی۔

حنفی طلبہ اس رعایت کی خاطر اہلحدیث بننے کی کوشش نہ کریں ان کے ہاں سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض ہے۔

حوالجات

(۱) سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔[2]

(۲) میری تحقیق میں زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔[3]

(۳) زیور میں زکوٰۃ فرض نہیں کہی جا سکتی۔[4]

مسائل روزہ

(۱) سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔

(۲) اگر کوئی شخص سحری نہ کر سکے تو وہ روزہ نہ رکھے کیونکہ وہ روزے کی نیت سحری سے ہی کر سکتا تھا اب سحری گئی تو روزہ بھی گیا۔

(۳) جو بوڑھا مفلس اور نادار ہو اس کا روزے کا فدیہ کفارہ کہلائے اسلام میں یہ پہلا کفارہ

---

[1] ہفت روزہ اہلحدیث ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ [2] بدور الاہلہ ص۱۰۲ [3] فتاوی ثنائیہ جلد ۱ ص۶۹۳، ص۶۹۳ [4] فتاوی اہلحدیث ص ۱۹۱ ج ۲

ہے جو معاف کیا گیا ہے۔

ہمیں سمجھ میں نہیں آیا کہ فدیہ یہاں کفارہ کیسے بن گیا؟

حوالجات

① روزہ رکھنے کے وقت صرف سحری کھا لینی روزہ کی نیت کے لیے کافی ہے زبان سے کچھ کہنا اس کی ضرورت نہیں۔[1]

② سحری کھانے کے لیے اذان دے سکتے ہیں۔[2]

③ بہت بوڑھا شخص غیر متحمل نادار مفلس محض پر روزہ بھی فرض نہیں اور کفارہ بھی نہیں۔[3]

حج کے مسائل

① وطی سے حج فاسد نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی سزا ہے صرف غسل کافی ہے۔

نواب صاحب لکھتے ہیں:۔

وطی سے حج فاسد نہیں ہوتا اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے۔[4]

نکاح، متعہ اور طلاق کے مسائل

① جن سے نکاح حرام ہے ان میں سے کسی سے صحبت کی تو مہر مثل لازم آئے گا۔

② نکاح چار سے زیادہ عورتوں سے بھی ہو سکتا ہے پانچویں سے نکاح کرنے میں کوئی حدیث مانع نہیں ہے۔

③ بہو سے صحبت کی تو بیٹے کا نکاح نہ ٹوٹے گا۔

④ بیوی سے وطی فی الدبر جائز ہے۔

---

[1] فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۲۱۷ [2] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۶۵۲ [3] ایضاً ص ۶۵۸ [4] دیکھیے بدور الاہلہ ص ۱۴۱

(۵) بعض اہلحدیث متعہ کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔
(۶) ماں کی زنا کی کمائی بیٹے کی توبہ سے حلال ہو جاتی ہے

حوالجات

(۱) ولو دخل بالمحرمة فلها مثل المهر [۱]

(۲) پس چنانکہ باید و شاید منتہض از برائے استدلال از منع زیادت بر اربع نشود آیہ کریمہ فانکحوا ما طاب لکم (الآیہ) بر محاورۂ عرب عرباء وائمہ لغت مقید جواز نکاح دو دو سہ سہ و چہار چہار نساء در یک بار است و دراں تعرضے از برائے مقدار عدد زنان نیست۔ [۲]

(۳) لو جامع زوجة ابنه لا تحرم على ابنه۔ [۳]

(۴) عورت سے لواطت کو جائز سمجھنے والا کافر تو کجا فاسق بھی نہیں [۴]

(۵) جو شخص عورتوں اور لونڈیوں سے لواطت کرے اس کو منع نہیں کرنا چاہیئے کیوں کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے [۵]

(۶) وکذلک بعض اصحابنا فی نکاح المتعة فجوزوها لانه کان ثابتا جائزا فی الشریعة۔ [۶]

(۷) ماہواری کے ایام میں طلاق نہیں ہوتی طہر کی حالت شرط لازمی ہے [۷]
(۸) ماں نے زنا سے مال حاصل کیا بیٹا توبہ کرے تو مال حلال ہو جائے گا۔ [۸]

---

[۱] نزل الابرار جلد ۲ صـ۲۱ [۲] عرف الجادی صـ۱۱۱ [۳] نزل الابرار جلد ۲ صـ۲۸ [۴] دیکھئے نزل الابرار جلد ا صـ۲۱ [۵] ہدیۃ المہدی صـ۱۱۸ [۶] نزل الابرار جلد ا صـ۲۳ [۷] فتاوے ثنائیہ جلد ۲ صـ۲۵۹
[۸] دیکھئے پرچہ اہلحدیث ۲۵ سوال ۲۴۳ ۱۳ھ

ذبیحہ عقیقہ اور قربانی کے مسائل

(۱) بے نمازی کا ذبیحہ اہل کتاب کی طرح ہے۔

(۲) کافر کا ذبیحہ حلال ہے۔

(۳)

(۴) لڑکے کے عقیقے میں ایک بکرا بھی دیا جاسکتا ہے۔

(۵) غریب آدمی مرغ کی قربانی بھی دے سکتا ہے۔

(۶) پورے کنبے کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے۔

(۷) مرغا خرید لے کی بھی ہمت نہ ہو تو ایک پاؤ گوشت خرید کر قربانی کرسکتا ہے۔

حوالجات

(۱) بے نماز بے شک کافر ہے...... بے نماز کا ذبیحہ اہل کتاب کے حکم میں ہوگا۔[۱]

(۲) وكذلك ذبيحة الكافر ايضاً حلال۔[۲]

(۳) کافر کا ذبیحہ حلال ہے اس کا کھانا حلال ہے[۳]

(۴) اگر کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو کھانا کھاتے وقت پڑھ لے اس کا کھانا جائز ہے۔[۴]

(۵) لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے میسر نہ ہوں تو ایک بھی جائز ہے[۵]

(۶) اگر کوئی غریب ہو اور وہ عید قربان کے موقع پر بھیڑ بکری کی قربانی نہیں کرسکتا تو وہ مرغے کی قربانی کرے۔[۶]

---

[۱] فتاویٰ اہل حدیث جلد ۱ ص۳۷۷ [۲] نزل الابرار جلد ۲ ص۸۷ [۳] عرف الجاری ص۱ [۴] ایضاً ص۲۴۹
[۵] صحیفہ اہل حدیث کراچی ص۷ ۱۵ صفر ۸۷ھ [۶] مقاصد الامامۃ ص۵

(۷) شرعاً مرغ کی قربانی جائز ہے۔ [1]

(۸) قربانی کی ایک بکری بہت سے گھر والوں کو کفایت کرتی ہے اگرچہ سو آدمی ہی ایک مکان میں کیوں نہ ہوں [2]

(۹) چار آنے آٹھ آنے کا گوشت بازار سے خرید کر قربانی کے دنوں میں تقسیم کر دینا قربانی ہے [3]

کتاب الاطعمہ والاشربہ (کھانے پینے کے مسائل)

(۱) گھوڑا اور گوہ حلال ہیں [4]

(۲) منی پاک اور حلال ہے۔ [5]

منی کے پاک اور ناپاک ہونے کی بحث تو سمجھ میں آتی ہے لیکن اس کے حلال ہونے کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔ غیر مقلد علماء ہی اسے سمجھتے ہوں گے اور ہوا لگے بغیر اسے نگلتے ہوں گے ورنہ دیکھ کر اسے کون کھا سکتا ہے ؟

قادیانی فقہ

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ہم یہاں قادیانی فقہ کے بھی چند مسائل ذکر کر دیں مسائل میں اشتراک سے عقائد میں اشتراک لازم نہیں آتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو بے شک غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں اور ان کی عبادت گاہیں مسجدیں نہیں کہلاتیں تاہم یہ صحیح ہے کہ جشیتر اس بات کے مدعی رہے کہ ہم شریعت محمدی کے تابع ہیں اور یہ کہ مرزا غلام احمد غیر تشریعی نبی تھے۔ شریعت محمدی کی پیروی میں مرزا صاحب کس نہج پر چلے ہیں اور مسلمانوں میں سے وہ کس فرقہ کے زیادہ قریب ہیں اس کا مطالعہ ہمارے طلبہ کے

---

[1] فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص۲ [2] دیکھئے بدور الاہلہ ص۳۴۱ [3] مقاصد الامامۃ ص۵ [4] فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص۵۵ [5] وحید اللغات ص۔ وحید الزمان خاں

لیے بہت مفید ہوگا۔

درج ذیل چند مسائل بتلاتے ہیں کہ قادیانی زیادہ تر اہلِ حدیث کے قریب ہیں۔ خود مرزا بشیر احمد اپنے والد مرزا غلام احمد کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

اگر عقائد و تعامل کے لحاظ سے دیکھیں تو آپ کا طریق حنفیوں کی نسبت اہلحدیث سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔[1]

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھتا تھا۔[2]

(۲) مقتدی امام کے پیچھے لازماً سورۃ فاتحہ پڑھیں۔[3]

(۳) مرزا صاحب بڑی سختی سے اس بات پر زور دیتے تھے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔[4]

(۴) نمازِ تراویح بمع وتر گیارہ رکعت ہے تین وتر اس طرح پڑھے کہ دو پر سلام پھیرے۔ پھر تیسرا وتر پڑھے۔[5]

(۵) نماز تراویح اور تہجد ایک چیز ہے۔[6]

(۶) نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ سورۃ کو ملانا چاہیئے۔[7]

(۷) غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے بلکہ متعدد غائبین کا جنازہ بھی ہو سکتا ہے۔[8]

(۸) مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔[9]

(۹) سوتی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ پگڑی پر مسح کرنا جائز ہے۔[10]

(۱۰) حضرت صاحب نے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔[11]

(۱۱) اگر جراب کہیں سے پھٹ جاتی تو بھی مسح جائز رکھتے۔[12]

---

[1] سیرۃ المہدی حصہ ۲ ص ۴۹ [2] دیکھئے فتاویٰ احمدیہ جلد ۱ ص ۱۸ حقیقت نماز ص ۹ [3] سیرت المہدی حصہ ۱ ص ۸۸ [4] فتاویٰ احمدیہ جلد ۱ ص ۱۳ [5] جلد ۱ ص ۲۸ ص ۲۳ ص ۸ [6] سیرت المہدی حصہ ۲ ص ۴۹ [7] فتاویٰ جلد ۱ ص ۶۹ [8] دیکھئے سیرۃ المہدی حصہ ۱ ص ۱۲ [9] دیکھئے حقیقت نماز ص ۲۰۹ [10] ایضاً ص ۲۱۰ [11] فتاویٰ احمدیہ جلد ۲ ص ۲۲ ص ۲۳ ص ۲۵ ص ۳۱ [12] فتاویٰ جلد ۱ ص ۲۷، ۸۹ [13] سیرۃ المہدی ص ۲۶ [14] ایضاً ص ۱۲۷

(۱۲) بس کی سنت فجر رہ جائیں وہ فرضوں کے بعد پڑھ لے ہمارا یہی دستور ہے[1]

(۱۳) سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیرے[2]

(۱۴) بعد از فرائض (اجتماعی) دعا کرنا بدعت ہے۔[3]

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے احباب دعوے نبوت سے پہلے بھی اسی طریق پر عمل پیرا تھے اور بعد میں بھی اسی طریق پر رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد پہلے غیر مقلد تھا پھر وہ آہستہ آہستہ دعوے نبوت پر آیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کے اس بیان سے بھی اسی مؤقف کی تائید ہوتی ہے:۔

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعوے کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں[4]

مگر بعض علماء اہل حدیث کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد پہلے مقلد تھا اور گمراہ تھا۔ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھتا تھا۔ جب اس نے دعوے نبوت کیا تو وہ صحیح راستے پر آیا اور اس نے نماز کے صحیح طریقے اختیار کیے۔ البتہ علماء اہلحدیث اس کے دعوے نبوت کو نہیں مانتے۔ مرزا قادیانی کے سب ساتھی علماء حکیم نور دین بھیروی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی وغیرہ پہلے اہلحدیث تھے پھر قادیانی ہوئے مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:۔

مولوی نور دین صاحب عقیدۃً اہل حدیث تھے۔[5]

اس وقت یہ تاریخی بحث موضوع سخن نہیں صرف قادیانی طریق عمل کا سرسری تعارف کرانا تھا۔ تاکہ طلبہ کچھ اُن کی فقہ کے چند مسائل بھی سُن لیں ہم نے قادیانی فقہ کو مستقل نمبر نہیں دیا اوّلاً تو اس لیے کہ یہ قانونی طور پر غیر مسلم قرار پائے ہوئے ہیں۔ ثانیاً اس لیے کہ ان کے یہ مسائل فقہ اہل حدیث سے بہت ملتے ہیں۔ سو انہیں ان کے تحت ذکر کیا جا سکتا ہے۔ قادیانی فقہ کے مسائل

---

[1] حقیقت نماز ص۵ [2] ایضاً ص [3] فتاوی جلد ۱ ص۲۶ [4] اشاعۃ السنۃ نمبر ۴ جلد ۱ مطبوعہ ۱۹۸۸ء

آپ جان چکے۔ اب کچھ آگے چلیں۔

(۱۵) : نماز جمعہ کے لیے نہ مقتدیوں کی کوئی حد ضروری ہے اور نہ ہی اس کے لیے شہر کی شرط ہے[۱]

(۱۶) جمعہ اور عصر دونوں جمع کیے جا سکتے ہیں[۲]

(۱۷) سفر کی کوئی حد مقرر نہیں دو اڑھائی میل پر بھی قصر جائز ہے[۳]

(۱۸) عیدین کی تکبیریں بارہ (۱۲) ہیں صرف چھ زائد تکبیریں نہیں[۴]

(۱۹) حالتِ نماز میں چل کر کنڈی کھول دینے سے اور گھوڑا باندھ لینے سے نماز نہیں جاتی[۵]

(۲۱) حضرت مسیح موعود اکثر یوں فرمایا کرتے تھے کہ نماز سنوار کر پڑھا کریں اور نماز میں اپنی زبان میں دُعا کیا کریں[۶]

(۲۲) رکوع و سجود اور جلسہ میں اپنی زبانوں (فارسی۔ اردو۔ انگریزی پنجابی وغیرہ) میں بھی دعائیں مانگنا جائز ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے۔

مسجد مبارک میں مغرب کی نماز پیر سراج الحق نے پڑھائی۔ حضور علیہ السلام بھی اس نماز میں شامل تھے۔ تیسری رکعت میں رکوع کے بعد انہوں نے حضور کی ایک فارسی نظم پڑھی[۷] اس کا مطلع یہ تھا۔

؎ اے خدا! اے چارۂ آزارِ ما

ہم اس فقہ کو چھٹی فقہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں سمجھتے اس لیے اسے اسی نمبر میں جگہ دے رہے ہیں۔ آگے فقہ کی ساتویں قسم پر غور کریں اس پر ہم اس بحث کو ختم کریں گے۔

اسماعیلیوں اور بوہروں کی فقہ ان انواع فقہ سے چونکہ بہت ہی مختلف ہے اس لیے ہم اسے یہاں نہیں لار ہے نہ اس کے ساتھ جمہور اہل اسلام کا کوئی کتابوں کا اشتراک ہے۔

---

۱ فتاوے احمدیہ جلد ا ص۱۵۱ ۲ حقیقت نماز ص۱۴۸ ۳ فتاوے جلد ا ص۱۵ ۴ حقیقت نماز ص۲۱۵
۵ ایضاً ۶ حقیقت نماز ص۷۷ ۷ سیرت المہدی حصہ ۳ ص۱۴۰ ۸ دیکھئے سیرت المہدی حصہ ۳ ص۱۳۸
حقیقت نماز ص۱۲۴

ایک ساتویں فقہ (فقہ تلفیق)

ایک ساتویں فقہ جس نے پہلی فقہوں پر پانی پھیر دیا وہ فقہ تلفیق ہے۔
آجکل ایک ایسا دینی طبقہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے جس نے ہر باب عمل میں رخصتوں کو تلاش کر رکھا ہے کچھ تعلیم یافتہ لوگ بھی ان کے ساتھ آملے ہیں۔ یہ سہولت پسند لوگ اس ساتویں فقہ کے پیرو ہیں کہ ہر مسلک اور ہر فقہ کی سہولتوں کو حسب ضرورت اپنالیا جایا کرے۔ یہ لوگ ائمہ کی پیروی اس جہت سے نہیں کرتے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول برحق کے ترجمان ہیں بلکہ وہ انہیں غیر مشروط طور پر لائق اتباع سمجھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کسی کی پیروی کر لیتے ہیں
مختلف مسالک کی رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر اپنی دینی زندگی کی تعمیر کرنا یہ بذات خود فسق ہے اور یہ جذبہ لائق مذمت ہے لیکن عمل تلفیق اس سے بھی ایک جدا اور بری راہ عمل ہے۔ یہ دوسرے مذاہب کو اصولاً نہیں حسب موقع اپنانا ہے۔ یہ لوگ کسی مسلک کو مستقل طور پر اختیار نہیں کرتے جب سہولت اس کے اختیار کرنے میں ہو تو اسے لے لیتے ہیں اور جب فائدہ اس کے ترک میں ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں ائمہ کا وجود رحمت ہے جس کی جب چاہے پیروی کر لو۔ کسی ایک طریقے پر کاربند ہونا مصیبت ہے۔ اختیار و انکار کے اس جمع کرنے کو تلفیق کہتے ہیں۔
ایک مثال لیجئے:۔
ایک شخص نے وضو کیا اور حنفی طریق سے نماز میں داخل ہوا۔ سجدے میں کانٹا چبھا اور اس کا خون بہہ نکلا اور بایں سہولت کہ اسے نیا وضو نہ کرنا پڑے وہ نماز کے اندر ہی شافعی مذہب پر آگیا۔ شافعی مذہب میں خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
اب یہ شافعی مسلک پر سینہ پر ہاتھ باندھے نماز پڑھ رہا تھا کہ ہوا تیزی سے چلی اور اور اپنے کپڑے سنبھالنے میں اس کا ہاتھ ستر کو چھو گیا اور شافعی مذہب میں وہ اب وضو میں نہ رہا

اس نے جلدی سے پھر حنفی مذہب میں آنے کی نیت کرلی اور ہاتھ ناف سے نیچے باندھ لیے۔ جس سے تہبند اچھی طرح کنٹرول ہوگیا۔ اس طرح اس کی نماز جاری رہی اور وہ دل ہی دل خوش ہو رہا تھا۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ادھر رکھا چراغ ٹمٹمانے لگا بتی درست کرنی تھی۔ وہ نماز میں چراغ درست کرنے چلا گیا اور اہلحدیث ہونے کی نیت کرلی۔ اہلحدیث طریقے میں اس عمل سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

نماز سے فارغ ہونے پر پتہ چلا کہ امام قادیانی تھا بہت پریشان ہوا۔ پھر اس کو تنبہ ہوا کہ اس نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اپنی پڑھی ہے اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ ایک نہیں کیا۔ اہل حدیث کے ہاں نماز کا مدار سورۃ فاتحہ پر ہے امام پر نہیں — تب جاکر اس کو اطمینان ہوا کہ اس کی نماز ہوگئی ہے اور اسے سانس میں سانس آیا۔

یہ چند واقعات محض عملِ تلفیق کے سمجھانے کے لیے ہیں کہ سہولت پسند لوگ کس طرح حسب موقع اپنا مذہب بدلتے ہیں۔ یہ سلسلہ اتنا وسیع پیچیدہ اور آرام دہ ہے کہ شاید کوئی نقد بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکے۔ لیکن اس میں جو اعتقادی مفاسد لپٹے ہیں شاید ہمارے قارئین ان کا اندازہ نہ کرسکیں — بڑی بات یہ کہ اس نے مختلف ائمہ کو شارع سمجھ لیا کہ ان کا کسی چیز کو حرام یا حلال کہنا واقعی اسے حرام یا حلال کر دیتا ہے۔ حالانکہ ائمہ مجتہدین دین کے ہرگز موجد نہیں صرف مظہر ہیں شیخ سعید بن حجی الحنبلی نے اس پر ایک نہایت مفید کتاب لکھی ہے اور تلفیق کو دین کے نہایت مضر بتلایا ہے۔

دین اللہ رب العزت اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ماننے کا نام ہے۔ عبادت کرنے والا دوران عبادت ہر لمحہ محسوس کرے کہ وہ کتاب و سنت کے موافق چل رہا ہے عملِ تلفیق میں یہ نیت باقی نہیں رہتی اور حالات بدلنے پر وہ شخص جس مسلک میں داخل ہوتا ہے وہ ایسا اپنی سہولت کے لیے کرتا ہے۔ اس کی نماز رضائے الٰہی کے لیے مسلک بدلنے سے نہیں ہوتی — صاحب درمختار علامہ علاء الدینؒ (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں :-

ان الحکم والفتیا بقول المرجوح جہل وخرق للاجماع وان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان المرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وھو المختار فی المذھب[1]

ترجمہ. فقہ میں قول شاذ پر فتوےٰ دینا جہالت ہے اور اجماع کو توڑنا ہے اور تلفیق بالاجماع باطل ہے کسی چیز پر تقلیداً عمل کرنے کے بعد محض کسی سہولت کے لیے اس سے رجوع کرلینا یہ بالاتفاق باطل ہے حنفی مذہب میں مفتی بہ قول یہی ہے۔

انگلینڈ میں ہم نے دیکھا ہے کہ جب کسی قومی یا سیاسی مہم میں مسلمانوں کے قافلے لندن جمع ہوتے ہیں تاکہ ایک قومی سطح پر اپنے کسی موقف کے حق میں ہائیڈ پارک یا کسی دوسری جگہ کوئی مظاہرہ کیا جا سکے تو آتے اور جاتے نمازوں کا بیشتر یہی حال دیکھا ہے کہ نہ وقت کی پابندی ہے —— نہ صحیح وضو کی —— نہ درست استنجا کی —— نہ پاک کپڑوں کی —— نہ جہت قبلہ کی —— نہ کھڑے ہونے کی —— نہ بیٹھنے کی۔ اور دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دلوں یہ ساتویں فقہ (عمل تلفیق) پہلی چھ قسم کی فقہ پر چھائی جا رہی ہے اور نئے فیشن کے مفتی ہر سو گھوم رہے ہوتے ہیں کہ سب ٹھیک ہے کسی مولوی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں. مولویوں نے یونہی دین کو تنگ کر رکھا ہے کیا انہوں نے دین کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ انہی کا فتوےٰ چلے؟ کیا ہمارا فتوےٰ نہیں چل سکتا؟ فتوےٰ دینے والے کے لیے کیا یہ ضروری ہے کہ اس کے چہرے پر داڑھی ہو؟

جعفری فقہ میں تو گنجائش ہے کہ ایک عمل کو اصل پر رکھیں اور دوسرے کو تقیہ پر محمول کر کے گزریں اور چھٹی فقہ میں بھی گنجائش ہے اپنے اوپر کسی عالم کی پابندی لازم نہ کریں جہاں سہولت چاہیئے نیا اجتہاد کرلیں لیکن پہلی چار فقہوں میں اس عمل تلفیق کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ان چاروں مذاہب میں اس عمل تلفیق پر نکیر کی گئی ہے

---

[1] درمختار جلد ۱ صفحہ ۲۹

علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں :۔

مثاله متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحة هذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحة منتفية [1]

ترجمہ۔ اس کی مثال وہ وضو والا شخص ہے جس کے بدن سے خون بہہ نکلا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھو لیا پھر اس نے نماز پڑھی۔ اس نماز کی صحت مذہب شافعی اور مذہب حنفی دونوں سے ملفق ہے اور تلفیق باطل ہے۔ سو اُس کی نماز نہیں ہوئی۔

عمل تلفیق ایک نفس کی سہولت ہے جو اس نے تلاش کر لی ہے یہ ہرگز دین الٰہی نہیں ہے یہ دین میں اپنی غرض کے لیے لچک پیدا کرنا ہے جو ہرگز جائز نہیں دینی مجالس میں شرعی غنڈے اس ساترین فتنہ کی حمایت میں برسرعام بولتے ہیں اور کوئی ہمت نہیں کرتا جو ان جاہلوں کو لگام دے یہ دین کو کھیل بنانا ہے۔

الذین اتخذوا دینھم لھوًا ولعبًا وغرتھم الحیٰوۃ الدنیا .. فالیوم ننسٰھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا وما کانوا بایٰتنا یجحدون۔

(پ الاعراف ۵۱)

ترجمہ جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل بنا رکھا ہے اور انہیں دنیوی زندگی نے دھوکا دے رکھا ہے ہم انہیں بھلائے رہیں گے جیسے کہ وہ آج کے دن کا پیش آنا بھلائے رہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے

---

[1] رد المحتار جلد اص ۲۹

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ نہ سمجھا جائے کہ جس طرح عملی طور پر پانچویں اور چھٹی فقہ امت مسلمہ میں انتشار کا موجب ہوئی ہیں اسی طرح پہلی چار فقہوں سے بھی امت میں کوئی انتشار پیدا ہوا ہوگا یہ ہرگز صحیح نہیں ہے

مذاہب اربعہ آپس میں اختلاف عمل ترجیح وسعت عمل اور دقت نظری کا موجب تو بے شک ہوئے لیکن ان کے باعث کسی پہلے دور میں انتشار اور افتراق نہیں پایا گیا۔ محدثین مذاہب اربعہ میں رہتے ہوئے حدیث و سنت کی خدمت میں برابر وسعت قلبی سے چلے ہیں

کسی ملک کے مقلدین نے دوسرے ملک کے مقلدین کو گمراہ نہیں کہا نہ اپنے کسی مکتب فکر کو ان تہتر فرقوں میں شمار کیا ہے جس کے بارے میں لسان شریعت نے کلھم فی النار کی تصریح کی۔ یہ چاروں مذاہب اس ایک فرقہ میں شامل ہیں جسے لسان شریعت نے الا واحدہ کہہ کر تہتر (ثلث وسبعین) سے مستثنیٰ کیا۔ سو یہ صحیح ہے کہ جس طرح آجکل کے اہل السنۃ اور اہلحدیث ایک دوسرے سے اصولاً مختلف ہیں۔ یہ مسالک اربعہ آپس میں اصولاً ایک ہیں اور مقلدین آپس میں جن دوسرے مسلک والوں کو خطا پر سمجھتے ہیں انہیں بھی اللہ کے ہاں ماخوذ نہیں ماجور سمجھتے ہیں گو ان کے لیے ایک اجر ہو۔

اہل حدیث (باصطلاح قدیم) اور اہل حدیث باصطلاح جدید میں فرق

اہلحدیث باصطلاح قدیم فقہی مسائل میں دوسرے مسالک سے تعصب نہ رکھتے تھے کسی درجہ میں انکے پاس حدیث ہو وہ اس اختلاف روایات کو وسعت عمل پر محمول کرتے اور اس کے درپے نہ ہوتے کہ اپنے موقف کو حق اور دوسروں کے موقف کو باطل کہیں اس سے اُمت میں جو انتشار پیدا ہوتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پہلی صورت میں رواداری کا سبق ملتا ہے اور دوسرے مسلک کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ حضرت ھلب کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑتے یہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ہے کہنی پر ہاتھ رکھنا نہیں جیسا کہ اہل حدیث باصطلاح جدید کرتے ہیں

آگے یہ سوال اُٹھتا ہے کہ یہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ناف سے نیچے ہو یا ناف سے اُوپر؟ اس پر اہلحدیث (باصطلاح قدیم) کا موقف سُنیئے امام ترمذیؒ کہتے ہیں۔

والعمل علی ھٰذا عند اھل العلم باصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم یرون ان یضع الرجل یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ ورای بعضھم ان یضعھما فوق السرۃ ورای بعضھم ان یضعھما تحت السرۃ وکل ذلک واسع عندھم۔ جلد اوّل ص۳۵

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اہلِ علم کا یہی عمل رہا ہے کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے بعض نے کہا وہ اس طرح انہیں ناف کے اُوپر رکھے اور بعض کہتے ہیں وہ انہیں اس طرح ناف کے نیچے باندھے اور ان میں سے کوئی طریق اختیار کرے محدثین کے ہاں اس میں ہر طریق پر چلنے کی گنجائش ہے۔

کیا امام ترمذیؒ جو (باصطلاح قدیم) اہلحدیث تھے اُنھوں نے اپنے عمل کے خلاف دوسرے عمل والوں کو باطل کے فاصلے پر رکھا یا دونوں پر عمل کی گنجائش بیان فرمائی۔ آج کے اہلحدیث بھی اگر پہلے اہلِ حدیث کے طریقوں پر چلیں تو یہ فروعی اختلافات ہرگز کسی انتشار کا باعث نہیں ہو سکتے۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ کو کسی نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے ایک رکعت وتر کی نماز پڑھی ایسا پہلے کہیں نہ دیکھا گیا تھا۔ اُمت میں وتر کی کم از کم تعداد تین ہی رہی ہے امام مالکؒ موطا میں لکھتے ہیں ادنی الوتر ثلٰث (موطا ص۱۲۴ مصر) مگر حضرت معاویہ نے اپنے اجتہاد سے ایک رکعت وتر پڑھے۔ سوال تبھی پیدا ہُوا کہ ایسا اُمت میں پہلے کہیں نہ دیکھا گیا تھا جب یہ بات حضرت ابن عباس سے پُوچھی گئی تو آپ نے اُن کے عمل کو باطل نہیں فرمایا بلکہ کہا اصاب انہ فقیہ صحیح بخاری جلد ۱ ص۵۳۱ آپ نے ٹھیک کیا آپ فقیہ ہیں۔ یعنی یہ ایک رکعت وتر کسی روایت میں بیشک نہیں لیکن آپ فقہی طور پر اس کے استنباط کا حق رکھتے ہیں آپ بیشک فقیہ ہیں۔

فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمد کے سامنے یہ سب صورتیں تھیں۔ امام بخاریؒ کا موقف

صحیح بخاری میں ملاحظہ فرمایئے کس وسعت قلب سے آپ وسعت عمل کا موقف اختیار کر رہے ہیں افسوس کہ آج کل کے اہلحدیث فروعی مسائل میں وسعت عمل کے موقف سے یکسر محروم ہیں
صحیح بخاری میں ہے قال القاسم ورأینا اناساً منذ ادرکنا یوترون بثلث وان کلا لواسع وارجوان لا یکون بشئ منہ بأس (جلد ۱ ص۱۳۵)
امام حسن بصری کہتے ہیں : اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی آخرھن
ترجمہ : مسلمانوں کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ وتر تین رکعات ہی ہیں درمیان میں سلام نہ پھیرے ۔ اب جبکہ تین رکعت وتر پر اجماع ہو چکا ہے کسی عامی کو (بغیر کسی مجتہد کی پیروی کے) تین وتر سے کم نہ پڑھنا چاہیے بایں ہمہ دیکھیے کہ اہلحدیث (باصطلاح قدیم) کے اِس وسعت عمل کی کہاں تک گنجائش تھی امام بخاری کا یہ لکھنا کہ ارجوان لا یکون بشئ منہ بأس اس وقت کے اہل حدیث کی معتدل روش کی نشاندہی کر رہا ہے ۔ افسوس کہ اہلحدیث باصطلاح جدید اس وسعت قلب سے خالی ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ کا عقیدہ وسعت عمل

فان السلف فعلوا ھذا و ھذا وکان کلا الفعلین مشھوراً بینھم کانوا یصلون علی الجنازۃ بقرأۃ وبغیر قرأۃ کما کانوا یصلون تارۃ بالجھر بالبسملۃ وتارۃ بغیر جھر وتارۃ باستفتاح وتارۃ بغیر استفتاح وتارۃ برفع الیدین فی المواطن الثلثۃ وتارۃ بغیر رفع ... کان فیھم من یفعل ھذا وفیھم من یفعل ھذا کل ھذا ثابت عن الصحابۃ[1]
کیا اہل حدیث (باصطلاح جدید) اس طرح کھل کر یہ کہنے کو تیار ہیں کہ صحابہ میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں طریقے رائج تھے اگر نہیں تو یہ حقیقت ہے کہ اہلحدیث (باصطلاح جدید) اہلحدیث (باصطلاح قدیم) کے طریق پر نہیں ہیں ۔ حافظ ابن قیم بھی کہتے ہیں۔
ومن ھذا ایضاً جھر الامام بالتامین وھذا من الاختلاف المباح

---

[1] فتاوےٰ ابن تیمیہ

الذی لایعنف فیہ من فعلہ ولا من ترکہ و ھذا کرفع الیدین فی الصلوٰۃ وترکہ [1]

(ترجمہ) اور اسی طرح ہے امام کا اُونچی آواز سے آمین کہنا یہ وہ اختلاف ہے کہ اس میں کرنے والے اور نہ کرنے والے کسی کو نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ہے جیسے نماز میں رفع یدین کرنا اور رفع یدین نہ کرنا۔ دونوں طریقے جائز ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُمّت میں مذاہب اربعہ کے اختلافات ہرگز کسی انتشار کا باعث نہیں رہے، ورنہ آٹھویں صدی ہجری میں ہم ان اختلافات کو رواداری کے پیرایہ میں نہ سُنتے اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ مذاہب اربعہ کے اختلافات ان دنوں فرقہ وارانہ اختلافات نہ سمجھے جاتے تھے۔ یہ چاروں ایک ہی فرقہ کے لوگ تھے جس کا نام اہل السنت والجماعۃ تھا۔

یہ وہ فرق واضح ہے جس نے اِس دَور کے اہلِ حدیث کو پہلے دَور کے اہلحدیث (محدثین) سے یکسر جُدا کر رکھا ہے۔ یہ سلفی کہلا کر بھی سلف کے جھنڈے تلے نہیں آ سکتے مذاہب اربعہ کو بُرا کہنا شیعوں کا عمل تھا اور رہا اس لیے کہ اس سے صحابہ کے کسی طبقے پر ضرور زد پڑتی تھی۔ حافظ ابن تیمیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کو بُرا کہنے والے شیعہ کے چھوٹے بھائی ہیں یہ اس لیے کہ مذاہب اربعہ کے اختلافات وہی ہیں جو صحابہ کے مابین تھے ان میں اس طریقے پر بھی عمل تھا اور اُس طریقے پر بھی۔
ہم اس نظریہ کو جس سے اہلِ حدیث (باصطلاح جدید) بطورِ جماعت نفرت کرتے ہیں۔ اہل بدعت کی راہ سمجھتے ہیں کیونکہ بقول حافظ ابن تیمیہ سلف میں یہ بات نہیں ملتی۔

---

[1] زاد المعاد جلد ا صفہ